یا مولا کریمؑ العجل

اسرار العبدیات

یعنی

عملی روحانیات

فکرِ اوج

شہزادہ فصیح البیان

السید محمد جعفرؒ الزمان نقوی البخاری

جمن شاہ ضلع لیہ

مصنف کا نام : مخدوم السید محمدؑ جعفرؑ الزمان نقوی البخاری

کتاب :اسرار العبدیات

مرتب : مہتاب اذفر

تکنیکی معاونین : علی رضا، بلال حسین

سنۂ اشاعت :2013ء

تعداد :1000

ایڈیشن :سوم

پبلشرز :القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی

کمرہ نمبر 11 اے اینڈ کے چیمبر 14 ویسٹ اینڈ وہارف روڈ

کراچی نمبر 2 پوسٹ کوڈ 74000 پاکستان

فون نمبر 021-3220537,32311979,32311482

Email: klbehaider@yahoo.com

ملنے کا پتہ : المنتظرین پبلیکیشن جمن شاہ ضلع لیہ

فون نمبر : 0606460259

ویب سائٹ : www.Khrooj.com

www.jammanshah.com

Email.jammanshah@gmail.com

ISBN-969.8806.23.7

یا مولا کریم عجل الله فرجک و صلوات الله علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اپنے شہنشاہ یزداں اجلال عجل اللہ فرجہ الشریف کے نام کہ جن کی معرفت پوری انسانیت پر واجب ہے اور ان کی نصرت کا عہد انبیاء ماسلف علیہم السلام سے لیا گیا تھا اور اس دور میں جن کی نصرت ہی اللہ کی نصرت ہے

اس امید کے ساتھ یہ کتاب ان کی نذر کرتا ہوں کہ وہ اپنے ازلی ابدی شیوۂ رحمت کے تحت اسے شرف قبول عطا فرمائیں گے

دعا گو

جعفر نقوی

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عناوین

.... ☆ ....

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

حمد ہے اس پر اسرار ذات کی کہ جس کے اسرار سے کما حقہٗ نہ کوئی نبی واقف ہے، نہ کوئی ولی، نہ کوئی مرسل اور نہ کوئی دوسرا مقرب حتیٰ کہ اس کے اسرارِ ذات سے خود اس کے اسماء وصفات بھی اپنے مرتبہ اوصافیہ کے باوصف کبھی واقف نہیں ہوسکتے کیونکہ یہی اس کی پر اسراریت ہے کہ جو کبھی بھی کھل نہیں سکتی یہی اس کی راز داری ہے کہ جو کبھی بھی منکشف نہیں ہوسکتی یہی اس کی مکنونیت ہے کہ جو کبھی منصۂ شہود میں نہیں آسکتی یہی اس کی الوہیت ہے کہ جو کبھی اپنے مالوہ کے دائرۂ ادراک کو نہیں چھو سکتی کیونکہ اس کے اور اس کی مخلوق کے مابین حجابات قہریہ ذاتیہ ہی اس کا پردہ بنے ہوئے ہیں حجابات قہریہ ذاتیہ کوئی دوسری چیز نہیں بلکہ اس کی اپنی ذات ہے کیونکہ اس کے حریم ذات میں غیر کا تصور بھی کفر ہے کیونکہ وہ ایسا احد ہے کہ جس کے ماقبل و مابعد کوئی عدد نہیں اور نہ ہی وہ عدد مرکب ہے، نہ معدد ہے، نہ وہ قابل تقسیم ہے، نہ ہی وہ قابل تجزیہ ہے وہ ایک ایسی اکائی ہے جو سب سے محیط ہوکر اپنے محاط کی چادر سے رخ زیبا نہیں دکھاتی ہاں اگر کوئی اس کے دیدار کی حسرت لے کر بڑھتا ہے تو وہ اپنے لا متناہی کرم کے پیش نظر اسے کبھی مایوس نہیں فرماتی اور اپنے دیدار سے تشنہ نگاہوں کو سیراب فرمانا اپنے دعویٰءِ کرم کا ثبوت مانتی ہے۔

ہاں اس میں وہ اپنے اظہار کے لئے ایک مظہر کو اختیار فرماتی ہے کہ جس کے جسم منور ومروح سے اپنے انوار ذات کا مشاہدہ کرواتی ہے مگر اس کے لئے طلب صادق، خلوصِ نیت، جہد مسلسل، پاکیزہ سوچ اور تذکیٔ نفس کی ضرورت ہوتی ہے۔

دوستو! اس دور میں یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ ''عرفانیات'' اور ''روحانیات'' اور ''ربانیات'' تین مختلف علوم ہیں بلکہ عام طور پر انہیں ایک ہی تصور کیا جاتا ہے مگر ان میں بنیادی طور پر بہت فرق ہے اور نتیجتاً ان کے مابین فرق بھی نہیں ہے ان تینوں علوم میں سے جو بنیاد ہے وہ روحانیات ہے باقی اس کے بعد کے علوم ہیں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے درمیان کیا فرق ہے؟

روحانیات

دوستو! روحانیات ایک ایسا علم ہے جو انسان کے تزکیاتِ نفس کے طریقوں اور فارمولوں پر بحث کرتا ہے یعنی اس میں ان پر اسس پر بات ہوتی ہے کہ جو انسان کے نفس کو پاک کرنے سے متعلق ہوتے ہیں پھر اس کے اندر اس کی کئی شاخیں ہیں
یعنی کئی لوگ اس نفس کو زیر کر کے یعنی مسخرات کر کے اس کی قوتیں اس سے چھیننا چاہتے ہیں اور انہیں اس دنیا میں استعمال کر کے اس دنیا کے سامنے بڑا بننا چاہتے ہیں یا اس دنیا میں کمائی کرنا چاہتے ہیں یا اپنے چمتکاروں سے دنیا کو اپنے قدموں میں جھکانا چاہتے ہیں یعنی وہ ایک ایسی شکتی پانا چاہتے ہیں کہ جو انہیں اس دنیا میں سپر مین بنا دے یہ اعمال کی دنیا ہے جسے علم عملیات کہا جاتا ہے اس میں دو طرح کے علم ہوتے ہیں

1......سفلی

2......نوری

سفلی عملیات کی پھر کئی شاخیں ہیں یعنی شیطان نے اپنی شیطانیت جن جن اقوام میں پھیلائی ہے ان اقوام کے علیحدہ علیحدہ سفلی علوم ہیں جیسا کہ افریقہ کے سفلی عملیات ،مصر کے سفلی عملیات، ہندوستان کے سفلی عملیات، یورپ کے سفلی عملیات وغیرہ

یہ یاد رہے کہ ان عملیات سے جو ثمر ملتا ہے اسے سحر ''جادو'' کہا جاتا ہے

نوری عملیات کی بھی بہت سی شاخیں ہیں کیونکہ جن جن اقوام کے لئے خالق نے اپنے نمائندوں کو اپنی کتابیں دے کر بھیجا ہے ان اقوام میں ان کتابوں کے حوالے سے کئی عملیات رائج ہیں جیسا کہ سریانی، عبرانی یا عربی عملیات ہیں اور ہمارے ہاں تو مکمل قرآن پاک کو عملیات کی کتاب سمجھا جاتا ہے اور اس کی ہر آیت کے اعداد سے تعویذات تیار کیے جاتے ہیں، مثلث و مربع پر کیے جاتے ہیں اور ایک ایک آیت پر چلہ کشیاں ہوتی ہیں اور اس کے ماہرین اپنے شاگردان رشید کو آگاہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دانت درد کے لئے ہے، یہ گردے کے درد کے لئے ہے، یہ حُب کے لئے ہے، یہ بغض کے لئے ہے، یہ تسخیر کے لئے ہے، یہ غائب ہونے کے لئے ہے وغیرہ وغیرہ لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان دونوں قسم کے عملیات کا تعلق اس دنیا سے ہوتا ہے اس سے آخرت سے محرومی ہی ہوتی ہے

جو سفلی علوم ہیں ان میں ان دونوں طرح کے عملیات سے جو چمتکار دکھایا جاتا ہے اس کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں یعنی اگر سفلی عملیات سے کوئی مظاہرہ کیا جائے تو اسے ''سحر'' کہا جاتا ہے اور اگر نوری عملیات کے ذریعہ سے کوئی مظاہرہ کیا جائے تو اسے

''استدراج'' کہا جاتا ہے

کئی لوگوں کو اشتباہ ہوتا ہے اور وہ نوری عملیات سے ہونے والے مظاہرے کو کرامات کہتے ہیں مگر کرامات تو مقام ولایت پر پہنچنے کے بعد ہی ممکن ہے اس سے قبل جو کچھ ہے وہ استدراج ہے لیکن علم روحانیات ان چیزوں سے آگے کی بات ہے یعنی اس میں ایسے اعمال پہ روشنی ڈالی جاتی ہے کہ جس سے نفس میں جلا پیدا ہو اور اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے کہ اس کا رابطہ نور اِلٰہی سے ہو جائے اس میں انوار اِلٰہیہ کے ادراک کی استعداد پیدا ہو جائے۔

یہ علم تزکیات نفس کا ایک جامع دستور العمل (Framwork) ہوتا ہے جس پر عمل کر کے انسان محبوبِ حقیقی کے دیدار اور رضا کو پالیتا ہے۔

علم عرفانیات

یہ علم اعمال سے بحث نہیں کرتا بلکہ اعمال کے نتیجے میں ملنے والے مکاشفات سے بحث کرتا ہے یعنی اس میں جو مشاہدات ہوتے ہیں ان کی تشریحات کے بارے میں گفتگو کرتا ہے ان کیفیات کو بیان کرتا ہے کہ جو ایک عارف کو عالم ماوریٰ کے ادراک سے حاصل ہوتی ہیں اس کے سارے عقائد و نظریات ادراکی ہوتے ہیں ،مشاہداتی ہوتے ہیں، کیفی ہوتے ہیں کیونکہ عرفانیات کا علم بیان کیفیت تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس کی منزل حصول کیفیت کی ہوتی ہے۔

ربانیات

علم ربانیات ایک ایسا علم ہے جو عارف و معروف کے بارے میں حقیقی نظریات

فراہم کرتا ہے یعنی اس میں حتمی نظریات وعقائد کی بات ہوتی ہے کیونکہ عرفانیات میں جو مشاہدات ہوتے ہیں وہ شاہد کے ظرف کے مطابق ہوتے ہیں نہ کہ اپنی اصلیت کے مطابق ہوتے ہیں اگرچہ وہ بھی درست ہی ہوتے ہیں مگر وہ فرد کے لئے درست ہوتے ہیں یعنی شاہد کی حدتک تو درست ہوتے ہیں مگر من حیث الکل وہ نامکمل بھی ہوسکتے ہیں مگر ربانیات میں وہ ذاتِ معروف کے حوالے سے حتی الامکان درست ہوتے ہیں اسی طرح ان علوم سے ملتے جلتے بہت سے اور علوم بھی ہیں مثلاً فزیالوجی ہے، نیورالوجی ہے، پیٹنالوجی ہے، تصوف ہے، علم کلام ہے، فلسفہ اِلٰہیات ہے۔ یہ سب کسی نہ کسی حوالے سے عالم ماوریٰ سے بحث کرتے ہیں مگر ان کا طریقہ ءِ بحث، زاویہ ٔ بیان، طرزِ استدلال، کلیات اور قوانین جدا جدا ہوتے ہیں۔

اس دور میں کسی ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو کسی طالب روحانیات کو ابتدائی روحانیات کے بارے میں ایجوکیٹ کرسکے کیونکہ اس موضوع پر موجودہ مارکیٹ میں اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں کوئی کتاب موجود نہ تھی ہاں اس پر کئی لوگ کام کررہے ہیں جیسا کہ جناب عارف ابطحی دام ظلہ ہیں، اسی طرح کئی اور محترم شخصیات کے نام سنتے ہیں مگر ان کے کام سے پوری طرح آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے نام نہیں لکھ رہا ہوں۔ اسی طرح اہل سنت حضرات میں بھی کئی محترم لوگ کام کررہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس دور میں روحانیت کی پیاس بڑھتی چلی جارہی ہے مگر سامنے کوئی ایسا چشمہءِ روحانیات موجود نہیں ہے کہ جو سہل الحصول ہو۔ جو لوگ کام کررہے ہیں وہ اتنا لمبا پراسس دیتے ہیں کہ کوئی اس پر عمل نہیں کرسکتا کیونکہ عمل کرنا شروع کردے تو اسے ساری دنیا سے منقطع ہوکر بیٹھنا پڑتا

ہے حالانکہ اس دور میں تو ایک ایسے پراسس کی ضرورت تھی کہ جس سے اس دور کا بلٹ سپیڈ پہ چلنے والا انسان تھوڑا سا وقت نکال کر کچھ نہ کچھ دیکھ سکے، کچھ نہ کچھ مشاہدہ کر سکے، کیونکہ کوئی بھی ایمان کی منزلِ یقین پر مشاہدے کے بغیر نہیں جا سکتا جیسا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے بھی ایمان ہونے کے باوجود مشاہدہ طلب کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نفس کا اطمینان مشاہدے میں ہوتا ہے اسی لئے اس دور میں بھی مشاہدہ کروانے کی اشد ضرورت ہے۔

ماضی میں کئی اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم موجود رہے ہیں اور وہ ایک طرح سے روحانیت کی ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتے تھے وہ اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کو پرکھ کر بڑے بڑے روحانی سکالر پیدا کرتے رہتے تھے اب اس دور میں ظاہر بین علماء کی وجہ سے اور مطلب پرست عوام کی وجہ سے وہ لوگ تو غائب ہوگئے ہیں یعنی انہوں نے خود کو چھپا لیا ہے کیونکہ ہم لوگوں نے انہیں اپنی خواہشاتِ نفس پر چلانا شروع کر دیا تھا یعنی ہم ان کی تو کوئی بات نہیں ماننا چاہتے تھے اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے ان سے ہر بات منوانے پر مصر رہتے تھے، کبھی کسی بیماری سے نجات کے لئے جاتے تھے تو کبھی کسی جرم میں قید ہونے پر کسی کی رہائی کے لئے دعا کروانے جاتے تھے، کبھی کہتے کہ جناب ہماری مرغی انڈے کم دے رہی ہے تو کبھی گائے کے دودھ کے اضافے کے لئے جاتے تھے اور کبھی یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ جناب آپ یہاں بیٹھے کس لئے ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنی پوجا کروانے تو نہیں آتے تھے بلکہ وہ تو مخلوق کو خالق سے واصل کرنے کے لئے آتے تھے مگر ہم ان کے اس مقصد کی طرف کبھی توجہ نہیں دیتے تھے اس لئے وہ ہم سے چھپ گئے ہیں اور گویا ہمارے رویے نے

ہمارے درمیان سے انہیں فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔
اولیائے کرام کا یہ دستور تھا کہ وہ جس شخص کو روحانیت کی طرف لے کر جاتے تھے تو اسے سب سے پہلے اس دنیا کے خزائن عطا فرما دیتے تھے کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ جب تک وہ کسی چیز کو حاصل نہیں کر لیتا اس کی کشش اس کے دل سے نہیں نکل سکتی اس لئے وہ انہیں ایسے علوم و اعمال عطا فرماتے تھے کہ جن سے اس دنیا کو کوئی چیز ان کے لئے نا قابل حصول نہیں رہتی تھی تب جا کر ان کے من سے اس دنیا کی کشش دور ہوتی تھی اس کے بعد وہ انہیں کسی مقام پر رکنے نہیں دیتے تھے اور طالبِ روحانیت کو آگے بڑھاتے رہتے تھے اب یہ صورت حال ہے کہ اگر کسی کو کوئی چھوٹی سی چیز بھی دی جائے تو وہ اسی پر اپنی دکان چمکانے کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔
سارے لوگ اس نفس امارہ کی خواہشات کی تکمیل کے لئے اس درجہ سرگرداں ہیں کہ انہیں چاہے یہ چیز کسی بے ایمانی سے ملے، اسلام دشمنی سے ملے یا روحانی ریاضات سے وہ اس کے لئے تیار ہیں اس لئے ہمیں اس کتاب کے لکھنے کے دوران کئی مشکلات آئے ہیں ایک طرف طالبانِ دنیا کی طلبِ روحانیت کہ جو اس کی ریاضات سے دنیا کمانا چاہتے تھے، دوسری طرف طالبانِ مولیٰ کی حیرانی و پریشانی تھی جو ایک طرف ان چیزوں کو چھپانے کا حکم دیتی تھی تو دوسری طرف سے انہیں عام کرنے کا حکم دیتی تھی۔

مگر جب سے (Clash of Civilization) کی طرح (Clash of Spiritualism) کی فضا دیکھی تو اس میں کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری سمجھا اور کاغذ وقلم لے کر بیٹھ گیا۔ یہ 1980ء کی بات ہے کہ جب میں نے یہ کتاب لکھنا شروع کی پھر سو دو سو صفحات لکھ کر

اسے روک دیا کیونکہ اس دور میں مجھے یہ لگا کہ اس کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس جنس کا کوئی خریدار ہی نہیں ہے مگر 1996ء میں کچھ ایسے لوگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا کہ جنہوں نے یہ احساس دلایا کہ اس کتاب کو لکھنا ضروری ہے پھر میں نے اسے آگے بڑھایا مگر پھر ایک مقام پر اسے روکنا پڑا کیونکہ پہلے میرا ارادہ تھا اس میں اولیائے کرام روحانیین رضوان اللہ علیہم کا پورا پورا کورس جو مجھے معلوم ہے وہ لکھ دوں۔

پھر ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایک مہربان سے ملاقات ہوئی جو ان روحانی ریاضات کو نفسانی خواہشات کے لئے استعمال کرنے کے دیوانے تھے جب انہوں نے اپنا مدعا ظاہر کیا تو میں نے ان سے گزارش کی کہ بھائی آپ اگلی منزل کا سوچیں یہ جو آپ کرنا چاہتے ہیں وہ تو گھٹیا چیز کی طلب ہے اس پر انہوں نے کہا کہ اسے ہم ایک مرتبہ ضرور حاصل کرنا چاہیں گے اور اسے ایک عرصہ استعمال کے بعد آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیں گے آپ ہمیں ایسے اعمال یا وظائف دیں جن سے ہم دنیا کو کچھ بن کر دکھا سکیں۔

ہم نے انہیں تو کسی نہ کسی طرح سے ٹال دیا کیونکہ ان کے مطلب کی کوئی چیز میرے پاس تھی ہی نہیں لیکن ان کی ملاقات نے مجھے کتاب کے لکھنے سے روک دیا کہ اب کیا کیا جائے؟ اس طرح میں نے پھر اس کتاب کو روک دیا اور پھر چند دوستوں نے کہا کہ آپ ایسا کریں کہ اس کتاب میں ان چیزوں کو نہ لکھیں کہ جنہیں کوئی مس یوز (Misuse) کر سکتا ہے ہاں جو چیزیں عوامی خطرے سے خالی ہیں انہیں تو لکھیں کیونکہ (Something is better than nothing) والی بات ہے اس طرح کچھ نہ کچھ تو کسی کو مل ہی جائے گا۔

اس کے بعد میں نے پھر یہ کتاب لکھنا شروع کر دی اور میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ طالبِ مولیٰؑ ہیں ان کے لئے اس میں کافی مواد ہے وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں گے اور کوئی رازوں کا چور اس میں نقب نہیں ڈال سکے گا پھر بھی نقب کا خطرہ موجود ہے اس لئے اسے عام لوگوں کے لئے شائع نہیں کروایا جا رہا بلکہ مخصوص و محدود لوگوں کے لئے اسے پیش کیا جا رہا ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی اس کتاب کی وجہ سے مجھے کوئی بڑی چیز سمجھنا شروع کر دے یا مجھے کوئی ولی اللہ یا عارفِ کامل سمجھنا شروع کر دے تو ایسا کچھ نہیں ہے میں تو محتاج و عاجز محض ہوں اور جدید دور کی زبان میں اگر میں اپنے بارے میں بیان کروں تو وہ اس طرح ہوگا کہ میں تو ایک روبوٹ ہوں جس کا کی بورڈ (Key Board) بھی اس کے اپنے پاس نہیں ہے جب چلانے والا چلاتا ہے تو چل پڑتا ہوں اور جب وہ روک لیتا ہے تو رک جاتا ہوں اس لئے نہ میری کوئی سوچ ذاتی ہے اور نہ میرا کوئی علم ذاتی ہے اور نہ ہی میری ذات میری ذاتی ہے میں تو ردائے کبریائی کے نیچے سویا ہوا وہ بچہ ہوں جو اپنی آلودگیوں سے بھی بے خبر سو رہا ہے اور اس میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ وہ خود سے جاگ جائے یا جاگ کر اپنی آلودگیاں دور کر سکے مگر لاکھ لاکھ شکر ہیں منعم ازل عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے کہ انہوں نے اس سراپا آلودگی کو بھی ردائے کبریائی سے باہر پھینکنے سے بچایا ہوا ہے۔

دوستو! آخر میں عرض کروں گا کہ میری بہت سی کوتاہیاں اس کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہیں اور یہ سب اس امید کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ آپ ان سے درگزر فرمائیں گے اور دعا فرمائیں گے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو

جاؤں اور جو حضرات اس کتاب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہوں تو ان سے بھی یہی گزارش ہے کہ اگر مجھ سے کوئی بھول ہوئی ہے تو آپ اللہ جل جلالہ سے دعا کریں کہ وہ میری رہنمائی فرمائے اور شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ذریعے میری ہدایت اور تکمیل فرمائیں......آمین

آیئے ہم محبتوں، نفرتوں، فرقوں اور مذہبوں سے ماوریٰ ہوکر دعا کریں کہ اس دنیا میں اللہ جل جلالہ کے اس دین (جو اسے پسند ہے) کا ظہور و قیام جلدی ہو اور یہ دنیا اس کے نور سے جگمگا اٹھے اور اس دنیا پر اسی کی حکومت ظاہری کا قیام ہو اور جس آنے والی مقدس ہستی کا سارے انبیاء و رسل علیہم السلام سے وعدہ فرمایا گیا ہے ان کا جلدی خروج و قیام ہوتا کہ اس دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو جائے، عدل و انصاف سے یہ دنیا بھر جائے، اس دنیا میں مظلومین کی حکومت کا قیام ہو اور ظالمین سے روئے زمین کو پاک کر دیا جائے پھر نہ کوئی ظالم ہو، نہ کوئی ظلم اور نہ کوئی پریشانی اور دکھ ہو، وہ آنے والی ذات اقدس منصب الوہیت کی نیابت میں سارے امور ظاہراً خود سنبھال لے

﴿آمین یارب العالمین﴾

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

التماسِ دعا......فقط

کفش بردارِ ربانیین وروحانین وعرفاء......فقیر الفقراء

جعفر نقوی

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 1

اَعوذُ بِاللّٰهِ القَوِیّ العَلِیّ العَظِیم مِنَ الشَّیطَنِ الغَوِیّ الشَّقِیّ الرَجِیم بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ المُستَعَانِ المَنّانِ الرَّحِیم ()اَلحَمدُ لِلّٰهِ الَّذِی ذُوالجَلَالِ وَ الاِکرَامِ وَ ذُوَالاسمَاءِ العِظَامِ وَ ذُوالعِزّ الَّذیِ لَا یُرَام ()

وَالصَّلوَاةُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ نُورِ الذّاتِ اَلالَهِیَّةِ المُحَمَّدِیَّه صَلی اللّٰهُ عَلیِه وَ آلِہٖ وَعَلیٰ سِرّاللّٰهِ فِی کُلِّ مَوجودٍ وَ نُورِ اللّٰهِ فِی کُلِّ مَشهُودٍ وَ حُجَّةُ اللّٰهِ المَوجُود وَلَیِ المَعبُود عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهٌ الشَرِیف

اَمَّا بَعده قَالَ سَیّدُ الکَونَینِ رَحمَتُ الدَّارَینِ مُحِیطٌ بِالمَشرِقَینِ وَالمَغرِبَینِ مَدینَةُ العِلمِ الثَقلِین صَلّی اللّٰهُ عَلَیه وَ آلِہٖ وَسَلَّم () کُن عَالِماً رَبَّانِیّاً اَو مُتعَلِّمَاً عَلیٰ سَبِیلِ النّجَاةِ اَو مُحِبّاً لَهُمَا وَ لَا تَکُن رَابِعاً فتهلِك()

امت مسلمہ کو شرفِ تخاطب عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ میری امت کو چاہیے کہ وہ اس امت کے چار گروہوں میں سے ایک کو ترک کر کے باقی تین میں سے ضرور ہوں

()......اول تو تمہیں عالم ربانی ہونا چاہیے۔

( )......اگر اس کا مقدور نہ ہوتو جو خاندانِ تطہیر علیہم الصلواۃ والسلام کا راستہ ہے، جو راہِ نجات ہے اس کا طالب ہونا چاہیے یعنی متعلم ہونا چاہیے۔

( )......اگر ان دونوں مقامات کا حصول بھی ناممکن ہوتو پھر ان دونوں کو یعنی علماء ِ ربانین اور طلباءِ راہ نجات کو دوست رکھو، ان سے محبت رکھو۔

اور کچھ نہیں تو ان کی محبت ہی تمہیں ہلاکت سے بچا لے گی

( )......اگر چوتھی صورت اختیار کی یعنی نہ خود عالم ہوئے، نہ متعلم ہوئے اور نہ ان سے محبت کرنے والے ہوئے تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

قارئین! آپ نے دیکھا کہ یہاں ایک ہی صفت کے گرد نجات کی پرکار گھوم رہی ہے اور وہ ہے ''علم''

اب دیکھنا یہ ہے کہ علم کیا ہے؟ اس علم کی موجودہ دو شکلیں ہیں یعنی اس دور میں علماء کی دو جماعتیں موجود ہیں

علماء کی پہلی جماعت وہ ہے جو دلیل اور تجربے کے میدان میں مصروفِ عمل ہے، ہر بات کو طبیعاتی، ریاضیاتی اور تجرباتی پیمانوں سے ناپ ناپ کر نظریات وضع کر رہی ہے، جن کا معبد یا مسجد لیبارٹری ہے، یہ علمائے سائنس ہیں جو ''مابعد الطبیعات'' کے مسائل پہ غور نہیں کرتے بلکہ یہ اشیاء کو ''کما ھیہ یعنی وہ جیسی ہیں'' کی بنیاد پر ریسرچ کرتے ہیں اور اپنے علم کا لوہا منوا رہے ہیں۔

ان کے لئے قرآن کا مقام یہ کائنات رکھتی ہے وہ قرآن کی بجائے آیاتِ کائنات کو پڑھنے میں مصروف ہیں کہ پوری کائنات میں ہر چیز آیت اللہ ہے، ایٹم سے لے کر گلیکسی تک نگاہ کر کے وہ الحمد سے والناس تک کا سفر کرتے ہیں یہ ہیں علمائے سائنس۔

دوسری طرف جو جماعت ہے وہ دلیل وتجربے کے ساتھ ساتھ باہر کے میدان میں بھی مصروف کار رہے، مابعدالطبیعاتی علوم پہ بحث کرتے ہیں، غیوب ومفقود پہ روشنی ڈالتے ہیں، مدرکات سے ماورائی کائنات کاتعین کرتے ہیں، اخلاقیات وجمالیات کی حدیں وضع کرتے ہیں، یہ علمائے مذہب ہیں کہ جوتفسیر قرآن، اصول، فقہ، علم معیادی، منطق، فلسفہ، بیان وکلام میں اپنی جولانیاں دکھارہے ہیں۔

قارئین! اب آپ نے سمجھ لیا ہے کہ علماء کی جماعتیں کون کون سی ہیں۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سائنس کیا ہے؟

اس کامختصر جواب یہ ہے کہ وہ علم جس پرصرف دنیا کی خیروخوبی کا انحصار ہو۔(بدقسمتی سےحق کا مخالف سمجھا جانے والا علم)

دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ مذہب کیا ہے؟

اس کامختصر سا جواب یہ ہے کہ مذہب وہ علم وعمل کا مرقع ہے جس پر دنیا کی خیروخوبی کے ساتھ ساتھ آخرت کی بہبودی کا بھی انحصار ہے۔(بدقسمتی سے اسے اوہام پرستی سمجھا جاتا ہے)

ایک اورطرح سے ہم بیان کریں تو یہ کہیں گے کہ مذہب قول خالق کا علم ہے اور سائنس فعل خالق کا علم ہے جب فعل کی تصدیق قول سے ہواورقول کی تصدیق فعل سےتو حق کہلاتی ہے۔یعنی سائنس اور مذہب لازم وملزوم ہیں۔

یہاں تک تو بات واضح ہوگئی ہے اب ذرااس سے آگے دیکھئے ان دونوں جماعتوں میں سے ہر جماعت دوگروہوں میں تقسیم ہے یعنی سائنس کے علمائے حق اورعلمائے سو اور مذہب کے علمائے حق اورعلمائے سو۔

علمائے سووہ ہیں جن کے اذہان میں فساد ہی فساد ہے، جن کی سوچوں کا مرکز شر محض ہے اس لئے فرمان ہے کہ

☆اذا فسد العالِم فسد العالَم

کہ عالِم کے فساد میں عالَم یعنی پوری دنیا کا فساد مضمر ہے پھر فرمایا کہ

☆اَلَا اِنَّ شرَّ الاَشرَارِ شَرارالعُلَماء وَ اِنَّ خَیرَ الاَخیَار خیَارُالعُلَماء

یعنی برائیوں میں سے بدترین برائی یا شر علماء کا شر ہے اور نیکیوں میں سے بہترین نیکی علماء کی نیکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم کے ساتھ ایک عالم خلق (گروہ انسانیت) ہوتا ہے اس لئے اگر ایک عالم گمراہ ہوگا تو ایک پوری جماعت کو بھی گمراہ کردے گا۔

علمائے سائنس چونکہ انسانی، جسمانی، مادی، دنیاوی، طبیعی ''فرد'' کی فلاح سوچتے ہیں اس لئے اس میدان کے جو علمائے سو ہیں وہ انسان کی جسمانی ہلاکت کو علم کا نقطہ عروج تصور کرتے ہیں، بشر کی ہلاکت کا سامان تلاش کرتے ہیں، وہ انسان کی بربادی کے اسباب پیدا کرتے ہیں، نت نئی تباہ کن ایجادات پیش کررہے ہیں، تلوار کے دور سے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، نیوٹران بم، نیپام بم، میزائل، ان تھرکس اور نہ جانے کتنے ایسے ہتھیار ایجاد کرچکے ہیں کہ جو انسانیت کو ایک سیکنڈ میں صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا سکتے ہیں یہاں تک کہ اب انہی کو کہنا پڑ رہا ہے کہ اگر تیسری جنگ عظیم یا تھرڈ ورلڈ وار Third world war ہوئی تو انسان کی بجائے روبوٹ لڑیں گے اور ہر چیز تباہ ہوجائے گی ہاں اگر کوئی بچ گیا تو یقیناً وہ روبوٹ ہی ہوگا اور انسانیت کا نام ونشان نہ رہے گا۔

یہ علمائے سو کی وہ تصویر ہے جو سائنس کے کینوس پہ موزوں ہے

اب دوسری طرف سائنس کے علمائے حق ہیں تو ان کی ریسرچ Research، ان کے علمی فوائد اور منافع پوری دنیا جانتی ہے نئی نئی ایجادات، تازہ بہ تازہ مشینیں، انسان کو سہولیات کی ایک عظیم دولت بخش رہی ہیں، فاصلے سمٹ چکے ہیں، متمدن انسان ایک دوسرے کے قریب آ چکے ہیں، قحط افریقہ میں ہوتا ہے، امریکہ روس یا چین جو ہزاروں میل دور ہیں چند دنوں میں غذا فراہم کر دیتے ہیں انہوں نے سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں کو مسخر کر کے انسان کے حضور میں باادب کھڑا کر دیا ہے۔ انجن، موٹریں، کاریں، بس، سکوٹر، ہوائی جہاز، جیٹ وغیرہ جیسی مفید چیزیں ایجاد کر کے انسان کی عظمت کو دوبالا کر دیا ہے۔

بجلی، ائرکنڈیشنرز، لگرز، ہیٹر، فریج، جیسی ہزاروں چیزیں مارکیٹ میں لا کر انسان کو پرسکون رہنے کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ فیکٹریز یا انڈسٹریز نے انسان کے لباس و غذائی ضروریات کو خوب سے خوب تر بنا دیا ہے، ٹریکٹرز، ہارویسٹرز، تھریشرز اور دیگر زرعی آلات نے انسان کا دائرۂ زراعت وسیع کر کے وقت کی بچت بھی کی ہے

غرض ہر شعبے میں دنیاوی بہبود کو نقطۂ عروج کی طرف لانے کی مستحکم سیڑھیاں بنا دی ہیں پھر تفریح کے لئے کھیل تماشے، پکچر، ٹی وی، ریڈیو، وی سی آر، پروجیکٹر اور جانے کیا کیا پیش کر دیا ہے اور انہی کے علم کے فوائد ہیں کہ پوری دنیا ایک مستحکم طرزِ حیات اپنا چکی ہے، علمی میدان میں ہر چیز کو کمپیوٹرائزڈ Computerised کر کے تحقیق کو آسان اور کوئیک Quick بنا دیا ہے۔

لیکن ان دونوں گروہوں میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو سائنسی علوم کو صرف اپنی ذات

کی خیر وخوبی کے لئے حاصل کرتا ہے مگر ہے وہ بھی بشر کی خیر وخوبی کے دائرے میں یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کا دائرہ فکر اتنا محدود ہو کہ صرف اپنی ذات کے گرد گھومے اور کسی کا دائرۂ فکر پوری بنی نوعِ انسان Humanity پر محیط ہو۔

اب اس کے بعد دوسری جماعت ہے یعنی علمائے مذہب ہیں ان کے بھی دو گروہ ہیں ان میں بھی علمائے سو کا وجود مسلم ہے اور ان علماء کے افکار ہمیشہ تخریب وفساد کے زیر سایہ پھلتے پھولتے ہیں جو آخرت کی بہودی کی بجائے انسان کو روحانی ہلاکتوں میں دھکیلتے رہتے ہیں جن کے حصولِ علم کے نظریات پہ احادیث میں کافی روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً

☆مَن طَلَبَ العِلمَ لِاَربعٍ دَخَلَ النّارَ لِیُبَاھِی بِہِ العُلَمَاء اَو یُمَارِی بِہِ السُّفھَاء اَولیعرفَ بِہِ وَجُوہُ النَّاس اِلَیہِ او یَاخَذَبِہِ مِنَ الاُمَرَاءِ

فرمایا کہ جو شخص چار چیزوں کے لئے علم دین حاصل کرے وہ جہنم میں جھونکا جائے گا

1 ...... جو علماء پر فخر ومباہات کرنے کے لئے علم حاصل کرے

2 ...... یا نادانوں سے بحث ومناظرے اور جھگڑنے کے لئے علم حاصل کرے

3 ...... یا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے علم حاصل کرے

4 ...... یا اپنے علم کے بدلے میں امراء سے کچھ لینے کے لئے (جاہ ومنصب یا مال و دولت) علم حاصل کرے تو ایسا عالم نارِ جہنم میں داخل ہوگا کیونکہ مدعائے علم آخرت ہے اور ان میں سے کوئی بھی مطمع نظر آخرت کا تصور پیش نہیں کرتا یعنی حصول علم برائے دنیا دہریت کے برابر ہے کہ ایسا شخص ......ع

آج ہے اور آج کا خیال کر　　　　کل ہے نہ کل کا ملال کر

کے اصول پر عمل پیرا ہے حصول علم کی غرض ہی دنیا اور فقط دنیا ہے

جناب داوٗد علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ لوگوں سے فرما دو کہ مجھ خالق اور اپنے مابین مفتون بالدنیا عالم کو وسیلہ نہ بنائیں وہ تمہیں میری محبت کے راستے سے روک دے گا کیونکہ یہ گروہِ علمائے سو ہیں

☆اُولئك قُطَّاعُ الطَريق عِبَادي المُريدِينَ اِنَّ اَدنیَ مَا اَنَا صَانِع ؐ بِهِم اَن اَنزُعَ حَلَاوَۃَ مُنَاجَاتیِ مِن قُلُوبِهِم

یہ میرے بندوں کے راستے کے ڈاکو ہیں، راہزن ہیں اور میں انہیں جو معمولی سے معمولی سزا دوں گا وہ یہ ہے کہ ان کے دلوں سے اپنی مناجات کی لذت اور مٹھاس سلب کرلوں گا۔

علمائے سو کی کچھ صفات تو آپ نے دیکھ لی ہیں اب علمائے حق کی صفات کے بیان سے پہلے مناسب یہ ہوگا کہ ذرا علم کو سمجھ لیں کہ علم کیا ہے؟ کیونکہ صفت سے موصوف کا علم حاصل ہوتا ہے جیسے سخاوت دیکھ کر سخی ہونے کا فیصلہ ہوسکتا ہے، بزدلی دیکھ کر بزدل ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے چونکہ علم ہی سے انسان اشرف ہے اور علم ہی انسان کو اشرف بناتا ہے اس لئے پہلے اسی کے بارے میں دیکھنا ہوگا کہ وہ علم کیا ہے؟

علمِ حقیقی

انسان دیگر چیزوں میں عالم خلق کی مخلوق سے اشرف نہیں ہے صرف علم ہی وہ جوہر ہے جو انسان کو اشرف بناتا ہے اور اکلیل فضیلت اس کے سر پہ رکھتا ہے یہی علم ہی ہے جو انسان کا طرۂ امتیاز ہے۔

انسان کئی پہلوؤں سے انواعِ اربعہ ومو الید میں شریک ہے مثلاً جمادات کہ جن کی تعریف میں ابعادِ اربعہ لائے جاتے ہیں۔

ابعادِ اربعہ (Four Dimensional) یعنی جسم کے طول وعرض وحجم وعمق میں یہ انسان جمادات کا شریک ہے مگر کے۔ٹو اور ہمالیہ کے سامنے اس کی وجودی حقیقت کیا ہے؟ اس کا وجود چٹانوں یا پہاڑوں کے حضور مورِ ناتواں سے زیادہ نہیں اس لئے انہی صفات کے پیشِ نظر خالق نے فرمایا کہ اوانسان!

☆لَا تَمْشِ فِیْ الْأَرْضِ مَرَحاً () وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولاً

کہ اے انسان تو زمین پہ اکڑ کر سینہ پھیلا کر مت چل تا اینکہ فرمایا تیرا اس طرح چلنا مناسب نہیں کیا اس طرح چلنے سے تو پہاڑوں سے بڑا ہو جائے گا؟

یعنی اس کے اکڑ کر چلنے کی اصل وجہ کو ٹٹول کر اسی مزاج کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اے انسان تو طول وعرض وحجم وعمق میں جتنا بھی بڑھ جائے جمادات کے سامنے تیری کوئی حیثیت نہیں کیونکہ طول وعرض وحجم وعمق تیری پست ترین نوع کے صفات ہیں اور تو ان صفات میں شامل ہے۔

اسی طرح یہ انسان نشو ونما وتغذیہ وتولد میں نباتات کا شریک ہے مگر ان صفات میں یہ اشجار سے بہت پیچھے ہے یعنی ساگوان، چیل، دیودار یا صنوبر کے سامنے اس کی نشو ونما وغیرہ کیا مقام رکھتی ہے؟ یہ ان صفات میں تو نباتات سے بھی حقیر ہے۔

احساس وحیات وروح وحرکت وارادے میں یہ انسان حیوانات کا شریک ہے احساس میں چیونٹی، حرکت میں چیتے، اِرادے میں شیر، حیات میں وہیل مچھلی وغیرہ کے سامنے انسان کا کیا وقار ہے؟ ایک یہی علم ہی تو ہے جو انسان کو اشرف بناتا ہے

انسان کا پہلا امتحان ہی ''علم آدم الاسماء'' سے ہوا یعنی اشرفیت کی بنیاد ہی علم کو ٹھہرایا گیا ہے مگر پھر بھی یہ سوال جواب طلب رہتا ہے کہ آخر علم ہے کیا چیز؟

آج کل کی موجودہ دنیا کی اقدار بھی ارتقاء پذیر ہیں تعینات میں بھی جدت آرہی ہے، Clash of civilization عالمی سطح پر سامنے آرہا ہے اس لئے علم کے معنی بھی مختلف المفہوم ہو چکے ہیں علمائے سائنس نے علم کی تعریف یا Defination اپنے نقطہءِ نظر (point of view) سے کی ہے۔

(1)...... کچھ مفکرین نے کہا ہے کہ علم تجربات کا بنڈل ہے۔

(2)...... کچھ مفکرین کا نظریہ ہے کہ اشیاء کما فی الظاھر کہ جیسی وہ لگتی ہیں سے کماھیہ یعنی جیسی وہ حقیقتاً ہیں تک جاننا علم ہے۔

(3)...... کچھ مفکرین نے کہا ہے علم مشاہدات اور تجربات کا نچوڑ ہے۔

(4)...... کچھ لوگوں نے کہا ہے قبل الطبیعات وعندالطبیعات اور مابعدالطبیعات کا نام علم ہے۔

(5)...... کچھ مفکرین کی رائے ہے کہ علم دانستن ہے، جاننا ہے، یعنی طب کا جاننا ،موسمیات کا جاننا، انجینئرنگ وغیرہ کا جاننا، غرض اشیاء مادی کا جاننا عین علم سمجھا گیا اور اہل مذہب نے یا علمائے مذہب نے بھی علم کے مرادات میں اختلاف کیا ہے۔

(1)...... کچھ علماء نے علم کو صرف، نحو، منطق، بیان، کلام وفقہ پہ مبنی قرار دیا ہے۔

(2)...... کچھ علماء نے صرف معرفت توحید کو علم کا نام دیا ہے۔

بہر حال اتنے آراء ہیں کہ ایک مکمل باب مفکرین وعلماء کے آراء کے لئے قائم کیا جا سکتا ہے میں ان کے ماحصل پہ مجموعی تبصرہ کرتا چلوں گا

دیکھئے قارئین!

اگر علم سے مراد دانستن ہے اور طب وموسمیات یا سائنسی شعبہ ہائے علوم ہیں تو کیا حیوانات اس علم میں انسان سے پیچھے ہیں؟ دیکھئے محکمہ موسمیات بارش کا اعلان کرتا ہے کبھی درست ثابت ہوتا ہے کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے لیکن چیونٹیوں کا بچے نکالنا ، پرندوں کا چھپ کر بیٹھنا، کتوں کا پناہ لینا جب بارش کا اعلان کرتا ہے تو کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا پھر ان کو ایک برتری اور بھی حاصل ہے کہ انسان کا علم محتاجِ آلات ہے جب کہ ان کا یہ علم ذاتی اور فطری ہے۔

علم الابدان یعنی طب ہے تو اس میں بھی جانور انسان سے بہت آگے ہیں اپنے حفظان صحت کے اصولوں سے مکمل آگاہ ہیں جنگلی جڑی بوٹیوں سے اپنا علاج خود کرتے ہیں، اپنی مرض کی خود تشخیص کرتے ہیں اور خود ہی علاج کرتے ہیں مثلاً امریکہ میں سفید چوہوں پہ جو تجربات ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

سب سے پہلے چوہوں کے کمرے میں نمک رکھا گیا مگر کسی چوہے نے نمک استعمال نہ کیا لیکن پھر ان کے جسم میں نمک کی مصنوعی کمی پیدا کی گئی تو سارے چوہوں نے نمک کھانا شروع کر دیا جب چند چوہوں پر نمک بند کیا گیا تو وہ دو دن میں مر گئے یعنی انہیں اپنی صحت کا راز معلوم تھا اپنی صحیح تشخیص بھی انہوں نے کر لی اور علاج بھی شروع کر دیا۔ کیا یہ تجربہ انہیں طب اور حفظان صحت کے اصولوں سے بے خبر ثابت کرتا ہے جہاں تک اصول حیات کا تعلق ہے جانور اپنے اصول حیات کے شدت سے پابند ہیں اپنی فطری صلاحیتوں کے خلاف قدم نہیں اٹھاتے مثلاً کوا کسی چیل کے ساتھ غیر فطری فعل کا مرتکب نہیں ہوتا، کبوتر غلاظت نہیں کھا سکتا۔

یہ اپنے ماحول کے ساتھ بڑی شدید پابندی سے نباہ کرتے ہیں پھر حیوانات کو اپنی موت کا قبل از وقت علم ہو جاتا ہے اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں اب ان مشاہدات سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جانور ان میدانوں میں انسان سے بڑے عالم ہیں۔

تعمیر کا میدان ہے تو بیئے کا گھونسلہ دیکھ لیں یہ فن تعمیر کا عظیم فن پارہ بلکہ شاہکار ہوتا ہے جو اس مشینی دور میں بھی بنانا قدرے مشکل ہے اور بغیر آلات کے تو ناممکن ہے پھر اس میں دو حصے بنانا کہ نر و مادہ علیحدہ علیحدہ رہ سکیں، انڈوں کے موسم میں اس میں مٹی کے بوتے بنا دینا کہ ہوا سے جھولنے میں وزن کی وجہ سے جھٹکا نہ لگے ،اندھیری راتوں میں گھونسلے میں جگنو پکڑ کے بٹھا دینا۔ یہ کتنے بڑے ذہن کے فیصلے ہیں بیئے کو یہ کتنے بڑے علوم کا عالم ثابت کر رہے ہیں۔

پھر شہد کی مکھی کے گھر اور وہ مسدس خانے اور ان تمام کا ایک ہی سائز میں ہونا اور اس کا پورا نظام، کیا انہیں بے علم قرار دیتا ہے؟

آٹا (Ata) نامی چیونٹی اور ان کا نظام حیات اور زراعت کرنا، بیج کاشت کرنا، ہر بیج کو پانی دینا، فصل کاٹنا، کھاد کا انتظام کرنا، کیا یہ انہیں انسانی زرعی علوم سے کم درجے پر کھڑا کر سکتا ہے؟

اب اگر ہم یہ ثابت کریں کہ علم یہی ہے تو پھر اس علم سے تو ہم ان سے اشرف نہیں کہلا سکتے کیونکہ ان علوم میں تو جانور بہت بڑے عالم ہیں۔

ظاہر اور باطن اشیاء کا علم یعنی کما ہیہ وکما فی الظاہر کا علم تو خود پہلے ہی واضح ہو جاتا ہے ہر جانور جڑی بوٹیوں، پتھروں، معدنیات کے خواص کو انسان سے کہیں زیادہ جانتے

ہیں جن کا اظہار ان کی ضروریات کے مشاہدات سے ہوتا ہے مثلاً وہ بوقت ضرورت نمک استعمال کرتے ہیں ،ضرورت نہ ہوتو نہیں کرتے یعنی یہ تو ماننا پڑے گا کہ جب وہ استعمال نہیں کرتے تھے تب بھی جانتے تھے اور استعمال کررہے تھے تب بھی وہ جانتے تھے تو اس سے ان کی ماہیت بینی سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کا اظہار کئی محدود چیزوں میں ہوتا ہے کہ جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہوتی ہے اس کی ماہیت کے پیش نظر وہ اسے استعمال کر لیتے ہیں ان مشاہدات سے ایک تعمیم تو ہو جاتی ہے کہ جانور موجوداتِ ارضی کے خواص و ماہیت سے اچھی طرح واقف ہیں۔

ماورائے طبیعات ،قبل الطبیعات اور مابعد الطبیعات کے علم کو جدید دور کے مفکرین نے رد کر دیا ہے اور انہوں نے ان علوم کے مفروضہ نظریات کو بھی رد کر دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ماورائے طبیعات کا علم حاصل کرنا ناممکن ہے اس کے بارے میں ارتیابیت کے قدیم و جدید مبلغین کے نظریات دیکھے جا سکتے ہیں مثلاً گارجیاس (Gorgias) سے ڈیوڈ ہیوم (David Hume) تک کے نظریات دیکھ لیں۔

پھر لاادریت (Agnosticism) کے نظریات کا مشاہدہ کرلیں سبھی یہی کہتے ہیں کہ ہر علم کا فیصلہ لیبارٹری میں ہوتا ہے اور وہی حتمی فیصلہ ہوتا ہے لیکن یہ علوم تحلیل و تجربے سے گزر نہیں سکتے البتہ مذہب انہیں اپنی آغوش عاطفت میں جگہ دیتا ہے اور پروان چڑھاتا ہے ورنہ ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اصل کیا ہے؟

اب آپ خود سوچیں جو علم خود انسان کو حاصل نہیں اس کے فقدان کے باوجود انسان خود کو جانوروں پر کیسے برتری دے سکتا ہے؟

جہاں تک طبعی تجربات کو علم کہنا ہے تو یہ سراسر جہالت ہے کیونکہ انسان کے تجربات اوراس کی علمی حدود، اس کی لاعلمی کے حدود کے مقابلے میں عشر العشار ہیں یعنی ہزار میں سے پانچ کا تناسب ہے اور جدید دور میں تو یہ ایک فی ارب کا تناسب مانا جا رہا ہے یعنی انسان کو ایک ارب حقائق میں سے صرف ایک کا علم ہے اور باقی سے انسان جاہل ہے اور ایک ارب حقائق میں سے صرف ایک کا تجربہ پر تجزیہ کر چکا ہے باقی نامعلوم ہی ہے، اب خود سوچیں اسے بھی علم کہا جا سکتا ہے؟

نتیجہ یہ نکلا کہ تجربات کا بنڈل علم نہیں کہلایا جا سکتا ہے۔

علمائے مذہب کے مرادات علم ہیں تو انہیں اگر قریب سے دیکھا جائے تو ان کو بھی علم کہنا خود لاعلمی کی دلیل ہے اگر علوم متداولہ وفنون مروجہ ہی حقیقی علم ہیں تو پھر تو جملہ مذاہب کے اندر ان کے ماہرین نظر آئیں گے کیا ایک ہندو جوان علوم کا ماہر ہوا سے اسلامی نقطہ نگاہ سے عالم دین کہا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب فنون ہیں علوم نہیں ہیں کیونکہ علم اور فن میں بہت فرق ہے۔

کچھ لوگوں نے معرفت اِلٰہی کو علم کہا ہے تو اس معنی میں بھی انسان اپنے آپ کو کائنات سے اشرف نہیں کہلاسکتا کیونکہ یہ انسان خود کو ذی عقل و ذی شعور تصور کرتا ہے مگر یہ بھی کبھی پتھر کو پوجتا ہے، کبھی لکڑی کو، کبھی آگ کو، کبھی نباتات کو اور کبھی گوسالہ پرستی کرنے لگتا ہے مگر یہ حیوانات ، جمادات اور نباتات ان میں سے کبھی کسی نے بھی غیر اللہ کو نہیں پوجا صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی تسبیح کرتے ہیں اس پہ خود قرآن کی آیت موجود ہے سورۂ بنی اسرائیل آیہ 44 میں ہے

☆تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا

يُسَبِّحُ بِحَمْدَهِ وَلَكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيْحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيْماً غَفُوراً ()
کہ زمین و آسمان کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ انسان ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتا یا ان کے کلام کا ادارک نہیں کرسکتا ورنہ موجوداتِ عالم تسبیح کرتے ہیں اسی طرح ماننا پڑے گا کہ عرفان الٰہی کی منزل میں بھی انسان موجوداتِ عالم سے بہت پیچھے ہے۔

...... کچھ علماء نے کہا ہے کہ ''محسوس سے غیر محسوس تک جانے کا نام علم ہے''

...... کچھ علماء نے کہا ہے کہ ''معلوم سے مجہول تک رسائی کا نام علم ہے''

...... کچھ علماء نے ریاضیاتی طور پر ثابت کیا کہ علم کیا ہے یعنی علم کے عدد نکالے یعنی ع=70، ل=30، م=40 سے اخذ کیا ہے 40+30+70=140، صفر اڑا کر 14 بچے یعنی چودہ کا عدد بتاتا ہے کہ علم چہاردہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام ہیں پھر چودہ کو جمع کیا...... 4+1=5 یعنی علم پنجتن پاک علیہم الصلواۃ والسلام ہیں۔

سرور المکرّم والمعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا

کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی علیہ الصلواۃ والسلام اس کا دروازہ ہیں۔

تو ثابت ہوا کہ ان کی ذات محیط بالعلم ہے نہ کہ عین علم۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اکثر حضرات کو علم کے لفظ پہ اشتباہ ہوا ہے جنہوں نے تجرباتی علوم کو علم کہا ہے انہوں نے ادراک کو علم سمجھا ہے، جنہوں نے نفسی علوم کو علم کہا ہے انہوں نے عرفان کو علم سمجھ لیا ہے کیونکہ ادراک کا تعلق جسم سے ہے۔ عرفان کا تعلق نفس سے ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علم کا تعلق نہ تو بدن سے ہے اور نہ ہی نفس سے ہے بلکہ علم کا تعلق روح سے ہے۔

جب ہم خاندان تطہیر علیہم الصلواۃ والسلام کے در دولت پہ جا کر عرض کرتے ہیں کہ آپ ہی ذرا علم کی وضاحت فرمائیں تو ارشاد ہوتا ہے کہ

☆اَلعِلمُ اِنَّمَا ھُوَنُور" یَقذِفُهُ اللّٰه فِی قَلبِ مَن یَشَاءُ ......(بحوالہ مصباح الشریعۃ)

یعنی علم تو ایک نور ہے اور وہ ذاتِ واجب جس کے دل میں چاہتی ہے نور علم کو داخل فرما دیتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ دراصل یہی علم ہے جو انسان کو اشرف بناتا ہے کیونکہ علم کو نور بتایا گیا ہے اور لوگوں نے علم کو کثرت تعلم میں مضمر سمجھا ہے حالانکہ فرمان ہے

☆لَیسَ العِلمُ بِکَثرَۃِ التَّعَلُّمَ یعنی علم زیادہ پڑھنے پر منحصر نہیں ہے، کتابوں کا زیادہ پڑھ لینا حقیقی علم نہیں ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کتابیں حصول علم کا ذریعہ نہیں ہیں تو پھر حصول علم کا ذریعہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حصولِ علم کا راز مقدمات علم کی درستی میں مضمر ہے

مقدماتِ علم

مقدماتِ علم وہ جز ہے جس پر علم کا دارومدار ہے مثلاً نماز ہی کو لے لیں اگر مقدماتِ صلواۃ درست نہ ہوں تو نماز ہو ہی نہیں سکتی یعنی اگر لباس درست نہ ہو یا مقام نماز درست نہ ہو یا وضو درست نہ ہو تو نماز نہیں ہو سکتی، نماز قریب آ نہیں سکتی کیونکہ وضو مقدمہ نماز ہے وضو درست نہ ہو گا تو نماز نہ ہو گی اسی طرح اگر مقدماتِ وضو درست نہ ہوں گے تو وضو نہ ہو گا مثلاً پانی کی درستی پر وضو کی درستی کا انحصار ہے اگر جسم نجس ہو

تو وضو نہیں، اگر پانی یا خاک (مطہرات) درست نہ ہوں تو وضو نہیں یعنی شرائط و مقدمات کا درست ہونا لازمی ہے جیسے پانی کے لئے ضروری ہے کہ نجس نہ ہو، غصبی نہ ہو، رنگ و بو و ذائقہ درست ہو، چوری کا نہ ہو، بغیر اجازت کسی کے کنویں سے نہ لایا گیا ہو۔مقدمات صلواۃ میں غسل بھی ہے اگر جسم طاہر نہ ہوتو وضو باطل ہے، اگر غسل درست نہ ہوتو جسم کی عارضہ نجاست دور نہیں ہوسکتی، پانی درست نہ ہوتو غسل نہیں، پھر غسل برائے نماز ہوتا ہے یعنی غسل جنابت کی نیت ہی یہی ہے کہ میں رفع حدث اور نماز کے لئے مباح ہونے کی خاطر غسل کرتا ہوں یعنی طاہر ہوکر نماز پڑھوں گا اور طہارت برائے نماز چاہتا ہوں اگر نماز نہ پڑھے تو غسل غلط ہوگا۔

اسی لئے حدیث میں ہے کہ جو نماز نہیں پڑھتا گویا وہ جنب کی حالت میں ہے چاہے وہ غسل کرے یا نہ کرے برابر ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مقدمات کی درستی ہی میں درستی اصل مضمر ہوتی ہے اگر ایک شق بھی بگڑی تو پورا سلسلہ بگڑ جائے گا مثلاً اگر دورانِ نماز کوئی حادث سرزد ہوا یا کوئی شق بگڑ جائے تو یہ بے نیاز کی بے نیاز عبادت ہے کسی کی مجبوری کی ذرا بھر پرواہ نہیں کرتی اور فوراً رخصت ہو جاتی ہے۔

یہ تو شریعت ظاہری کا حال ہے عباداتِ ظاہر کی یہ کیفیت ہے اور علم عبادتِ باطن ہے،عبادتِ روح ہے یہ جسمانی و ظاہری عبادات سے بدرجہا بہتر ہے۔

حدیث ہے کہ

☆قال صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم** فرمایا عالم (صاحبِ علم) کی عابد (عبادت گزار) پر اتنی فضیلت ہے جتنی مجھ رسول صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے ادنیٰ شخص پر ہے یعنی جتنا اللہ کا رسولؐ ایک گھٹیا شخص سے افضل ہوتا ہے اتنا ہی عالم عبادت گزار سے افضل ہوتا ہے کیونکہ درجات کے لحاظ سے بھی یہ درست ہے کہ عبادت یعنی روزہ اور نماز بدن کی عبادات ہیں اور علم روح کی عبادت ہے اور روحانی عبادت جسمانی عبادت سے اتنی ہی بلند ہونا چاہیے جتنی پیکر خالی سے روح امری افضل اور بلند ہے۔

جب علم عبادت سے بدرجہا بہتر ہے اور لطیف ترین عبادت ہے تو کیا اس کے کوئی شرائط نہیں ہیں؟ کوئی مقدمات نہیں؟

اگر مقدمات علم ''صرف ونحو و منطق و بیان وفقہ'' ہی کو سمجھا جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھی مذہب کے لوگ ان علوم میں یدِ طولیٰ حاصل کرسکتے ہیں۔

حقیقی علم وہ نہیں کہ ضربا ، یضرب پڑھنے سے فوراً آجائے یہ سوچنے والا غلطی پر ہے کلام پاک کے ہر نسخے پر ایک آیت کو بطور طغریٰ لکھا جاتا ہے

☆لَا یَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ...... اس آیت کے دو معنی ظاہراً ہوسکتے ہیں

1 ......اسے کوئی مس نہیں کرسکتا سوائے مطہرون کے

2 ...... یا اسے مس نہیں کرتے مگر مطہرون

بہرحال معنی جو بھی لئے جائیں وہ عمومی بیان ہونے والے معانی کے خلاف ہیں یعنی اسے کوئی مس نہ کرے مگر طہارت سے۔ یمسہ فعلِ امر نہیں ہے

عموماً جو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے اس میں کئی غلطیاں ہیں مثلاً لفظ ''مطہر'' کے معنی بھی غلط لئے جاتے ہیں، دو لفظ ہیں'' طاہر اور مطہر'' ان دونوں میں فرق ہے

طاہر کے معنی ہیں جو خود تو پاک ہو مگر دوسروں کو پاک کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو

اور مطہر کے معنی ہیں کہ جو خود بھی پاک ہو اور دوسروں کو پاک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو مثلاً دودھ ہے، شوربا ہے۔ یہ خود تو طاہر ہیں لیکن طاہر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اگر ہاتھ نجس ہو تو کیا دودھ یا شوربا اسے طاہر کر سکتا ہے؟

کیا غسل جنابت دودھ یا شوربے سے ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ طاہر ہیں مطہر نہیں ہیں۔ پانی خود بھی طاہر ہے اور مطہر بھی ہے طاہر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تو لفظ مطہر بتا رہا ہے کہ یہاں معنی یہ ہیں کہ کلام اِلٰہی کو مس کر نہیں سکتے مگر وہ اشخاص کہ جو خود بھی آیۂ تطہیر کے مصداق ہیں اور دوسروں کو طاہر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

یعنی کافر نجس ہے مگر اس وقت تک جب تک کچھ ذوات کا نام نہ لے مثلاً کلمہ نہ پڑھ لے اور آلِ محمد علیہم الصلواۃ والسلام پر صلوات نہ پڑھ لے وہ طاہر نہیں ہو سکتا یعنی وہ کلمہ پڑھ کر طاہر ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے اسماء حسنیٰ میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ نجس کو طاہر کر سکتے ہیں یعنی ان کا نام بھی مطہر ہے تو ثابت ہوا کہ کلام اِلٰہی کے وجود و مفہوم حقیقی کو مس کرنے کے لئے طاہر ہونا شرط نہیں بلکہ مطہر ہونا ضروری ہے۔

جملہ علوم کی اصل و بنیاد یہی کلام اِلٰہی ہے اور اس کے معنی و مرادات اور حقائق کو کسی نجس ذہن میں اصولاً بھی نہیں آنا چاہیے یہی وجہ ہے کہ علمائے ربانیین کا قول ہے کہ جو تفاسیر قرآن موجود ہیں ان میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں ہے اکثر تفاسیر ایک دوسرے کی نقیض ہیں اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ اذہان کی نجاست مانع حقائق ہوتی رہی ہے اور مفاہیم اور حقیقت قرآن کو نجس ذہن مس بھی نہ کر سکے یہ قطرۂ نیساں کی

طرح نجس اذہان میں روحانیت کے لئے زہر قاتل بن کر پلتا ہے تخریب و ہلاکت کی راہیں ایجاد کرتا ہے۔اسی لئے فرمایا کہ

☆فَرّوُا مِنَ العُلَمَاءِ کَمَا یَفرُّ الغَنَمُ مِنَ الذِّئبِ

علمائے سو سے اس طرح راہ فرار اختیار کرو جس طرح پھاڑ کھانے والے بھیڑیئے سے ڈر کر بھاگنا چاہیے کیونکہ

''بھیڑیئے بھیڑوں کی کھالوں میں ملا کرتے ہیں''

ثابت ہوا جب تک ذہن طاہر نہ ہوگا علم آ نہیں سکتا کیونکہ ہر عبادت کے لئے درستی مقدمات لازم ہے اور عبادات میں علم کا درجہ سب سے بلند ہے حدیث قدسی ہے

☆لا عبادۃ کالعلم کہ کوئی عبادت علم جیسی ہے ہی نہیں

اور''علم کے لئے طہارتِ ذہن شرط ہے''اور طہارتِ ذہن کے لئے شرط ہے''اکل حلال''

کیونکہ غذا سے انرجی پیدا ہوتی ہے جو جسم کی مشینری کے لئے ایندھن کا کام دیتی ہے جس کا دارومدار غذا پر ہے اور یہ جسم ہی تو ہے کہ جو حصولِ علم وعرفان کے لئے آلہ کار ہے مثلاً لاہور سے کراچی جانے کے لئے کار کی ضرورت ہے کار ہی وہ آلہ کار ہے جو کراچی پہنچا سکتا ہے اور کار کے لئے خالص ایندھن (پٹرول) کی ضرورت ہے اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ پٹرول میں دودھ ملا کر ڈال لیں ٹینکی فل ہے مگر کار چند قدم بھی نہیں چل سکے گی اسی طرح جسم حصولِ علم وعرفان کا آلہ ہے اس کے لئے ایندھن (فیول) کا کام غذا دیتی ہے اس لئے غذا کا خالص وحلال ہونا ضروری ہے

احادیث سے ثابت ہے کہ لقمۂ حرام روحانیت اور عبادات کے لئے زہر قاتل ہے

احادیث میں ہے کہ ہر گناہ کے بعد انسان کو چند ساعات مہلت بخشی جاتی ہیں کہ شاید توبہ کر لے مگر لقمہ حرام کھانا وہ جرم ہے کہ اس کے لئے یہ رعایت بھی نہیں رکھی گئی جونہی غیر مذکیٰ لقمہ حلق سے نیچے اترتا ہے ملکوت لعنت کرنا شروع کر دیتے ہیں چالیس دن تک عبادت قبول نہیں ہوتی، دعا باب اجابت تک جا نہیں سکتی جب تک اس کا اثر بدن میں رہتا ہے عبادات مثلاً صوم وصلوات و دعا موثر نہیں رہتے ہیں۔

اکلِ حلال

گذشتہ بحث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حلال کھانا کتنا اہم ہے اب اس کی ممکنہ صورتوں پہ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں

......پہلی صورت یہ ہے کہ انسان عمداً حرام کھائے تو یہ صورت بالکل قابل عفو نہیں ہے

......دوسری صورت یہ ہے کہ سہواً کھائے تو اس کے اثرات دنیا میں تو ضرور ہوں گے ہاں آخرت میں اگر کرم شامل حال رہا تو اس کی سزا سے بچنے کا امکان ہے

......تیسری صورت ہے مجبوراً کھائے تو بھی نقصان ضرور ہے

ان صورتوں کو ایک اور طرح سے بیان کرتا ہوں مثلاً زہر ہے اب اگر کوئی عمداً کھا لے تو اس نے خودکشی کی ہے دنیا میں اس کی سزا موت ہے اور آخرت میں ایک مومن کے قتل کا جو جرم ہے وہ بھی اس پر عائد ہوگا اور وہاں بھی سزا ملے گی۔

اب اگر کسی نے زہر کو کسی اور چیز کے دھوکے میں سہواً کھا لیا تو یہاں اس کی سزا ضرور ملے گی اس کے مضرات سے نہیں بچ سکتا یہاں زہر غلطی کو معاف نہیں کرے گی اس کی لاعلمی اسے موت سے نہیں بچا سکتی ہاں صرف اتنا ہوگا کہ آخرت میں کوئی سزا

نہیں ملے گی اب اگر کسی نے جبراً زہر پینے کو مجبور کر دیا تو یہ بھی وہی بات ہے کہ یہاں اسے زہر نقصان دے گی مگر آخرت کی سزا نہیں ملے گی۔

جس طرح زہر قاتل بدن ہے اسی طرح اکل حرام قاتل روحانیت ہے اگرچہ اضطرار میں حرام کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن صرف اخروی نگاہ سے نہ کہ دینوی نگاہ سے۔

مثلاً مردار کھانا حفظانِ صحت کے اصولوں کے بھی خلاف ہے مجبوراً اگر مردار کھا لیا جائے تو صحت کے لئے اس کے مضرات کم نہیں ہوں گے ہاں آخرت کی سزا نہیں ہوگی۔

یہاں ایک اہم سوال ہے جس کا جواب عرض کرنا ضروری ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک مومن کو اپنا ہم مذہب وہم عقیدہ شخص دعوت دیتا ہے انسان گمان کرتا ہے کہ اس کا مال حلال وطیب وطاہر ہوگا تو کیا اس کی دعوت قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟

اس کے بارے میں اتقیاء یعنی صاحب تقویٰ لوگوں کا کیا فیصلہ ہے؟

لیکن یہ بھی یاد رہے کہ وہ مال حلال نہ ہو یا کسب حلال نہ ہو یا حقوق اللہ وحقوق العباد کو ملحوظِ خاطر نہ لایا گیا ہو تو اس دعوت کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس پر اتقیاء کے دو گروہ ہیں

() اول کہتے ہیں کہ حکم ہے "ظَنُّوا المُومِنِینَ خَیراً" کہ مومنین پر نیک گمان کرو اور دعوت قبول کر لو بدگمانی یا سوئے ظن کی مذمت کی گئی ہے لہٰذا مومن بھائی کی دل شکنی بھی نہ ہو اور نیک گمان بھی ہو جائے۔

() دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں یہ بات نہیں بلکہ "اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغنِی مِنَ الحَقِّ شَیاً"

کہ کسی چیز کی حقیقت کے لئے گمان کافی نہیں ہے یہ ہے کہ انسان سنکھیا (سم الفار) کو نمک سمجھ کر یا نمک کا گمان کر کے کھا لے تو کیا سم الفار اسے نقصان نہیں دے گا؟

جب انسان سم الفار کے ضرر سے گمان کر لینے سے نہیں بچ سکتا تو حرام پر حلال کا گمان کر کے روحانیت کو موت سے کیسے بچایا سکتا ہے؟

تقویٰ ہے ہی ترک مشتبہات یعنی ہر وہ چیز جس پر حرام کا شبہ ہو اسے ترک کر دینا عین تقویٰ ہے کیونکہ غذا ہی وہ پٹرول ہے جو جسم کی گاڑی کو چلاتا ہے اسی لئے غذا کی درستی کو بہت اہمیت دی گئی ہے پھر رزق کے لئے شرائط ہیں کہ حلال ہو، ذرائع آمدنی غیر شرعی نہ ہوں، پھر مذکیٰ ہو یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد علیحدہ کئے جا چکے ہوں، خمس و زکواۃ کی ادائیگی کر دی گئی ہو، پھر طاہر ہو، نجاسات بھی اسے مس نہ کر چکے ہوں مثلاً گھر کی مرغی ہے چوری کی نہیں حلال ہے اب خون جھندہ نکالا جائے تکبیر پڑھی جائے یہ تزکیہ ہے پھر پکاتے وقت اس میں کوئی نجس چیز بھی نہ گرے یہ طہارت ہے ایک بات اور بھی ہے کہ اگر ذبح کرنے والے نے اگرچہ تکبیر بھی پڑھی ہو مگر مدعا درست نہ ہو تو مرغی حلال نہیں ہو گی۔

کوفے کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ وہاں قحط پڑا تو ایک شخص روزانہ ایک اونٹ ذبح کر کے غرباء میں بانٹتا تھا وہاں فرزدق شاعر کا باپ غالب آیا اس نے آکر دو اونٹ ذبح کروا دیئے مخالف نے چار ذبح کر دیئے اس نے آٹھ کر دیئے نوبت یہاں تک پہنچی کہ فریقین کے دوسو اونٹ ایک دن میں ذبح ہوئے یعنی دوسو ایک کے اور دوسو دوسرے کے۔

اب کسی نے یہ مسئلہ اپنے امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھ لیا تو حضور نے

فرمایا ان کا گوشت کھانا حرام ہے کیونکہ یہاں رضائے اِلٰہی کی بجائے رضائے مخلوق کے پیش نظر یہ جانور ذبح ہوئے ہیں تو یوں سمجھو کہ یہ جانور بھی انہی میں سے ہیں جن پر نام خدا نہ لیا گیا ہو۔ حالانکہ تکبیر تو پڑھی گئی تھی۔

فرمایا اگر کوئی شخص کسی کو رضائے اِلٰہی کے علاوہ کسی غرض سے دعوت دے تو کھانے والے نے حرام کھایا ہے اور کھلانے والے نے حرام کھلایا ہے۔

اکل حلال کی اہمیت کو واضح فرمانے کے لئے شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆یَعرفُ وَلَدُالحَرَامِ بِاَکلِہِ للحَرَام

یعنی اگر حرام زادوں کو پہچاننا ہو تو حرام کھانے سے پہچان لو۔ حافظ رجب البرسی نے اس پہ بحث بھی کی ہے وہ لکھتے ہیں چونکہ ولد الحرام کا مادہ پیدائش حرام ہے اسی لئے وہ مادہ اسے کشش کرے گا اور وہ حرام کی طرف ہاتھ بڑھائے گا اور حرام ہی کو پسند کرے گا اسے طینت اور نطفہ اور اصل مجبور کرے گا۔

ہر شخص وہی کچھ پسند کرتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے جو خود اس میں موجود ہوتا ہے کیونکہ پسند و ناپسند کا معیار تخلیقی و پیدائشی مادے پر ہے اور حلال زادوں میں حلال کا مادہ ہوتا ہے اسی لئے وہ صرف حلال ہی کو پسند کریں گے۔

ہمارے علاقے کی کہاوت ہے

''حرام حرامیوں کو راس آتا ہے حلالی کھائے تو ہضم نہیں ہوتا''

اور انہی بنیادوں پر اعلان فرمایا کہ خاندان تطہیر علیہم الصلواۃ والسلام سے کوئی محبت نہیں کرے گا مگر حلال زادہ اور کوئی ان سے بغض نہیں رکھے گا مگر حرام زادہ یعنی حلال زادے کو مادۂ صحیح مجبور کرے گا کہ وہ ان ذوات علیہم الصلواۃ والسلام سے محبت کرے اور حرام زادے

کو غلط مادہ مجبور کرے گا کہ حرام زادوں کو عزیز رکھے۔ یہ تو سرشت اور طینت کی بات ہے اگر کوئی خاندان تطہیر علیہم الصلوٰاۃ والسلام سے دشمنی کرتا ہے تو وہ خود اپنی نسب خوانی میں مصروف ہے اپنی ماں کو برہنہ کر رہا ہے۔ اگر کوئی ان سے محبت کرتا ہے تو یہ بھی احسان کسی پہ نہیں کر رہا بلکہ اپنے والدین کی عصمت و عفت کی قسمیں کھا رہا ہے ان کی عفت پہ مجسم دلائل فراہم کر رہا ہے کسی پہ احسان نہیں ہے۔

حصولِ علم

قارئین! اتنا تو آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ علم ایک نور ہے جو خالق کی عطا ہے، جو پاک اور طاہر اذہان و اجساد میں داخل ہو کر پیشانی سے نجم سعادت بن کر جھلکتا ہے مغربی دنیا جو ہر چیز کو لیب Lab سے تلاش کرتی ہے ہر چیز کو لیبارٹری کے حوالے سے پہچانتی ہے وہ دنیا بھی آج کثرتِ تعلم کے خلاف دلائل فراہم کر رہی ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی بچے کی تربیت عین فطری اصولوں پہ کی جائے اور اس ماحول میں اسے پروان چڑھایا جائے جو نیچرل ہو اور شعور کی درست بنیادوں پر تربیت کی جائے تو بچے کو پڑھنے پڑھانے کی ضرورت ہی نہ رہے گی وہ جس علم کی طرف توجہ کرے گا وہ بلا مطالعہ اسے حاصل ہو سکتا ہے اس بچے کے لئے اکتسابِ علم ضروری نہیں ہو گا اور وہ وجدانی طور پر (Self Evidence) علم حاصل کر لے گا۔

گو وہ آج تک صحیح تربیت درست بنیادوں پر کرنے کا راز معلوم نہیں کر سکے اور یقین کی حد تک نہیں پہنچ سکے مگر پھر بھی وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ممکن ہے کہ جس بچے نے کبھی سکول، کالج، مدارس، یونیورسٹی نہ دیکھی ہو وہ بھی علوم متداولہ و

مروّجہ کا ماہر ہوسکتا ہے بشرطیکہ شعور کی تربیت درست ہو۔
یہ پڑھنا لکھنا یہ مروجہ علوم کیا ہیں؟ جنہیں دنیائے موجود علم کا نام دیتی ہے۔
دراصل یہ فنون ہیں، صرف ونحو معنی و بیان وغیرہ زبان دانی کا فن ہے، منطق ہے یہ استدلال و قیاس واستنتاج واستخراج کا فن ہے جو استخراجیہ اوراستقرائیہ حصوں میں منقسم ہے فلسفہ خود فن الفنون کہلاتا ہے تو اسی طرح یہ جملہ علوم جنہیں زبان عام میں علم کہا جاتا ہے یہ فنون ہیں۔ ہاں ان فنون کو مقدماتِ علم کہا جائے تو معیوب نہیں جیسے ایک گھر میں بجلی لانے کے لئے کھمبے، وائرنگ، بورڈ، بٹن، پلگ وغیرہ ہوتے ہیں مگر اصل بجلی تو وہ ہے جو ان تاروں کی رگوں میں دوڑتی ہے نہ کہ یہ تاریں ہی عین بجلی ہیں بجلی ہمیشہ مرکز سے رابطے کے بعد آئے گی جیسے بجلی اصل ٹربائن یا جنریٹر یا ایٹامک بجلی گھروں سے نکلتی ہے اور گرڈز سے فیڈرز وغیرہ سے ہوتی ہوئی گھروں کو جگمگاتی ہے اسی طرح علم کا اصل مرکز شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور پھر یہ علم امیر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے قلوب کو روشن کرتا ہے کیونکہ فرمان ہے۔

☆اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وَ عَلِیٌّؑ بَابُھَا

مرکزعلم یا جنریٹر آف سائنس Generator of Science شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یہ صرف ونحو وغیرہ زبان دانی کے فن ہیں یہ ضروری نہیں کہ جو عربی کا ماہر ہو وہ عالم بھی ہو ورنہ مڈل ایسٹ کے علماء سے گنوار بدو عربی بہتر جانتے ہیں ابوجہل پاک و ہند کے علماء سے عربی زیادہ جانتا تھا کیا اسے عالم کہا جا سکتا ہے؟
جس کے نام ہی میں جہالت بھری ہوئی ہے اسے عالم کہنا بذات خود جہالت ہے۔
موجودہ علوم دو حصوں میں تقسیم ہیں

1 ......طبعی علوم Natural Science

2 ......معیاری علوم Normative Sciences

1 ......طبعی علوم وہ ہیں جو اشیاء کو جیسی وہ ہیں بیان کرتا ہے، ان کا کام مشاہدے اور تجربے سے مظہر قدرت کو سمجھنا ہے اور ان کے متعلق قوانین معلوم کرنا ہے اور ان قوانین کی مدد سے مظاہر قدرت کے متعلق پیشگوئی کرنا ہے مثلاً علم نباتات ہمیں یہ بتاتا ہے کہ پودے کس طرح اگتے ہیں اور پانی سے اپنی خوراک کس طرح حاصل کرتے ہیں، پھول کس طرح لاتے ہیں طبعی علوم ہمیں یہ نہیں بتاتے کہ فلاں چیز کو ایسا ہونا چاہیے بلکہ یہ بتاتے ہیں کہ فلاں چیز یہ ہے۔

2 ......معیاری علم کا نقطہ ءِ نظر اور ہے اس کا میدانِ بیان وغرض وغایت بالکل مختلف ہے اس کا اشیاء ''یوں نہیں'' یا ''یوں نہیں تھیں'' سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ معیاری اصولوں کی مدد سے ان کی قدر و قیمت کا جائزہ لینا ہے

مثلاً علم الاخلاق (Ethics) ایک معیاری علم ہے اس کا کام یہ بتانا ہے کہ اعمال کو کیسا ہونا چاہیے یعنی یہ اخلاقی معیار کا فیصلہ کرنے والا علم ہے مثلاً ایک اور علم کو دیکھ لیں جسے جمالیات (Acsthetics) کہتے ہیں

یہ علم ہمارے احساسات (Feelings) کے حسن و قبح سے تعلق رکھتا ہے یعنی یہ علم اچھے برے (خوب و زشت) کے معیاری نقطہ ءِ نظر کا مطالعہ کرتا ہے۔

ان دونوں علوم میں جو فرق ہے اسے ایک سادہ مثال سے سمجھیں مثلاً سردی کا موسم ہے سامنے پانی موجود ہے غسل کرنا ہے تو طبعی علم بتائے گا کہ پانی ٹھنڈا ہے، معیاری علم بتائے گا کہ اس موسم میں پانی کو گرم ہونا چاہیے یعنی ضرورت ہے کہ گرم پانی ہو۔

میں اسی بات کو ایک اور طرح سے واضح کرنا چاہتا ہوں انسان مرکب ہے جسم و نفس و روح کا، جسم کا جو علم ہے وہ طبعی ہے، نفس کا معیاری ہے۔

علم طبعی کی دو شاخیں ہیں

1 ......ادراک

2 ......فن

علم الادراک معلوماتی ہوتا ہے اور فن عملی ہوتا ہے۔ فزکس، کیمسٹری ، مصوری، شاعری، فزیالوجی، موسیقی، سرجری وغیرہ جب دائرہ تعلیم میں محصور ہوں تو ادراکی ہوتے ہیں جب عملی شکل میں آتے ہیں تو فنی صورت اختیار کر لیتے ہیں

مثلاً شاعری ہے عروض وقوافی ، زحافات وارکان ، اوتاد و تقطیع کا علم حاصل کرنا علیحدہ بات ہے جب یہ علمی حد میں رہیں گے تو علم الادراک کہلائیں گے، جب عملی شکل میں ظاہر ہوں گے تو ان کی حقیقت ادراک تک محدود نہیں رہے گی بلکہ ایک مکمل فن کی صورت میں ظاہری ہو گی۔ شاعری کرنا فن ہے، مشق کے بعد اس کا حصول شاعر میں بتدریج پختگی لائے گا اسی طرح انجینئرنگ کا ادراک کر لینا ایک علیحدہ بات ہے مگر کسی مشین پر عملی تجربات علیحدہ چیز ہیں۔ لیکن جو معیاری علم ہے وہ ایسا ہے، ایسا تھا، ایسا ہوگا وغیرہ نہیں کہتا بلکہ ایسا ہونا چاہیے کہہ کر اس کے کمال کے آخری نقطہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور بہتری کی اقدار کا تعین کرتا ہے۔

دوستو! ایک قوتِ بدن ہے، ایک قوتِ نفس ہے، قوتِ بدن کا اظہار قوئ ِ بدن سے ہوتا ہے اور قوتِ نفس کا اظہار خیال سے ہوتا ہے، قوتِ بدن کی جہاں انتہا ہے وہاں سے قوت خیال کی ابتداء ہے اور بدن کی قوت کا اظہار ہاتھ، پاؤں، اعضاء و

جوارح کر سکتے ہیں مگر قوتِ خیال کی ترجمانی متعلقات بدن کے بس کا روگ نہیں کیونکہ بدن کے اظہار کے ذرائع قوتِ خیال کی ترجمانی کے لئے ناکافی ہیں۔

وسعت کے لحاظ سے، سرعت کے لحاظ سے، ذخیرۂ الفاظ کے لحاظ سے ہر طرح سے اعضائے بدن عاجز ہیں کہ وہ خیالات کی ترجمانی کر سکیں گویا متعلقات جسم خیالات کی کماحقہ ترجمانی سے عاجز وقاصر ہیں۔

دیکھئے نا! انسان خیالات کی ترجمانی یا تو اشاروں سے کرتا ہے یا زبان سے باقی تو کوئی بتانے والا نہیں ہے اب کوئی شخص ہاتھوں کے اشارے سے امریکہ کے صدر کی شکل بتا سکتا ہے؟ یا اس کا عہدہ بتا سکتا ہے؟ کسی شخص کا اشاروں سے وائٹ ہاؤس کی شکل وصورت یا اس کے حسن وقبح پہ تبصرہ کر لینا ناممکن ہے۔

باقی رہ گئی زبان تو اس کے پاس صرف الفاظ واصوات ہیں یہ تو اتنی عاجز ہے کہ کوئی انسان اگر کسی ایسے شخص کو جس نے اس کے والد کو نہ دیکھا ہو باپ کا ایسا حلیہ اور شکل نہیں بتا سکتا کہ جس سے وہ ہزاروں کے مجمع میں اس کے باپ کو پہچان لے یہ تو خود انسان کے باپ کی شکل بتانے سے قاصر ہے۔

یہ زبان تو خیالات کے حسن کو واضح کرنے کے لئے کائنات کی بیساکھیاں تلاش کرتی ہے سب سے زیادہ اظہارِ خیال شعراء کر سکتے ہیں مگر اپنے محبوب کی شکل وصورت و حسن وجمال بیان کرنے سے اتنے عاجز ہیں کہ کہیں گے میرا محبوب ہے کہ اس کا قد ہے تو سرو کا پودا، آنکھیں ہیں تو نرگس کے پھول یا شراب کے پیالے، زلفیں ہیں تو مارِ سیاہ (سیاہ ناگ) ہیں، ہونٹ ہیں کہ گلاب کی بند کلیاں، مسکراہٹ ہے کہ گلاب کا غنچہ، چہرہ ہے کہ چودھویں کا چاند، اسی طرح شاعرانہ تشبیہات کو دیکھتے جائیں کہ یہ

کس طرح اظہارِ خیالات میں زبان کے عجز کا اقرار ہو رہا ہے، محبوب جو انسان ہے اس کی شکل وصورت اور حسن و جمال کے لئے نباتات و جمادات کی بیسا کھیاں تلاش کر رہا ہے اور وہ بھی کتنی ناکام کوشش ہے۔

آپ ایک سرو کا پودا کھڑا کر دیں، اس پر دو سیاہ ناگ بٹھا دیں یا سیاہ بادل لا کر اس پہ کھڑے کر دیں، اس پہ ایک چاند کو جما دیں، ساتھ ہی دو نرگس کے پھول یا شراب کے پیالے رکھ دیں، اس کے نیچے گلاب کی دو کلیاں سجا دیں اب ذرا تصور کریں یہ کیسا نقشہ ہے؟ کیا یہ کوئی انسان ہے یا بھوت لگ رہا ہے؟

اگر ایسا کوئی انسان پیدا ہو بھی جائے تو دنیا کا بدصورت ترین انسان ہوگا بیس فٹ قد کے اوپر ہزاروں میل قطر کا چاند چہرہ کی جگہ اس ہزاروں قطر کے چاند پر چھ میل کی گھٹا جس میں دس دس فٹ کے دو سانپ اور چار انچ قطر کے دو پیالے اور دو انچ کی ایک گلاب کی کلی، ذرا خود تصور کر لیں یہ کونسا جانور ہے جو شاعر کا محبوب ہے۔

یہی بات ثبوت کے لئے کافی ہے کہ زبان و بیان خیالات کی ترجمانی سے عاجز ہیں پھر نفسی کیفیات مثلاً غم، خوشی، لذت، غصہ، نفرت وغیرہ کا اظہار ذرا الفاظ میں کر کے دیکھئے یہ ناممکن ہے بلکہ محال ہے کہ انسان کے جسم کے متعلقات نفس کے متعلقات کی ترجمانی کر سکیں اسی طرح تین الفاظ سامنے آتے ہیں طاقت، شعور، عقل، طاقت بدن سے متعلق ہے، شعور نفس سے متعلق ہے، عقل روح سے متعلق ہے، یہ تین علیحدہ علیحدہ قوانین ہیں جو ایک دوسرے کا مقام نہیں لے سکتے جس طرح اعضائے بدن متبادل نہیں اسی طرح یہ بھی متبادل نہیں ہیں آنکھ بول نہیں سکتی، زبان دیکھ نہیں سکتی، اس طرح یہ بھی غیر متبادل ہیں۔

طاقت

طاقت جسم کی قوت کا نام ہے اور اعضاء و جوارح اس قوت کے اظہار کے ذرائع ہیں مثلاً آنکھ کا دیکھنا ایک قوت ہے جسے قوتِ باصرہ کہا جاتا ہے، کان کا کام ہے سننا تو اس کی قوت کا نام ہے قوتِ سامعہ، اسی طرح شامہ و ناطقہ وغیرہ یہ سبھی بدن کی مرکزی طاقت کے شعبے ہیں اور اس مرکزی قوت کا نام ہے ''طاقت'' اس کے ماحصل کا نام ادراک ہے مگر اس طاقت کی پیمائش کا جو پیمانہ ہے وہ ارضی ہے زمینی ہے مگر آفاقی نہیں ہے۔

مثلاً وزن اٹھانا اس کا کوئی پیمانہ نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار طاقت سے متصادم قوت پر ہے اور زمین پر متصادم قوت کشش ثقل ارض ہے اس لئے ایک عام آدمی کا ایک من لوہے کا اٹھا لینا پیمانہ ارضی ہے طاقت کا آفاقی پیمانہ نہیں ہے کیونکہ یہی انسان چاند پر کئی من اٹھا سکتا ہے اور یہی انسان سطح مشتری پر چند کلو بھی نہیں اٹھا سکتا کیونکہ اس کی کشش ثقل بہت زیادہ ہے خلا میں ہزاروں لاکھوں من اٹھا لے اور سطح سورج پہ خود اپنا ہاتھ بھی نہ ہلا سکے تو یہ ایک من اٹھا لینا صرف زمین کا پیمانہ ہے باقی سیاروں (Planets) میں یہ پیمانہ نہیں رہے گا پھر دیکھئے کہ ایک شخص گولا پھینکتا ہے تو گولے کو انسان کی جسمانی قوت دھکیلے گی مگر متصادم و مزاحم دو قوتیں ہیں کشش ثقل اور ہوا کی رفتار کی مزاحمت پھر گولے کی اپنی Circulation بھی مزاحم ہے تو یہاں زمین پہ جو شخص 40 فٹ تک گولا پھینک سکتا ہے وہ زحل میں ایک فٹ بمشکل پھینک سکے گا کیونکہ وہاں پر ہوا کی تیزی جو سیکڑوں میل فی گھنٹہ ہے اس کی راہ میں مزاحم ہو

گی اور پھر کشش ثقل زمین سے ہزاروں گنا زیادہ ہے۔
اسی طرح آنکھ کی قوت ہے تو یہ فضا کی صفائی وغیرہ پر منحصر ہے اندھیرے میں چند فٹ تک بمشکل دیکھ سکتی ہے روشنی میں بھی قوتِ باصرہ کی ایک حد ہے اور یہ قوت اس سے تجاوز کرنے کی مجاز نہیں ہے گویا ہر پہلو پہ یہ بات لاگو ہے حقیقت یہ ہے جسم کی طاقت کا آج تک کوئی آفاقی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکا ہے کہ جس سے طاقت کو ناپا جا سکے اس کے سبھی پیمانے ارضی ہیں یہی دنیا اس کی مکمل کائنات ہے جو گلیکسی کا ایک ضعیف سا سیارہ ہے

شعور

طاقت کے بعد شعور ہے اسے بھی دیکھ لیں شعور نفس کی قوت کا نام ہے یہ شعور حسیات سے آتا ہے یعنی موجود تو پہلے ہوتا ہے جب حسیات شواہد کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس کے حاصل شدہ ڈیٹا سے یہ قوی ہوتا ہے اگر حسیات شعور کو آگاہ نہ کریں تو یہ از خود کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں ہے۔(اس پہ بحث آئندہ اوراق میں آئے گی)

عقل

عقل کا تعلق روح سے ہے روح امرِ الٰہی ہے اور عقل عطائے اِلٰہی ہے یہ بھی مسلم ہے کہ شعور کے مدارج ہیں یعنی اس کی بھی Classification کی جا سکتی ہے
☆"فضلنا بعضکم علیٰ بعض" کے تحت یہ درجات دائرۂ مساوات سے باہر ہیں
کوئی بڑے سے بڑا عالم کسی دوسرے کے شعور کی ترجمانی نہیں کر سکتا جیسا میں پہلے

لکھ چکا ہوں کہ خود اپنے شعور کی ترجمانی بھی محال ہے پھر عقل وروح کے متعلق علم و عرفان کی حروف واصوات واشکال والفاظ سے ترجمانی کیسے ممکن ہے؟ بلکہ روح کے متعلق جو علم ہے اس کے بارے میں خالق نے خود فرمایا ہے

☆وَمَا أُوتِيْتُم مِّن الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلا ......(بنی اسرائیل 85)

کہ یہ علم تمہارا کسبی نہیں ہماری عطا ہے اور وہ بھی بہت کم دیا گیا ہے جب یہ علم کسبی نہیں ہے بلکہ عطائی ہے تو پھر کثرت تعلم سے یہ کیسے آ سکتا ہے ہاں نورعلم تک پہنچنے کا ذریعہ تو کہا جا سکتا ہے بشرطیکہ عمل بھی ساتھ ساتھ ہو۔

جو ذرائع خالق کائنات نے فرمائے ہیں ان کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی اصلاح کرو، درستیِٔ مقدمات کرو خود میں نورعلم کا ظرف بننے اور علم جیسی پاکیزہ چیز کا خزانہ بننے کی صلاحیت پیدا کرو جب تمہاری باطنی پاکیزگی، من کی صفائی گواہی دے گی کہ تم طاہر ہو چکے ہو تو پھر نورعلم عطا کر دیا جائے گا۔ اپنی اصلاح کسبی ہے عطائے الٰہی کسبی نہیں نورِعلم خالق سے جبراً کوئی نہیں لے سکتا بلکہ موجودہ علوم کا واحد مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اقدارِعبودیت، اطوارِغلامی اور اندازِ اطاعت سمجھ آ جائیں۔

اول بات تو یہ ہے کہ پہلے تو اپنا ہی علم حاصل کرنا ہوتا ہے مقدماتِ علم میں سب سے اہم چیز زہد ہے یعنی اس دنیا کو پشت کر لینا، دل سے اس دنیا سے بے نیاز ہو جانا۔

حصول علم کے آداب پر ایک بہترین کتاب شیخ زین الدین بن نورالدین علی بن احمد عاملی شہید ثانی نے تالیف فرمائی ہے جس کا نام ہے ''منیۃ المرید فی آداب المفید والمستفید'' یہ علماء اور طلباء کے لئے بہترین تحفہ ہے۔

اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ علم چند سوالات کے جوابات پر غور کرنے سے آتا ہے۔

☆ اول یہ کہ میں کون ہوں؟

☆ کہاں سے آیا ہوں؟

☆ کس لئے آیا ہوں؟

☆ مجھے کہاں جانا ہے؟

☆ مقصد حیات کیا ہے؟

موجودہ علوم سے صرف یہی معلوم کرنا مقصود تھا کہ میرے کیا فرائض و واجبات ہیں نہ کہ ذات وصفات واختیاراتِ اِلٰہی کا تعین کرنا انسان کو عقل اس لئے عطا نہیں کی گئی ہے کہ وہ خاندانِ تطہیر علیہم الصلواۃ والسلام کے فضائل کے گرد عقل کی چار دیواری کھڑی کر دے یا پھر ان کے اختیارات وقدرت وعلم وشان وعظمت ونوع کے حدود اربعہ کی حد براری کرنا شروع کر دے یہ عقل بیچاری کہاں تک جاسکتی ہے؟

مشہور مقولہ ہے کہ ''کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا'' ہمیں عقل صرف اس لئے دی گئی ہے کہ ہم ان اعمال وحرکات وسکنات وافعال واقوال کو سمجھ سکیں کہ ہم اپنے محبوب حقیقی کو کس طرح خوش رکھ سکتے ہیں؟ اس کے احسانات کیا کیا ہیں؟ غلامی اور عبودیت کا طریقہ کار کیا ہے؟ احسانات کا شکر کیا ہے؟ اور شکر کی ادائیگی کیسے کرنا ہے؟ مالک کے حقوق وفرائض ہماری گردن میں کیا ہیں؟ اور اسے ہمارا دنیا میں کس انداز سے رہنا پسند ہے؟

معروف ادعیہ (دعاؤں) میں ہمیں سمجھایا گیا ہے کہ بارگاہِ رب العزت میں اس طرح عرض کرو

''اے میرے خالق جیسا مالک میں پسند کرتا تھا تو ویسا ہی ہے بلکہ میری توقعات سے

بدرجہا بہتر و عظیم ہے اب تو جیسا غلام پسند کرتا ہے مجھے ویسا بنا دے‘‘

یہی اصل حیات اور مدعائے علوم ہے کہ وہ خالق ہمیں کیسا دیکھنا چاہتا ہے ہم ویسے بن جائیں نہ کہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم شعورِ محاط میں ذاتِ محیط کو اسیر کر لیں ، زندانِ عقل میں توحید کو قید کر لیں یا زنجیر خیالات میں خاندان تطہیر علیہم الصلواۃ والسلام کو پابند کر لیں یا سلاسلِ دلائل میں انوارِ وحدت کو جکڑ لیں (میری توبہ)

یہ تو سراسر حماقت ہے، ظلم و جہالت ہے، کفر و ضلالت ہے جو عقل و تخئیل و دلائل و قیاس و اوہام و خطور و علم و عرفان کے پنجرے میں بند ہو جائے وہ اللہ نہیں غیر اللہ ہے جس طرح ہمارے وضع کردہ پیمانے ،تعینات و اقدار آفاقی نہیں اسی طرح ہمارے علوم بھی آفاقی نہیں بلکہ ارضی ہیں زمینی ہیں جیسے ہمارے اوزان و جہات (سمتیں) و نشیب و فراز کے تعینات چند میل زمین سے دور ہوں تو فوراً بدل جاتے ہیں پھر وہاں پر نہ یہ لیل و نہار درہتے ہیں، نہ یہ ماہ و سال اور نہ ہی یہ اوزان و جہات ۔

جب ہمارے سارے کلیات ارضی ہیں اور آفاق میں اپلائی نہیں ہو سکتے تو انہیں خالق پر اپلائی کیسے کیا جا سکتا ہے؟

آپ کے سامنے ایک کلیہ بیان کرتا ہوں ہمارے علماء نے منطق کو صحیح استدلال کے لئے بنایا کہ استدلال درست ہو نتیجہ درست ثابت ہو اس میں ایک کلیہ ہے جسے ’’حدود سلبی‘‘ کا نام دیا جاتا ہے اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ یہ کسی ایسی شئے کے متعلق کسی ایسی صفت کی نفی کرنے کے لئے ہے جو اس نوع کے دیگر افراد میں موجود ہو مثلاً انسان کو کہنا اندھا یہاں بینائی کی نفی ہے جو نوع انسان کے عمومی افراد میں پائی جاتی ہے لیکن جب علماء نے اللہ کے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کی تقسیم کی تو

خود یہی قاعدہ ہی الٹ گیا ولم یکن له صاحبة میں ہے کہ اللہ وہ ہے جس کی بیوی نہیں ہے کیا ایسے اللہ واقعی موجود ہیں کہ جو صاحب زوجہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہ کلیات وعلوم جو تعینات وضع کرتے ہیں یہی ناقص ہیں ارضی ہیں آفاقی نہیں کوئی سا نظریہ لے لیں وہ زمین پر درست ہے دیگر سیاروں میں وہ بکھر جاتا ہے تو ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے وہ ارضی ہے لہٰذا ہمارے علوم بھی آفاقی نہیں ہیں اعمالِ دین ہیں، مسائل فقہ ہیں یا ایسے ہی دیگر اصول زمین سے باہر دم توڑ دیتے ہیں مشتری کہ جس کا سال ہمارے 12 سال کے برابر ہے اس پہ 12 عدد چاند موجود ہیں اب نماز یا روزے کا وہاں کیا اصول ہوگا؟ خود ہمارے ان اعمال کی اساس تو خود زمین ہی کے لئے کافی نہیں رہتی۔ انٹارکٹک یا اسکیمو کے علاقوں میں جہاں کئی ماہ کی رات اور کئی ماہ کے دن ہوتے ہیں وہاں اوقات نماز و روزہ وغیرہ کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اس طرح یہ انداز وتعینات تو ہمارے ربع سکون کے لئے بھی ناکافی ثابت ہو جاتا ہے تو ماننا پڑے گا

اسلام کا آفاقی نظام علم وہ ہے جو ہمارے موجود علوم میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام ایک آفاقی سچائی کا حامل ہے نہ کہ ان گورکھ دھندوں کا پلندا ہے کہ جن میں سب کچھ ہے مگر آفاقی سچائی نہیں ہے۔

نفس انسان کی ایک فطرت ہے کہ یہ ہر کام کا فوری ردعمل چاہتا ہے نقد اجر طلب کرتا ہے، ادھار سے گھبراتا ہے نقد اجر ہو چاہے زبانی جمع خرچ ہی کیوں نہ ہو

شعراء صرف زبانی ''واہ واہ'' کے لئے کتنے پاپڑ بیلتے ہیں صرف تحسین ناشناس کے لئے سیروں خون خشک کرتے ہیں۔

اجر چاہے جیسا بھی ہو اسے تو نقد چاہیے چاہے زبانی واہ واہ ہی کی شکل میں کیوں نہ مل جائے انسان کا نفس مطمئن ہو جاتا ہے اس زبانی جمع خرچ اور حصولِ تحسین کے لئے لوگوں نے ہمالیہ کو سر کیا ہے، نیا گرہ کی آبشار پر رسہ باندھ کر اس پہ چلنے کا مظاہرہ کیا ہے، لاکھوں مقامات پر جان جوکھوں میں ڈالی ہے اور یہ نفس علوم کے معاملے میں بھی یہی کچھ چاہتا ہے تھوڑا بہت پڑھ لیا اور چند تقاریر یاد کر لیں اور منبر پر بیٹھ کر نقد علم جھاڑنا شروع کر دیا۔

جبکہ نور علم کا حصول ظاہری اور مادی دنیا سے ماوریٰ ہے اور ایک علیحدہ خوابوں کے ارم زار میں بسا دیتا ہے، ایک طویل ادھار پہ نقد کو قربان کرواتا ہے، موہوم پہ محتوم کو فدا کرتا ہے، دنیا کی بجائے آخرت کو مرکز حیات تصور کرواتا ہے جب آخرت ہی پیش نظر ہو گی تو لذاتِ دنیا عبث نظر آئیں گی، کائنات کا حسن مستعار ماند پڑ جائے گا اور انسان ایک مکمل حسن اور کامل خوبصورتی کا ادراک کر لے گا

ایک مغربی مفکر کا یہ قول مجھے پسند ہے وہ کہتا ہے کہ

ہمیں مثالی حسن کا مکمل عرفان تبھی ہو سکتا ہے جب ہم فنا فی التصور ہو جائیں یا استغراقِ تصور کے نقطہءِ انتہا کو پہنچ جائیں جہاں تمام خواہشیں تمام ارادے ایک ارادۂ مطلق میں ضم ہو جائیں یا خواہش کلی میں فنا ہو جائیں زندگی کی کوئی حسرت باقی نہ رہے تب کہیں جا کر حسن کامل کا عرفان ہو سکتا ہے۔

کیونکہ جب آخرت ہی پیش نظر ہو گی تو لذاتِ دنیا عبث نظر آئیں گی، موت کی تمنا پیدا ہو گی، ایک حسن کل کا ادراک ہو گا، دنیا سے بددلی پیدا ہو گی، مال و دولت بے وقار ہو جائیں گے اور انسان یقین کرے گا کہ

المال مال الله و الخلق عیال الله کہ یہ مال اللہ کا ہے اور مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اسی کے مال سے اسی کے بچوں کو پال رہا ہوں اور ہمہ وقت اللہ کے مال میں خیانت سے خائف رہے گا اور دنیا اور متعلقاتِ دنیا سے متنفر رہے گا۔ ایسے ہی لوگوں پر قشری علماء رہبانیت کے فتوے لگاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے

یارب محمدؐو آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمهم
عجل الله فرجه الشریف و صلوات الله علیه

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 2

زہد و رہبانیت

آج تک علماء کرام نے زہد اور رہبانیت کا فرق عوام کو نہیں بتایا جب کسی کا استحسان مطلوب ہو تو عابد و زاہد کہہ کر تعریف کرتے ہیں اور جب زاہدین کو دیکھتے ہیں تو فوراً کہتے ہیں ☆لا رھبانیه فی الاسلام کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

اب ذرا دیکھئے کہ رہبانیت کے معنی کیا ہیں؟ راہب کے معنی ہیں ڈرنے والا رہبانیت کا مطلب ہے ڈرنا اور خوف خدا اور یہ خشیۃ اللہ ہی تو ہے جو علماء کرام کی پہچان ہے☆ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء کہ جو لوگوں میں سے اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں وہ علماء ہیں یعنی علم کی ایک جز و خوفِ خدا بھی ہے۔

خوف کی کئی اقسام ہیں مثلاً یہ خوف کہ دنیا کا مال و اسباب جتنا بڑھے اتنا زیادہ حساب دینا ہوگا، مال و دولت جتنی کم ہوگی اتنا ہی حسابِ آخرت مختصر ہوگا آخرت کے حساب سے ڈرنا اور اس دنیائے فانی سے بے رغبت ہو جانا رہبانیت ہے۔

رہبانیت کا ذکر کلام اِلٰہی میں پانچ یا چھ مرتبہ ہوا ہے مگر کہیں بھی رہبانیت کو بذات خود برا نہیں کہا گیا اس کی مذمت نہیں کی گئی مثلاً سورۃ توبہ 31 میں ہے

☆اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ ......

عیسائیت کے علمبرداروں میں سے جوان کے عابد اور راہب تھے انہوں نے اللہ کے علاوہ خدا بنا لئے تو ان کی مذمت ہوئی عمل کی نہیں مذمت عقیدے کی ہو رہی ہے کیونکہ کوئی اسلام کے لیبل میں نماز و روزہ کی ادائیگی کے ساتھ اگر غیر اللہ کو اللہ ماننے پر مجبور کرے تو فساد عمل میں نہیں عقیدے میں ہے یا یوں سمجھ لیں کہ یہاں مذمت رہبانیت کی نہیں یا ترک دنیا کی مذمت نہیں بلکہ غیر اللہ کو اللہ ماننے کی ہے

سورۃ توبہ کی آیہ 34 میں ارشاد رب العزت ہے کہ

☆يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّ كَثِيراً مِّنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ

ایمان والوں کو انتباہ ہے، آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! دیکھو عیسائیت میں بہت سے عابد اور اللہ سے (ظاہری طور پر) ڈرنے والے ایسے ہیں جنہوں نے لوگوں کا مال ہضم کرنا شروع کر دیا اور اللہ کے راستے میں حائل ہو گئے ہیں اور انہوں نے سونے چاندی کے خزانے جمع کر لئے ہیں اور ایک پیسہ بھی راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے بس ان لوگوں کو عذابِ الیم کی بشارت دے دو۔

اس آیت سے بھی واضح طور پر ان افعال کی مذمت ہے اور یہ افعال اہل اسلام کے لئے بھی اتنے ہی مذموم ہیں جتنے کسی اور مذہب کے لئے ہیں یہ اخلاقی برائیاں ہیں جنہیں لا مذہب بھی پسند نہیں کرتے کسی کا مال ہضم کرنا، دولت کو جامد کرنا، اقتصادی نکتہ نگاہ سے بھی قبیح ہے اور خاص طور پر اہل اسلام کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ سونے چاندی کے خزانے جمع نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے لئے آخرت میں عذاب بن جائیں

گے مگر یہ ان افعال کی مذمت ہے

لیکن اس آیت سے بذات خود رہبانیت کو برا کیسے کہا جا سکتا ہے؟

سورہ المائدہ میں ہے کہ اے ایمان والو! تمہارے بدترین دشمن یہودی ہیں اور تمہارے بہترین دوست عیسائی ہیں محبت کرنے والے نصاریٰ ہیں اس کی وجہ جو بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ

☆ ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَاناً وَأَنَّهُمْ لاَ يَسْتَكْبِرُونَ ......(المائدہ 82)

کیونکہ ان میں جو علماء اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے

یہاں عیسائی راہبوں کو جذباتی لحاظ سے اسلام دوست قرار دیا جا رہا ہے اور اچھے الفاظ میں یاد کیا جا رہا ہے پھر سورۂ حدید میں ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا ہوئی اور نصاریٰ کے بارے میں ہے کہ

☆ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاء رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ......(الحدید27)

اور نصاریٰ کے دلوں میں اتباعِ عیسیٰ علیہ السلام سے رافت اور رحمت کو داخل کیا گیا اور انہوں نے رہبانیت کا حق ادا نہ کیا اس کا لحاظ نہ رکھا اور ان میں سے جو صاحب ایمان تھے انہیں تو اجر عطا کیا گیا اور کثرت سے ان میں ایسے لوگ تھے جو فاسق تھے برے تھے

یہ ہیں وہ آیات جن میں رہبانیت کا تذکرہ ہے اب قارئین! خود فیصلہ کریں کہ رہبانیت کس حد تک مذموم ہے، کہاں تک ترکِ دنیا مذموم ہے، قابل ملامت ہے جو معنی رہبانیت کے سمجھے جا رہے ہیں ان پہ روشنی ڈالتا چلوں تا کہ رہبانیت اور زہد

میں جوفرق ہے وہ سامنے آجائے

رہبانیت کے چند مرکزی جز ہیں جن میں رہبانیت کی تحلیل ہوتی ہے میں چاہتا ہوں کہ علیحدہ علیحدہ ان پر بحث کروں

نمبر1 ...... دنیا سے علیحدہ ہوکر جنگلوں یا معبد میں خود کو پابند کر لینا، نہ کسی سے ملنا، نہ کسی سے معاشرت اختیار کرنا اور بالکل علیحدہ رہنا

نمبر2 ......لذاتِ دنیا سے کنارہ کرنا، ہر وہ چیز جو کھانے کو جی چاہے ترک کرنا یعنی خوردونوش میں یا رہنے اور پہننے میں خلافِ نفس کرنا

نمبر3 ......عزوبت یعنی ترک نکاح (یعنی تزوتج نہ کرنا) قطع نسل کرنا، بیوی بچوں کی تمنا تک نہ کرنا

نمبر4 ...... دنیاوی ترقی نہ کرنا، اقتصادی طور پر خود کو کمزور کرنا یعنی یہ دنیاوی جتنی اونچائیاں ہیں ان سے بے رغبت رہنا

یہ وہ چیدہ چیدہ پوائنٹ ہیں جنہیں رہبانیت تصور کیا جاتا ہے

قارئین! کتب احادیث میں دوطرح کی احادیث ہیں

جیسے بحار الانوار میں یا دیگر کتب میں علیحدہ علیحدہ باب قائم ہیں مثلاً باب نہی عن الرہبانیہ وغیرہ ان میں واقعات کے ساتھ رہبانیت سے منع فرمایا گیا ہے مثلاً عثمان بن مظعون نے خود کو مسجد میں معتکف کر لیا اور کھانا پینا چھوڑ دیا تو شہنشاہ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆ان اللہ تبارك و تعالیٰ لم يكتب علينا الرهبانية انما رهبانية امتى الجهاد فى سبيل الله

فرمایا ہماری امت کے لئے رہبانیت نہیں ہے بلکہ ہماری امت کے لئے جہاد ہی رہبانیت ہے

امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے نصاریٰ کے دلائل کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ جناب یوسف علیہ السلام ریشم و دیباج کا لباس زیب بدن فرما کر سونے کے زیورات سے آراستہ ہو کر عزیز مصر کے پہلو میں تخت پر جلوہ افروز ہوتے تھے ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ یعنی رہبانیت کی تردید فرمائی

دوسری طرف انہی کتب معتبرہ میں احادیث کے علیحدہ ابواب موجود ہیں مثلاً

☆"باب العزلة عن اشرار الخلق"یا"باب ترك الشهواة والاهوا"

تو اسلام نے دونوں رخوں پہ مکمل بحث کی ہے جہاں عبادات کا ذکر فرمایا ہے وہاں عبادات کو اجتماعی شکل دے کر امت پہ احسان فرمایا ہے نماز جماعت کے فضائل نماز منفردہ سے کئی گنا زیادہ بتائے ہیں یعنی اگر مومنین کی جماعت میسر ہے تو کنارہ کشی اور خلوت حرام ہے اگر جماعت مومنین میسر نہیں تو کنارہ کشی مباح ہے عزلت حلال ہے حکم دیا ہے کہ بہتر ہے کنارہ کش ہو جائیں اور حکم دیا ہے کہ بہتری اسی میں ہے کہ گھروں کے فرش بن جائیں محافل اور اجتماعات سے بچنے میں عافیت ہے جیسے امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کا فرمان ہے کہ

☆طُوبیٰ لِمَن لَزمَ بَیتَہُ یعنی طوبیٰ ہے اس شخص کے لئے جس نے گھر کو لازم کر لیا

مومن کے دس فضائل میں فرمایا کہ مومن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ"اغتنام الخلوۃ" کہ وہ خلوت کو غنیمت سمجھتا ہے۔

اصحاب صفہ نے زہد کا جو مظاہرہ دور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرمایا وہ تاریخ

کے دامن میں نقش کالحجر ہے انہوں نے گھر بار چھوڑے، ہجرت کی، غربت پسند کی ترکِ لذات کیا، صبح وشام مٹھی بھر کھجور پہ اکتفا کیا، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال و جائیداد، نہ گھر نہ مویشی سب کچھ چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر رہے لباس تھے تو واجبی سے، کھجور کے پتوں کے جگہ جگہ پیوند، کپڑوں سے ناگوار بو آتی تھی جملہ صعوباتِ حیات برداشت کر کے قربِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زندگی گزارنے کو ترجیح دی کیا یہ بھی رہبانیت ہے؟

حقیقت میں یہ زہد ہے یعنی انہوں نے دنیا سے رغبت ختم کر لی تھی

اجماعی حکومت کے دوسرے حاکم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیک طینت صحابی جناب حذیفہ یمانی کی زہد کی تبلیغ دیکھ کر رہبانیت کے خلاف فتویٰ دیا ور سزا دی آج بھی اسی طرح زہد کی تبلیغ پہ رہبانیت کے خلاف فتوے عائد کئے جاتے ہیں۔

ارشاد ہے کہ

☆يَـا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تُحَرِّمُواْ طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّهُ لَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ......(المائدہ 87)

یعنی اے ایمان والو! اللہ نے جو تمہارے لئے طیب وحلال قرار دیا ہے اسے خود پر حرام نہ کرو

اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ کھاؤ پیو، جان بناؤ، عیش کرو حالانکہ اسلام نے اتنی کھلی چھٹی نہیں دی بلکہ خاندان تطہیر علیہم الصلواۃ والسلام نے عملی زندگی میں درس زہد دیا ہے اور رہبانیت اور زہد میں واضح فرق بتایا ہے مثلاً جب امام موسیٰ الرضا علیہ الصلواۃ والسلام سے عباسی ملعون نے زہد اور رہبانیت کا فرق دریافت کیا تو امام علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا

زہد یہ ہے کہ میرے جد اطہر امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے زندگی بھر آرد جو اور نانِ جویں کو پسند فرمایا اور گندم کو ترک فرمایا۔ حالانکہ گندم حلال ہے مگر جو سے زیادہ لذیذ ہے اور زہد ترک لذات کا نام ہے اسی لئے امام علیہ الصلواۃ والسلام نے گندم کو لذات کے پیش نظر ترک فرمایا اپنے لئے تین غذاؤں کا اجتماع زندگی بھر روا نہ رکھا، دنیا کو تین طلاقیں دیں اور 19 انیس ماہ رمضان کی شب دودھ نمک اور نان میں سے فرمایا دودھ اٹھا لو، نمک اور روٹی کافی ہے یہاں دودھ کو خود پر حرام قرار نہیں دیا بلکہ شانِ زہد سے ترک فرمایا ہے فتح خیبر کے وقت لوگوں نے مال و دولت جمع کیے اور غنی کہلوانے لگے مگر فاتح خیبر نے سب کچھ پا کر سب کچھ لٹا دیا یعنی آیت قرآن کی تفسیر فرمائی

☆لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ ......(آل عمران92)

کہ تم خیر کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پسندیدہ متاع نہ قربان کر دو یعنی سب کچھ راہ خدا میں تقسیم فرما کر ثابت کیا کہ

☆تحبب الفقر و اختیار الشدة مومن کو چاہیے کہ فقر و فاقہ سے محبت کرے اور شدائد کو اختیار کرے۔ ان امور میں بھی امیر المومنین علیہ الصلواۃ والسلام نے خود کو مومنین کا امیر ثابت کیا ہے شرعی واجبات کی ادائیگی کے بعد ہر شخص دولت جمع کر سکتا ہے مگر یہاں خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلایا جا رہا ہے یہ شانِ عطا ہے یا رزاقیت؟

حالانکہ انہی امواج جود و عطا کو دیکھ کر ابن ابوسفیان معاویہ نے لکھا تھا ''لا خیر فی الاسراف '' کہ فضول خرچی میں خیر نہیں ہے تو جواباً امام حسنؑ علیہ الصلواۃ والسلام نے اسی فقرے کو معکوس فرمایا اور لکھا کہ ''لا اسراف فی الخیر'' کہ امور خیر فضول خرچی نہیں ہے یعنی امور خیر میں جو بھی خرچ ہوگا وہ دائرہ اسراف میں نہیں آتا ہے۔

سید علی بن طاؤس علیہ الرحمہ نے اپنے فرزند کو وصیت فرمائی اور فرمایا کہ لوگوں نے ظاہری حالات کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ خاندان تطہیر علیہم الصلوٰۃ والسلام نعوذ باللہ مفلسی کا شکار تھا حالانکہ ایسا نہیں تھا بلکہ یہ زہد تھا غربت نہیں تھی زہد اور رہبانیت میں یہی فرق ہے کہ رہبانیت یہ ہے کہ بیکار ہو کر بیٹھ جاؤ بلکہ اپنی معاش کا بوجھ دوسروں پہ ڈالو۔ زہد یہ ہے کہ بیوی بچوں کے لئے محنت مزدوری کرنا، روزی کمانا مباح ہی نہیں بلکہ عبادت ہے اور دوسروں کے لئے محنت و مزدوری صرف عبادت ہی نہیں بلکہ عبادتِ عظمیٰ ہے آج لوگ مارکسزم کا نعرہ لگاتے ہیں مگر اسلام کے حقائق کو نہیں سمجھتے کیونکہ یہ اس سے بھی مضبوط تر اقتصادی نظام کا حامل ہے مارکسزم و سوشلزم کہتا ہے کہ اے غریبو! امیروں کی دولت چھین لو مگر دین حق کہتا ہے "اے امیرو اپنی دولت غریبوں پر لٹا دو" یہاں قاری خود دیکھ سکتا ہے کہ سوشلزم میں نفرت ہے، تخریب ہے، غصب ہے، ڈاکہ ہے اور اسلام کے نعرے میں محبت ہے، تعمیر ہے، امن ہے، عطا ہے، کرم ہے، دلوں کے مابین مضبوط رشتوں کی استواری ہے وہاں طبقاتی جنگ ہے یہاں مساواتی بھائی چارہ ہے دوسری طرف سوشلزم کہتا ہے کہ سبھی مل کر کمائیں اور سبھی مل کر کھائیں مگر مولا علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسلام کہتا ہے "آؤ میں کماتا ہوں تم کھاؤ"

خود دیکھیں یہ اقتصادی لحاظ سے کتنا بڑا نعرہ ہے اس نعرے میں کتنی قوت ہے اسلام یہ نہیں کہتا کہ بیکار بیٹھ کر دنیا کو تباہ و برباد کر دو بلکہ اجتماعی ترقی اجتماعی زندگی سکھاتا ہے یعنی دنیا کے ساتھ مل کر خوب کماؤ مگر اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ ملت کے لئے کماؤ انفرادی ترقی خود غرضی ہے اجتماعی طور پر آگے بڑھنا عبادت ہے۔

رہبانیت اور زہد میں ایک طرح کا یہ فرق بھی ہے کہ رہبانیت ہے پانی سے دور رہ کر

پانی کے لئے ترسنا خود کو محروم تصور کر کے اسی کے تصور میں زندگی بھر چٹخارے لینا اور زہد یہ ہے کہ پانی میں رہ کر پانی سے مستغنی رہنا، قعر دریا میں لباس تر نہ ہونے دینا مرغابی کی طرح پانی میں رہنا اور خشک رہنا جیسے شہد کی مکھی خود شہد بناتی ہے مگر اس میں پھنس کر نہیں مرتی دوسری مکھی دور ہو تو حسرت میں مرتی ہے اور بیٹھ جائے تو پھنس کر مرتی ہے رہبانیت کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں ......ع

اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی تیری
ترس رہی ہے مگر لذت گناہ کے لئے

لذتِ گناہ کے لئے دور رہ کر ترسنا رہبانیت ہے اور زہد یہ ہے کہ
"موتوا قبل ان تموتوا" کہ موت سے قبل ہی مر جاؤ یہی راز ہے کہ جب تم خود کو مردہ تصور کرو گے تو افتخار و ذلت کے اقدار بدل جائیں گے کسی بنیادی مقصد کے لئے سونے کے تخت پر بیٹھنا اور مزبلہ (گندگی کے ڈھیر) پر بیٹھنا برابر ہوگا سونے چاندی کے ڈھیروں کی اٹک دل میں محسوس نہیں ہوگی تخت حکومت پر بیٹھ کر خود کو قوم کا غلام سمجھو گے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا ملک عظیم کس سے مخفی ہے جنات و انسان و وحوش و طیور ابر و باد کی حکمرانی کے باوجود اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا اور لذائذ سلطنت سے بے نیاز رہنا یہ زہد ہے۔
سلطنت کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہونا رہبانیت ہے تخت پر بیٹھ کر خود کو گوشہ نشین تصور کرنا یہ زہد ہے اور زہاد کی صفات جہاں بیان ہوئی ہیں وہاں فرمایا گیا ہے
☆هجم بهم العلم على حقيقة البصيرة و باشروا روح اليقين واستلانوا ما استوا عره المترفون ونسوا ما استوحش الجاهلون و

صحبوا الدنیا بابدان و ارواحھم معلقة بالمحل الاعلی (ارشادالقلوب)
علم ان کی حقیقت بصیرتِ قلبی پہ ہجوم کرتا ہے اور وہ ہمیشہ یقین کی روح کے ساتھ رہتے ہیں ان پر ہر وہ چیز آسان ہو جاتی ہے جو دوسروں کے لئے صعب شدید ہوتی ہے وہ ہر اس چیز سے مانوس ہو جاتے ہیں جس سے جاہل وحشت زدہ رہتے ہیں وہ بدنی زندگی (جسمانی طور پر) تو ساری دنیا کے ساتھ رہتے ہیں اور اہل دنیا کی صحبت میں رہتے ہیں مگر ان کی روحیں محل اعلیٰ میں معلق ہوتی ہیں، بدن لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں مگر روح گوشہ خلوت میں محوِ اعتکاف ہوتی ہے۔
حکیم بلوہر نے یوزاسف کو زاہدین کی غذا (کھانے وغیرہ) کے ضمن میں بتایا کہ اگر ایک بادشاہ کو باغیوں کے ڈر سے بھاگنا پڑے اور جنگل میں جا کر پناہ لے اور وہاں کھانے کو کچھ نہ ہو اور اس کے ساتھ اس کے بیوی بچے بھی ہوں اور ان میں سے ایک بچہ بھوک سے مر جائے اور باقی افراد کنبہ کی جان بچانے کے لئے اس کا گوشت بھون کر کھانے پر مجبور کیا جائے تو تم بتاؤ اس بچے کی ماں اس کا کتنا گوشت کھائے گی؟ اسی سے قوت لایموت کے معنی سمجھ لو کہ کیا ماں بھی گوشت کی لذت کو انجائے (Enjoy) کرے گی؟ بس اسی طرح ہر زاہد غذا سے لطف اندوز نہیں ہوتا کیونکہ زہد ہے ہی ترک لذات میں کیونکہ حکم ہے زندہ رہنے کے لئے کھاؤ نہ کہ کھانے کے لئے زندہ رہو میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اُخروی نکتہءِ نظر سے بذاتِ خود نہ کوئی حلال ہے نہ کوئی حرام۔ اصل چیز اضطرار ہے یعنی اگر اضطرار کی حالت میں حرام بھی کھایا جائے تو حلال ہے اور اگر لذتِ نفس کے لئے حلال بھی کھایا جائے تو حرام ہے مگر جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ حرام صرف اضطرار میں حلال ہے مگر صرف اخروی نکتہ نظر

سے لیکن یا د رہے کہ اس کے دنیاوی مضرات لازمی ہیں

زہد ترک لذات کا نام ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد سورہ مریم میں ہے

☆ فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيّاً......(مریم59)

کہ ان کے بعد والوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور اپنے شہوات کی اتباع شروع کر دی

یا د رہے کہ ''اھوا'' اور شہوات میں فرق ہے

ہوا اور شہوت میں فرق یہ ہے کہ شہوت کے معنی ہیں فطرتی خواہشیں، اندر سے اٹھنے والی تحریکیں مثلاً نیند کی تحریک، بھوک کی تحریک، پیاس کی تحریک، بولنے کی خواہش، آرام کی خواہش وغیرہ وغیرہ......اور ''ہوا'' کے معنی ہیں مہیجاتِ خارجی

انبیاء علیہم السلام کے بعد والوں کی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ شہوات کی اتباع کرتے تھے یعنی جب بھوک لگی سیر ہو کر کھا لیا جب نیند آئی جی بھر کے سوئے جب بولنے کی خواہش ہوئی بولتے چلے گئے۔

ظاہر ہے کہ شہوات جو فطری ہیں ان پر بھی اعتدال سے بڑھنے میں مذمت ہے یعنی رزق حلال وطیب بھی سیر ہو کر کھانا خلاف اسلام ہے اور اسلام کے اعلیٰ اقدار کے منافی ہے

زیادہ سونا بھی دماغ کو کند کرتا ہے اور روحانیت کے لئے زہر ہے یہی وجوہات ہیں کہ احیاءِ شب (شب بیداری) کے فضائل ہیں قائم اللیل یعنی شب بھر عبادت کے لئے جاگنے والے کو سراہا گیا ہے اور صائم النہار یعنی دن کو روزہ رکھنے والے کی مدح کی گئی ہے گویا عبادات کو بھی ترک لذات کی بنیاد پر موزوں کیا گیا ہے یہ سب

رہبانیت کے دائرے میں نہیں آتے

جناب زکریا علیہ السلام نے ایک مرتبہ ابلیس کو طلب فرمایا اور دریافت فرمایا کہ کیا ہمارے اعمال میں بھی تمہارا کوئی حصہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حاشا اللہ ایسا نہیں ہو سکتا آپ اللہ کے نبی ہیں مگر آپ کی صرف ایک بات سے مجھے کچھ خوشی ہوتی ہے کہ آپ سیر ہوکر کھانا تناول فرماتے ہیں انہوں نے فوراً قسم اٹھالی کہ آئندہ سیر ہوکر کبھی نہیں کھاؤں گا۔

اب خود سوچیں کیا یہ قسم دائرہ رہبانیت میں شامل ہے یا زہد ہے؟

صاحب جامع عباسی علامہ حاجی شیخ محمد بہاؤالدین عاملی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت بڑے زاہد تھے، ریاضت نفس اور مجاہدہ نفس میں مشہور تھے ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے کباب کی دکان سے گزرے تو گوشت کی خوشبو نے قدم روک لئے تین مرتبہ آگے گئے پھر واپس آگئے، نفس راضی نہ ہوتا تھا (یہ نفس بھی ضدی بچے کی طرح مچلتا ہے) آخری مرتبہ جب واپس آئے تو دیکھا کہ سامنے ایک سپاہی کھڑا ہے علامہ نے سوچا کہ جاکر اس سپاہی کو طمانچہ ماردوں یہ جواباً حملہ کرے گا اور اس نزاع میں کباب کھانے کی جو خواہش نفس نے کی ہے وہ فنا ہو جائے گی یہ سوچ کر انہوں نے جاکر سپاہی کو ایک تھپڑ رسید کیا جواباً وہ مسکرایا انہوں نے دوسرا تھپڑ رسید کیا تو سپاہی نے مسکرا کر عرض کیا حضور کباب اگر اتنے ہی پسند ہیں تو خرید لیں مجھ غریب کو کیوں مار رہے ہیں۔

دوستو! خواہشات نفس کی مخالفت عین اسلام ہے نہ کہ رہبانیت ہے اسی بات کی طرف آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام نے اشارہ فرمایا ہے کہ ہمارے مومن کی پہچان یہ ہے

کہ اگر یہ دنیا زر و جواہر میں بدل دی جائے اور ایک گٹھڑی باندھ کر اس کے کاندھے پہ رکھ دی جائے اور دوران سفر وہ گٹھڑی گر جائے تو پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے کہ کہاں گری ہے یعنی مومن دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ زہد کی کوئی حد نہیں ہے۔

رہبانیت کی ایک اور شق بتائی جاتی ہے کہ راہب وہ ہے جو اچھے پہناوے یا خوبصورت لباس کو ترک کرتا ہے اور اچھے لباس کو ترک کرنا رہبانیت ہے اور خلاف اسلام تصور کیا جاتا ہے۔

حالانکہ امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کے بارے میں روایات صحیح سے ثابت ہے کہ وہ جناب جب لباس خرید فرمایا کرتے تو غلام قنبر بھی ہمراہ ہوتا آپ سادہ لباس خود لیتے اور اچھا اور قیمتی لباس اپنے غلام قنبر کو عطا فرماتے تھے اور اپنے لئے کم قیمت سادہ اور واجبی سا لباس پسند فرماتے تھے۔

کتب سیرت نے تو یہاں تک بتایا ہے کہ آپ کے لباس کا دامن بریدہ ہوتا تھا آستین کوتاہ ہوتی تھیں اور لیف خرمہ کے پیوند ہوتے تھے

اب خود سوچیں کیا ہم اس پر رہبانیت کا لیبل لگا سکتے ہیں؟ جبکہ یہ ہمارے لئے زہد کا درس تھا

اصل غلطی یہی ہوئی ہے کہ آج تک کسی نے زہد و رہبانیت کے مابین کوئی خط تمیز نہیں کھینچا اور ان دونوں کے حدود اربعہ کو خلط ملط کر دیا گیا ہے اس سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں

امام موسیٰ کاظم علیہ الصلواۃ والسلام کا واقعہ ہے کہ عباسی ملعون نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضور کے اجداد گرامی تو سادہ لباس زیب بدن فرماتے تھے اور آپ شاہانہ لباس پسند

فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو امام علیہ الصلواۃ والسلام نے گریبان کھول کر دکھایا کہ اس ظاہری لباس کے اندر ایک اور پیراہن تھا جو اونی اور سخت قسم کا تھا پھر فرمایا کہ یہ ظاہری شاہانہ لباس آپ کے لئے ہے اور اندرونی لباس میرے اپنے لئے ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ رہبانیت اور زہد میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ظاہراً دنیا ترک کرنا رہبانیت ہے اور باطناً ترک کرنا زہد ہے۔ رہبانیت یہ ہے کہ ظاہر میں ترک کرو اور باطن میں نہ کرو زہد یہ ہے کہ ظاہر میں ترک نہ کرو اور باطن میں ترک کرو

اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی تیری
ترس رہی ہے مگر لذتِ گناہ کے لئے

عزوبت

رہبانیت کی ایک سب سے بڑی شق ترکِ ازدواج کو تصور کیا جاتا ہے
نکاح اور شادی کو ترک کرنے پر بہت سی احادیث موجود ہیں مثلاً

☆ومن عزبکم اشرارکم کہ جس نے ترک ازدواج کیا وہ تم میں سب سے زیادہ شریر انسان ہے ایک اور حدیث میں ہے جسے خطبہ نکاح میں بھی پڑھا جاتا ہے

☆تناکحوا و تناسلوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامته و لو بالسقط

یعنی نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ اور کثیر ہو جاؤ تاکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت پہ امم سابقہ پہ فخر کرسکوں بچے پیدا کرو چاہے وہ سقط شدہ بچہ ہی کیوں نہ ہوگا (وہ بھی میرے لئے باعث فخر ہوگا) ایک اور حدیث میں ہے فرمایا

☆اَلنِّكَاحُ مِن سُنَّتِي فَمَن رَغبَ عَن سُنَّتِي فَلَيسَ مِنّي
کہ نکاح میری سنت ہے اور اس سے جو دور بھاگے وہ کیسے میرا ہو سکتا ہے
قرآن پاک میں ہے
☆ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاء يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ......(سورہ نور 32)
یعنی بے شوہر عورتوں کے نکاح کرو نیک غلاموں اور کنیزوں کے بھی نکاح کرو
اس موضوع پر جو مواد ہے اس پر بحث کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ یہ دیکھا جائے کہ کیا نکاح اور شادی بیاہ تکلیف شرعی میں شامل ہے یا نہیں؟
پہلے ذرا تکلیف شرعی کی تعریف سے اس کا حدود اربعہ دیکھتے چلیں
کتاب باب حادی عشر از علامہ حلی کے شارح علامہ سید محمدؐ قاسم صاحب اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 132 پر تکلیف شرعی کی تعریف لکھتے ہیں
☆اَلتَّكلِيفُ هُوَ البَعثُ مَن يَجِبُ طَاعَتَهُ عَلَى مَا فِيهِ المَشَقَّتُ عَلَى جهةِ اللّهِ اِبتَدَاءً بِشَرطِ اللّٰه عَلام...... الخ
انہوں نے فرمایا کہ ما فیه المشقت سے ان افعال کو خارج فرمایا گیا ہے کہ جن میں مشقت نہیں ہے مثلاً نکاح و اشیائے لذیذہ کا اکل و شرب یعنی کھانا پینا ان پر آمادہ ضرور کیا گیا ہے لیکن یہ افعال تکلیف شرعی میں داخل نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں مشقت نہیں ہے یعنی انسان کا نفس خود بھی انہیں پسند کرتا ہے بشرط الاعطام یعنی مکلّف کو ان افعال پر مطلع فرمانا ہے جن کی تکلیف دی گئی ہے علام مکلّف (یعنی مکلّف کو افعال تکلیفہ پر مطلع کرنا) کی قید تعریف تکلیف میں شامل نہیں ہے۔

وہ شرائط جن میں تکلیف ہے وہ یہ ہیں

(1)......شرط ہے شرائط حسن تکلیف میں کوئی فساد نہ ہو تکلیف ما بعدہ عقلاً قبیح ہے

(2)......وقت فعل کے مقدم ہو بعد از وقت تکلیف مالا لطاق ہے

(3)......وقوع تکلیف کا امکان ہو یعنی ناممکن نہ ہو تکلیف امر محال عقلاً قبیح ہے

(4)......حسن امر کا مکلّف بنایا گیا ہے اس میں حسن کے ساتھ کوئی وصف زائدہ بھی ہو کیونکہ امر مباح کے بجالانے میں نہ تکلیف ہے نہ مشقت مثلاً نکاح کیونکہ حظ نفس کے ساتھ تکلیف شرعی میں داخل نہیں ہے ہاں اگر اولاد صالح کی صفت بھی داخل ہو تو پھر حکم شارع میں داخل ہے

اس اجمالی بحث سے اتنا تو سمجھ گئے ہوں گے کہ نکاح و ازدواج تکلیف شرعی میں داخل نہیں ہے نکاح مباح ہے واجب نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مواقع اور محل کے ماتحت اس کے احکام بدلتے بھی ہیں مثلاً اگر ترک نکاح میں دینی ہلاکت کا خطرہ ہو تو پھر نکاح واجب ہے اور اگر نکاح کرنے میں دینی ہلاکت نظر آئے تو نکاح حرام ہو جاتا ہے اب اسی بات کو ایک اور طرح سے پیش کرتا ہوں

انسان کیا ہے؟ حیوانِ ناطق۔

اب دیکھیں انسان کے کچھ جنسی خاصے ہیں جو انسان حیوانیت کی وجہ سے کرتا ہے اور کچھ اس کے نوعی خاصے ہیں جو یہ انسان کی حیثیت سے کرتا ہے حرکت، ارادہ، غضب، شہوت، کھانا، پینا، تولید وتناسل وغیرہ انسان انسان ہونے کے ناطے نہیں کرتا بلکہ حیوان ہونے کے ناطے کرتا ہے اور انسان کے نوعی خاصے ہیں عقل وخرد،

سوچنا، لکھنا، پڑھنا وغیرہ یعنی علم ہی ہے جو انسان کو حیوان سے افضل بنا تا ہے۔
اس سے ثابت ہوا کہ انسان کی فضیلت کے باعث جنسی وحیوانی خاصے نہیں ہوتے بلکہ نوعی و انسانی خاصے ہوتے ہیں کیونکہ انسان کی جنس ہے حیوان اور نوع ہے انسان اب یہ کچھ کام بحثیت حیوان کے کرتا ہے وہ افعالِ حیوانی ہیں اور جہاں انسانیت اسے مجبور کردے وہ افعال انسانی ہوتے ہیں۔
دوستو! اب آپ خود دیکھیں کہ نکاح اختلاط زوجین افعال انسانی ہیں یا تقاضہ ہائے حیوانیت ہیں۔
اختلاط زوجین سے جملہ جانور (حیوان) لطف اندوز ہوتے ہیں حتیٰ کہ کتا اور خنزیر بھی لطف اٹھاتا ہے اور انسان بھی حیوانیت کی وجہ سے لطف اٹھاتا ہے نہ کہ انسانیت کی وجہ سے اور افعال حیوانی کی وجہ سے انسان کو اشرف المخلوقات ثابت نہیں کیا جاسکتا۔تو ثابت ہوا کہ نکاح مباح قرار دیا گیا ہے تو صرف اس لئے کہ یہ انسان کی بحثیت حیوان کے مجبوری ہے ورنہ واجب نہیں ہے۔
ایک حیوان ناطق نے کچھ ایسی احادیث جمع فرمائی ہیں جو صرف عورت کے گرد گھومتی ہیں اور عجیب عجیب مفاہیم پیش کرتی ہیں کسی پہ تنقید مطلوب نہیں کیونکہ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست
قارئین! آپ کو اتنا تو معلوم ہو چکا ہے کہ اصل چیز دین کو بچانا ہے اگر نکاح سے بچ سکے تو نکاح سے بچاؤ اگر عزوبت (ترک نکاح) سے بچ سکے تو اس طرح بچاؤ۔
احتمال معصیت پیدا ہو جائے تو نکاح کرلو کیونکہ دین خطرے میں ہے اگر نکاح سے ہلاکت دینی کا احتمال ہو تو پھر عزوبت اختیار کرلو اور دین کی حفاظت کرو۔

ایک مشہور حدیث ہے جسے حجتہ الاسلام حاج شیخ محمد جواد خراسانی نے کتاب
''مہدیؑ منتظر'' میں لکھا ہے، غلام محمد عاقل رضوی ہلوری نے اپنی کتاب ''محبت آخر''
کے صفحہ 181 پر تحریر کیا ہے، صاحب عدۃ الداعی نے اپنی کتاب ''تحصین'' میں اور
علامہ شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب ''منتھی الآمال،، کی دوسری جلد میں نقل کیا ہے کہ

☆عَن اِبنِ مَسعُود قَالَ رَسُولُ الله صلی الله علیه وآله وسلم لَیَاتِینَ عَلیَ النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَسلمُ الَّذِی دَینُ دِینَهُ الَّامَن یَفرُّ مِن شَاهِقٍ اِلیَ شَاهِقٍ وَمِن حَجَرٍ اِلیَ حَجَرٍ کَالثَّعلَب بِاَشبَالِهِ قَالُوا وَ مَتیَ ذَالِكَ الزَّمَان؟ قَال صلی الله علیه وآله وسلم اِذَالَم تَنِلُ المَعِیشَةُ اِلّا بِمَعَاصِی اللّهِ فَعِندَ ذَالِكَ حَلَّتِ العَزُوبَةُ قَالوایارسول اللّه صلی الله علیه وآله وسلم اَمَرتَنَا بِالَّتزوِیج؟ قَالَ بَلیَ وَلَکِن اِذاکَانَ ذَالِكَ الزَّمَانُ فَهلَاكُ الرَّجُلِ عَلَی یَدَی اَبوَیهِ فَان لَم تکن لَهُ اَبوَانَ فَعلَی یَدَی زَوجَتَهِ وَاوَلَادَهُ فَاِن لَم تَکُن لَهُ زَوجَةٌ وَلَا وَلَدٌ فَعلیٰ یَدَی قَرابَتِهِ وَجِیرَانِهِ قَالُو وَکَیفَ ذَالِكَ یَارَسُولُ اللّه صلی الله علیه وآله وسلم ؟ قَالَ یَعیرُونَهُ بِضَیقِ المَعِیشَةِ یُکَلِّفُونَهُ مَالَا یُطَاقُ حَتَّی یُوَارِدُوهُ مَوَارِد الهَلَاکَةِ

شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب دین دار کا دین محفوظ نہیں رہے گا مگر اس شخص کا دین محفوظ ہوگا جو دین کی حفاظت کے لئے فرار اختیار کرے گا، قریہ بہ قریہ جبل بہ جبل، ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ کی طرف بھاگتا رہے گا اس خوف زدہ روباہ کی طرح جو بھیڑئے کے ڈر سے بچوں کو بچاتی پھرتی ہو۔اصحاب نے عرض کیا آقا وہ زمانہ کب آئے گا تو فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا

جب کوئی شخص معیشت اور زندگی نہیں کرے گا مگر معصیت خدا کے ساتھ، پس جب وہ زمانہ آئے گا تو عزوبت (یعنی ترک نکاح) حلال ہوگا۔ اصحاب نے عرض کیا کہ آپ تو نکاح کرنے کی تنبیہ فرماتے ہیں یہ عزوبت کیونکر حلال ہوگی؟ فرمایا جب وہ زمانہ آئے گا تو ہر شخص کی دینی ہلاکت اس کے ماں باپ کی وجہ سے ہوگی اگر ماں باپ وغیرہ نہ ہوں گے تو اس کی دینی ہلاکت اس کے بیوی بچوں کی وجہ سے ہوگی اگر بیوی بچے نہ ہوں گے تو اس کی دینی ہلاکت اس کے رشتہ دار اور ہمسائیوں کی وجہ سے ہوگی۔ اصحاب نے عرض کیا آقا رشتہ دار اور ہمسائے کس طرح ہلاک کریں گے فرمایا تنگی معاش پہ طعنہ زنی کریں گے پس وہ شخص خود کو تکلیف میں ڈالے گا ہر اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھائے گا جو اس سے بلند ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے مورد ہلاکت میں ڈال دیں گے۔

آج وہ دور ہے کہ ہر شخص معیار زندگی بڑھانے کے در پئے ہے ضروریات زندگی کے جال میں الجھا ہوا ہے اور بیوی بچے ہلاکت کا سبب بن رہے ہیں کروڑ پتی افراد بھی تنگی معاش کا گلہ کرتے نظر آ رہے ہیں۔

پھر ایک حدیث ہے جسے اہل تشیع کے ساتھ اہل سنت حضرات نے بھی اپنی کتب میں تحریر کیا ہے کہ سرتاجِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆ خَيرُ النَّاسِ فِی آخِرِالزَّمَانِ خَفِيفُ الحَاذ

کہ آخری زمانے کے بہترین لوگ وہ ہوں گے جو" خفیف الحاذ" ہوں گے اصحاب نے عرض کیا آقا "خفیف الحاذ" کے معنی کیا ہیں؟

☆ قَالَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلَّذِي لَا اَهلَ لَهُ وَلَا وَلَدَ

''خفیف الحاذ،، وہ ہیں کہ جن کی نہ بیوی ہوگی نہ بچے ہوں گے

دیگر حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک گروہ آئے گا جنہیں جہنم کا حکم دیا جائے گا جب وہ چلیں گے تو ملکوت آواز دیں گے ☆ ھذاالذی اکل عیاله حسناته کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی نیکیوں کو بچوں اور بیوی نے ہڑپ کرلیا ہے

کتاب عروج السعادۃ میں ایک اور حدیث ہے کہ اصحاب صفہ کے مجمع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ☆ سیر وا سبق المفردون وہی سبقت لے گئے جو مفرد تھے یعنی (بیوی کے بغیر تھے)

☆ نَجَاَ المُخَفِّفُون وَهَلَكَ المُثقِلُون

کم بوجھ والے نجات پاگئے اور بھاری بوجھ والے ہلاک ہوگئے

☆ مَاتَرَكتُ بَعدِي فِتنَةٌاَضَرُّعَلىَ الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاء

کہ میرے بعد مردوں کے لئے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا ہے

اس سے ثابت ہوا کہ نکاح واجب نہیں سنت ہے اگر واجب ہوتا تو اصحاب صفہ کو عقد وتزویج پر مجبور کیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے پھر انبیاء علیہم السلام میں چار نبی موجود ہیں جناب ادریس والیاس وخضر وعیسیٰ علیہم السلام انہیں حکم ہوتا کہ عقد کرو آخر یہ بھی ہمارے آقا ومولا شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں چلو دو نبیوں کو چھوڑ دیں کہ وہ آسمان پر ہیں اور آسمانوں پر شریعت محمدؐی کو لاگو نہ مانا جائے تو زمین پر جو دو نبی ہیں جناب الیاس اور جناب خضر علیہما السلام۔ ان میں سے جناب الیاس علیہ السلام کے ایسے واقعات بہت کم مشہور ہیں کہ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے ہوں مگر جناب خضر کے بیسیوں واقعات مشہور ہیں کہ وہ بیسیوں مرتبہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں شریک ہوئے

پھر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کی بارگاہ اقدس میں بیسیوں مرتبہ حاضر ہوئے پھر اسی طرح جملہ آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری دیتے رہے مگر کسی نے اتنا بھی نہ فرمایا کہ خضر علیہ السلام نکاح کرلو واجب ہے یا سنت موکدہ ہے جو واجب کے برابر ہے

معراج کے واقعات میں ہے کہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جملہ انبیاء کو آسمانوں پر نماز پڑھائی اور آیہ میثاق انبیاء کی تفسیر میں ہے کہ☆لتو منن به کے تحت سبھی انبیاء علیہم السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے مگر جب ان میں سے وہ انبیاء جو متاہل (شادی شدہ) نہ تھے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں داخل ہوئے تو انہیں آپ نے اتنا بھی نہیں فرمایا کہ تم لوگ شادی شدہ نہیں ہو اب اگر تمہیں میری شریعت میں داخل ہونا ہے تو شادی کرلو۔

ان شواہد سے یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ نکاح سنت ہے واجب نہیں

جناب یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں جو بشارت دی گئی اس کے الفاظ یہ ہیں

☆ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقاً بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّداً وَحَصُوراً وَنَبِيّاً مِّنَ الصَّالِحِيْن...... (آل عمران 39)

اللہ نے جناب زکریا علیہ السلام کو بشارت دی بیٹے یحیٰی کی جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا سردار و حصور اور صالح نبی تھے۔

یہاں ایک لفظ آیا ہے ’’حصور‘‘ اس کے معنی ہیں جسے عورتوں کی خواہش تک نہ ہو تو ان کی عزوبت کو بشارت میں داخل فرمایا جارہا ہے اور اسی سے فضیلت کا استخراج فرمایا جارہا ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ کے نزدیک ترک ازدواج حرام نہیں ہے کیونکہ نکاح خود تکلیف شرعی میں بھی داخل نہیں ہے واجبات دین میں بھی شامل نہیں ہے،

فرائض اسلام میں بھی داخل نہیں کیونکہ وہ حیوانیت کے تقاضوں کی تسکین ہے اور لذاتِ حیوانی معراجِ انسانیت نہیں ہوا کرتے۔

اسلام کا مقصد دین کو بچانا ہے اب جس طرح بھی تم بچا سکتے ہو بچاؤ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارے فرامین تو آخری زمانے کے ہیں اور ہمیں یہ کس طرح معلوم ہوگا کہ ہم اس آخری زمانے ہی میں موجود ہیں کہ جس میں ترک ازدواج مباح ہوا ہے

تفسیر روح البیان میں سورۂ البقرہ کی آیت 35

☆وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

کی تفسیر میں ایک حدیث موجود ہے

☆ عَن النَبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَـالَ اِذَا اَتَی عَلَی اُمَّتِی مِاَۃَ وَثَمَانُونَ سَنَۃٌ بَعدَ الاَلفِ فَقَد حَلَّتِ العَزُوبَۃُ وَالعَزلَۃُ وَالرّھبُ عَلَی رَوُسِ الجِبَالِ وَذَالِكَ لِاَنَّ الـخَلقَ فِی المَاتِین اَھل الحَربِ وَالقَتلِ فَتَربِیَّۃُ الکَلبِ خَیرٌمِن تَربِیَّۃِ الوَلَدِ وَاَن تَلِدَ المَراۃُ حَیَّہ خَیرٌ مِن اَن تَلِدَ الوَلَدَ

فرمایا جب ہماری امت پر سن ایک ہزار ایک سو اسی 1180 ہجری آجائے تو ہماری امت پر عزوبت یعنی شادی و نکاح کا ترک کرنا حلال ہو جائے گا اس وقت عزلت یعنی دنیا سے گوشہ نشینی اختیار کرنا اور انسانوں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں تنہائی میں رہنا حلال ہو جائے گا کیونکہ اس زمانے کے بعد لوگ جنگ و قتل و غارت کرنے والے ہوں گے فرمایا اس زمانے میں بیٹے کو پالنے سے ایک کتے کے پلے کو پالنا زیادہ بہتر ہوگا اور اس زمانے میں ایک عورت کا اپنی گود سے بیٹا پیدا کرنے سے ایک سانپ کو

پیدا کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

اس حدیث کو دیکھنے کے بعد تو اس زمانے کا تعین برسوں میں ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ جس دور میں ہم جا رہے ہیں یہی وہ دور ہے جو آخری زمانہ کہلاتا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلام کے احکامات میں اوّلیت دین کو حاصل ہے اور حکم یہی ہے کہ دین و ایمان کو سامنے رکھیں اور دین و ایمان کو ہر صورت میں محفوظ رکھنا ہے چاہے وہ نکاح سے بچائیں، چاہے عزوبت سے اسی کے پیش نظر دونوں طرح کی احادیث سے کتب لبریز ہیں

عمومی طور پر زہد اور رہبانیت دونوں کے بارے میں یہ تصور قائم کیا جاتا ہے کہ ان دونوں کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا کو تج دو دنیاوی طور پر، معاشی طور پر، اقتصادی طور پر، سائنسی طور پر بلکہ جملہ شعبہ ہائے حیات میں ترقی کرنا گناہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رہبانیت اور زہد میں یہی بنیادی فرق ہے کہ رہبانیت دنیا کو برباد کر دیتی ہے اور زہد دنیا کو آباد سے آباد تر کرتا ہے۔

اگر کما حقہٗ اسے سمجھا جائے اور اس پر عمل بھی کیا جائے تو اس سے بڑا معاشرتی نظام کسی دستورِ حیات میں نہیں ہے کیونکہ انسانیت کی فلاح و بہبود زہد میں ہے۔ ڈاکٹر چارلس ڈارون نے انسان کو بحیثیت انسان کے دیکھا تو ارتقاء کے تین بنیادی اصول پیش کیے جنہیں اجتماعی طور پر جہد للبقا کا نام دیا جس کے ماتحت پورے عالم حیوان کی طرح انسان کو بھی ثابت کیا جیسے انسان جب دوسری انواع کی زندگی سے اپنی بقا کے لئے کھیلتا ہے تو اسے انٹر سپیسیفک سٹرگل (Inter Specific struggle) کا نام دیا یعنی بین الانواعی جہد للبقا جس میں انسان کبھی نباتات کو خوراک بناتا ہے،

کبھی حیوانوں کو ذبح کر کے کھاتا ہے یعنی اپنی بقا کے لئے دوسروں کی جان لیتا ہے۔
زہداس جنگ میں اعتدال پیدا کر کے انسانیت کو حسن عطا کرتا ہے اور ہر چیز کو اپنی بقا
پر فدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اصولوں پہ فدا ہونے کا درس بھی عطا کرتا ہے اور
جملہ انواع کو خوراک کے نقطہ نظر سے دیکھنے کی بجائے ایک ''حسن کل'' کے مظاہر کی
حیثیت سے پیش کرتا ہے۔
دوسرا اصول ہے بین النوعی جہد للبقا۔ یہ حیوانوں کی طرح انسان کی بحیثیت حیوان
کے اپنی نوعِ انسان سے جنگ ہے یعنی ضروریاتِ حیات کی طلب کی شدت میں یا
بقائے نسل کے لئے جنگ ہوتی ہے اور اسی حیوانی فطرت سے زر، زن، زمین کے
جھگڑے پیدا ہوتے ہیں ہر جانور کھانے پینے کے معاملے میں اپنی نوع کے افراد سے
لڑتا ہے بقائے نسل کے لئے اپنے جوڑے پر رقابت کرتا ہے۔ اپنی حیوانی صفات کی
وجہ سے انسان بھی حیوان بن جاتا ہے اور اگر اسلامی اقدار کو سمجھا جائے تو زر، زن،
زمین کے بین النوعی اختلافات کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد ہے ماحول سے
پیکار یعنی (Environmental struggle) سردی، گرمی، بارش، ہوا، کہر، خشکی اور
بقائے ذات کے لئے ماحولیاتی چیزوں سے ٹکر لینا ان چیزوں میں انسان کو محدود کرنا
کتنی بڑی زیادتی ہے حالانکہ ان اصول ثلاثہ میں سے کوئی شق بھی انسانیت کے
نقطہءِ نگاہ پر پوری نہیں اترتی یہ تو صرف انسان کی حیوانیت کی آئنہ دار ہے جب کہ
انسان سوچتا ہے، احساس کرتا ہے، تکبر کرتا ہے، فخر کرتا ہے، ریاست چاہتا ہے،
تحقیق کرتا ہے، لکھتا ہے، پڑھتا ہے، انسان کے ارتقائے ذہن اور جسم کے محرکات
اتنے محدود نہیں ہیں اور اسلام نے ان حیوانیت سرشت اصولوں سے ماوریٰ ایک

نظام کا تصور پیش کیا ہے جہاں اپنی بقا کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا یعنی اپنی بقائے نسل و ذات کے لئے برسر پیکار رہنا حیوانیت ہے اور پوری کائنات کی فلاح کے لئے اپنی فنا طلب کر لینا اسلام ہے اور یہی انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے کہ جو انسان کو حیوان سے جدا کرتا ہے۔

رہبانیت کے جو عام معنی لئے جاتے ہیں یہ تو انتہائی آسان اور سستا کام ہے یعنی نہ اپنی خیر نہ دوسرے کی خیر، نہ اپنا گھر نہ دوسرے کا گھاٹ۔ پاگل بن کر برہنہ پھرنا انتہائی آسان ہے چند دن لوگ تالیاں پیٹتے ہیں، بچے پتھر وغیرہ مارتے ہیں پھر پاگل ڈکلیئر Declare کر کے کوئی اس کی کسی بات کا نوٹس نہیں لیتا لیکن دنیا کے ساتھ رہ کر اس سے معاشرت رکھتے ہوئے ان سے علیحدہ رہنا ابنائے دنیا کی محفلوں میں رہ کر انہی لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھنا، اپنی سفید پوشی قائم رکھنا، دنیا داری بھگتانا، انہی کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہوئے دین بچانا انتہائی مشکل ہے کیونکہ صحرا میں بیٹھ کر کپڑے نہ بھیگنے دینا انتہائی آسان ہے مزا تو یہ ہے کہ دریا میں غرق رہو اور لباس بھی تر نہ ہو۔ اسی مفہوم کو جناب مرزا اسداللہ خان غالبؔ مرحوم نے بہت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ

درمیانِ قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

جنگل میں بیٹھ کر جو کھانا یا درختوں کے پتے کھانا انتہائی آسان ہے۔ مدائن کا گورنر بن کر جو کھانا انتہائی مشکل ہے، پہاڑوں اور گھاٹیوں میں رہ کر کھدر کا پھٹا ہوا لباس پہننا آسان ہے پورے عرب کی سلطنت کے تخت پہ بیٹھ کر کھدر پہننا، بوسیدہ لباس

پہننا مشکل ہے۔ خود کو مسجد میں پابند کر کے اللہ اللہ کرنا انتہائی آسان ہے۔ لیبارٹری میں ہاتھ تجربات میں مصروف ہوں اور دل میں ذکر اِلٰہی ہو یہ بات مشکل ہے۔ اپنی کوٹھی، کار، بینک بیلنس کے لئے دن رات محنت کرنا انتہائی آسان ہے دوسروں کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے محنت کرنا انتہائی مشکل ہے۔

ترقی کرنا عیب نہیں ذکر اللہ سے غافل ہونا کفر ہے، شادی کرنا عیب نہیں محبوبِ حقیقی کو بھول جانا کفر ہے، دنیاداری اور امور سلطنت سنبھالنا عیب نہیں اپنے مالک کو فراموش کرنا کفر ہے۔ جہاں تک رہبانیت کا تعلق ہے تو اسے معیوب نہیں سمجھنا چاہیے وہ دین عیسیٰ علیہ السلام ہے گو ہمارے لئے واجب العمل نہیں مگر اپنے زمانے اور دور کے لحاظ سے وہ بھی خدا کا دین حق تھا اسلام نے اسے منسوخ نہیں کیا بلکہ زیادہ سخت کر دیا ہے جیسے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے کم نہیں ہوئی اسی طرح رہبانیت کا تقدس اسلام کے ظہور کے بعد پامال نہیں کیا جا سکتا بلکہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو انبیاء ماسلف علیہم السلام کی عظمتوں کو اجاگر کیا ہے اور اسی طرح اسلام نے انبیاء ماسلف کی شریعتوں کو جلا بخشی ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ زنا نہ کرنا، جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بری نگاہ بھی نہ کرنا کہ یہ بھی زنا کے برابر ہے اور شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم زنا کا خیال بھی نہ کرنا کیونکہ تم شیشے کے مکان میں آگ روشن کرو گے تو وہ مکان اگر جل نہ سکے گا تو سیاہ ضرور ہو جائے گا بس اسی طرح زنا کا خیال کرنا نقصان دہ ہے۔

اسی طرح اسلام نے سابقہ شریعتوں سے قدم آگے بڑھایا ہے پابندیاں سخت کر دی ہیں، احکام کو شدید کر دیا ہے، رہبانیت تھا ڈر کر راہ فرار اختیار کرنا اسلام نے فرمایا

کہ دشمنوں میں رہ کر خود کو محفوظ رکھو یہ انتہائی مشکل کام ہے دنیا کی گونا گوں رنگینیوں میں رہ کر ان سے بے رغبت رہنا کار ے دارد۔

اسلام یہ نہیں کہتا کہ دنیا کو تج دو بلکہ اس کا پیغام یہی ہے کہ شواہد کائنات کا مطالعہ کرو سائنس فعل خالق ہے فعل کے عرفان میں فاعل کا عرفان مضمر ہے، زر و سیم کے سمندر میں چقماق کی طرح رہنا چاہیے کہ چاہے ہزاروں سال پانی میں رہے مگر اسلام کی حرارت کو پانی سے متاثر نہ ہونے دے۔

ایک راہب سے جب رہبانیت کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ میں ایک کاٹنے والا کتا ہوں میں نے خود کو صومعہ میں باندھ رکھا ہے تا کہ مخلوق خدا مجھ سے محفوظ رہے مگر اسلام کہتا ہے کہ مخلوق میں رہ کر اسے ایذا نہ دو۔ یہ رہبانیت سے مشکل اور بدرجہا افضل کار ہے ہاں اگر احتمال ضرر باقی رہے تو پھر تنہائی بہتر ہے خلوت مباح ہے اور اس دور میں دین بچانا انتہائی مشکل ہے۔ قدم قدم یہ رہزن دین وایمان موجود ہیں اگر کوئی گوشہ نشین ہو جائے تو عیب نہیں۔

اب تو صرف یہی کام مناسب لگتا ہے کہ انسان تنہائی میں بصد گریہ وزاری دعا کرے کہ ہمارے آقا و مولا و ہادی جناب حجۃ بن الحسن المہدی عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا جلدی خروج وظہور ہو۔ دین حق لیظھرہ علی الدین کلہ کا مصداق بن جائے اور دور غیبت میں جملہ اعمال سے افضل ترین عمل دعائے تعجیل فرج ہے۔

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمهم عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 3

انسان

☆لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡإِنسَانَ فِیۡ أَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ...... (سورہ التین 4)

اے خواصانِ علوم!

آج تک جب بھی انسان نے دنیا پہ نگاہ کی ہے ہمیشہ اپنے حوالوں کا چشمہ لگا کر اسے دیکھا ہے اور ہمیشہ سے یہی سمجھتا رہا ہے کہ اس ساری کائنات کی وجہ تخلیق یہ انسان ہی ہے مگر آج جب ہم خود کو اس وسیع و عریض کائنات میں ٹٹولتے ہیں تو ہمیں اپنا ہی وجود نہیں ملتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم جس چھوٹے سے سیارے پر رہتے ہیں اس کی حیثیت اس کائنات کے سامنے نہ ہونے کے برابر ہے۔

جب بھی ہم خلا سے اپنی اس زمین کو دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ کمزور ترین ایک بلبلہ ہے جو سورج کے گرد اس طرح محو سفر ہے کہ اس کے فنا ہونے کے امکانات اس کے باقی رہنے سے لاکھوں گنا زیادہ ہیں۔

یہ ہماری زمین ایک فنا بردوش حباب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کب کوئی بلیک ہول کہیں سے آ نکلے اور اسے آن واحد میں فنا کرتا ہوا کہیں اور نکل جائے یہ ایک انتہائی غیر محفوظ کرہ ہے جسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے سمندر کی وسعتوں

میں کوئی کمزور سا جھینگا تیر رہا ہو جسے ایک پل کا بھی بھروسا نہیں ہوتا کہ کب کوئی مچھلی آئے یا کوئی آبی جانور آئے اور اسے نگل کر اپنی بھوک بھی پوری طرح نہ مٹا سکے۔

یہ ہے ہماری انتہائی کمزور اور بیت عنکبوت کی طرح ناتواں زمین اور اس کمزور سی زمین کے ایک بٹہ تین 1/3 حصہ (جو خشکی ہے) پر رہنے والا انسان خود کو اس کائنات کا مرکز بتاتا ہے یا بزعم خویش سمجھتا ہے، اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ خود کیا ہے مگر کبھی کبھی یہ خود کو خدا ضرور سمجھ لیتا ہے اور اس کے خدائی دعوے کی طرح یہ بھی اس کا دعویٰ ہے کہ یہی اس کائنات کا مالک ہے اور سب کچھ اسی کے لئے بنا ہے۔

عجیب بات یہ بھی ہے کہ جب سے انسان نے شعور سنبھالا ہے اسی دن سے یہ کائنات سے زیادہ اپنی ذات پر سوچتا رہا ہے اور اپنے آپ کو دریافت کرنے میں اسے صدیوں کی مسافتوں کو طے کرنا پڑا ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ابھی تک (Self Discovery) اپنے آپ کو دریافت کرنے میں ناکام نظر آتا ہے کیونکہ صدیوں کی محنتوں کے باوجود ابھی تک یہ اپنی ذات کے ایک بٹہ تین کا پانچ فی صد بھی دریافت نہیں کر سکا اور اس کے سامنے ابھی تک یہ سوال باقی ہے کہ یہ خود کیا ہے؟ اور یہی سوال ابھی تک تشنۂ جواب ہے۔ آیئے ذرا ہم بھی دیکھتے ہیں کہ

انسان کیا ہے؟

دوستو! یہ ایسا سوال ہے کہ جس کے لاکھوں جواب موجود ہیں مگر ابھی تک سوال تشنۂ جواب ہے

جب ہم ایک کیمیا دان سے یہ سوال کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ

''انسان کاربن اور پانی کا لوندا ہے''

جب کوئی کیمسٹ اس کی گہرائی میں جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ انسان کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور بوران کے اتفاقی امتزاج کا نام ہے

ایک ماہر علم الابدان سے جب یہ سوال ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ انسان گوشت پوست ہڈیوں، اعصاب، شرائین، چربی اور بالوں کا مرکب ہے۔

جب ایک منطقی سے یہی سوال ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ انسان مرکب ہے حیوان اور ناطق کا جس کی جنس حیوان ہے۔

جب میکانیت سے یہ سوال ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ انسان ایک ایسی پیچ در پیچ مشین ہے جو بے شمار خلیوں، ریشوں اور ریشم دار نسوں، رگوں، آلات، حسوں، پٹھوں، گوشت اور ہڈیوں کا مجموعہ ہے اور یہ مشین ان سے مل کر ہم آہنگی سے چل رہی ہے جیسے ان سب کو کسی ایک منزل کی تلاش ہے اور یہ بڑے خلوص سے مصروف عمل ہے۔

جب ثنویت پرست سے یہ سوال ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ انسان جسم اور روح کا مرکب ہے اور روح ایک غیر فانی جوہر ہے۔

جب کلام اِلٰہی سے سوال ہوتا ہے تو آواز آتی ہے

☆ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ......

(یسین 36)

کہ انسان تین ارکان کا مرکب ہے ایک زمین پہ چلنے والا یعنی جسم اور دوسرا نفس ہے اور ایک وہ رکن ہے کہ جسے کوئی نہیں جانتا یعنی روح اور روح کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا کہ

☆وَمَا أُوتِيتُم مِّن الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ......(بنی اسرائیل 85)

کہ روح کا علم بہت کم لوگوں کو یا بہت کم عطا ہوا ہے اور وہ علم اتنا کم عطا ہوا ہے کہ ''مما لا یعلمون'' گویا پھر بھی کوئی نہیں جانتا

اب حکماء نے ان تین ارکان یعنی جسم، نفس اور روح کو علیحدہ علیحدہ ایک مکمل انسان کا مقام دیا ہے

نمبر1......انسان طبعی

نمبر2......انسان نفسی

نمبر3......انسان عقلی

پہلے ہم بھی حکماء ہی کے نظریات کا جائزہ لیتے ہیں

انسانِ طبیعی

انسان طبعی کا شجرہ وجود

......حیوانِ اکبر

...... مادی غیر مادی

......جواہر واعراض

...... جمادات

......نباتات

......حیوانات

......ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے حیوانات اور ریڑھ کی ہڈی کے بغیر حیوانات

(Sub Phylum Vertebrates)......

......دودھ نہ پلانے والے حیوانات اور دودھ پلانے والے حیوانات

انسان سب فائیلم ورٹیبریٹس (Sub Phylum Vertebrates) یعنی ریڑھ کی ہڈی والے حیوانات کی پانچویں کلاس ممالیا(Mammal) یعنی دودھ پلانے والے جانوروں میں شامل ہے اور جنس کے لحاظ سے انسان حیوان ہی ہے۔

منطقی طور پر انسان حیوان ہے پھر اس کی ایک فصل ممیّز ہے جسے قدیم فلاسفہ نے ''ناطقہ'' کہا ہے اور اسے فصل ممیّز کا نام دیا ہے۔

جدید مفکرین نے اس فصل ممیّز کو عاقلہ کہا ہے یعنی قدیم مفکرین کی رو سے انسان حیوانِ ناطق ہے اور جدید نظریات کی رو سے انسان حیوانِ عاقل ہے یعنی عقل اور حیوان کے ملنے سے اس کی نوع پیدا ہوتی ہے جسے کہتے ہیں ''انسان''

نوعی و جنسی خاصے

عالم موجود میں جتنی بھی انواع ہیں ان میں کچھ جنسی خاصے ہوتے ہیں اور کچھ نوعی خاصے ہوتے ہیں اسی طرح نوع انسان میں بھی کچھ جنسی خاصے ہیں کچھ نوعی خاصے ہیں یعنی کچھ لوازمات جنس یعنی حیوانی لوازمات ہیں اور کچھ انسانی لوازمات ہیں یعنی انسان حیوان عاقل ہے تو حیوان اور عاقل ہونے کی وجہ سے کچھ چیزیں اس میں حیوانی ہیں اور کچھ عقلی ہیں۔

جنسی خاصہ اسے کہتے ہیں جو انسان بحیثیت حیوان کے کرتا ہے مثلاً کھانا، پینا، سونا، کرنا، تھکنا، جنسی تعلقات قائم کرنا، غضبناک ہونا وغیرہ وغیرہ یہ کام باقی حیوانوں کی

طرح انسان بھی بحیثیت حیوان کے انجام دیتا ہے۔
انسان کچھ کام صاحب عقل ہونے کے ناطے سے یعنی عقل کے ماتحت کرتا ہے یعنی حیوان عاقل ہے تو عقل کے خاصے حیوانیت سے علیحدہ ہیں اور انہی کی وجہ سے انسان حیوانوں سے جدا ہوتا ہے اور اشرف مانا جاتا ہے۔
اگر نوعی خاصے انسان سے علیحدہ کر لئے جائیں تو انسان حیوان مطلق ہے۔ گدھے ،گھوڑے، کتے ،خنزیر اور اس میں کوئی فرق نہیں رہتا یہی نوعی خاصے ہی ہیں جو اسے اشرف المخلوقات بناتے ہیں یعنی وہ عقلی امور ہیں کہ جو اس کا طرۂ امتیاز ہیں۔

نوعی خاصے یا (Specific Properties)

کہنے والے یہی کہتے ہیں کہ نوعی خاصے یہی ہیں جاننا، سیکھنا، پڑھنا ،لکھنا ،معلوم سے نامعلوم تک پہنچنا، معروف سے مجہول کو سمجھنا، آثار سے مؤثر کا عرفان حاصل کرنا، ذات کی بجائے نوع کی فلاح وخیر سوچنا یہ ایک طویل فہرست ہے جس پر ایک علیحدہ کتاب مرتب ہوسکتی ہے یعنی جو بھی تعقل کے ضمن میں آئے وہ خاصہ نوعی ہے۔
عرضِ فارق وعرضِ غیر فارق کی بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ترک کرتا ہوں

تقسیم ......(Division)

نوع کے بعد انواع کی تقسیم کا عمل ہوتا ہے اس کے بعد نوع انسان کو بھی کئی طرح سے تقسیم کیا جاتا ہے مثلاً جغرافیائی لحاظ سے کہ یہ پاکستانی ہے، یہ ہندوستانی ہے، یہ امریکن ہے، یہ روسی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جغرافیائی تقسیم کے بعد مذہبی تقسیم ہے کہ یہ

ہندو ہے یہ مسلم ہے اب نوعِ انسان کی ایک مختصر جماعت یعنی مسلمان آپ کے سامنے ہیں اس کے بعد ناموں پر نوبت پہنچی یہ پرویز ہے، یہ نوید ہے، یہ زید ہے۔ یہ منطقی طور پر تقسیم نہیں کہی جاتی بلکہ یہ گنتی (Enumeration) ہے اس طرح انسان نوع سے فرد تک پہنچا پھر فرد کی تحلیل ہوئی یعنی تحلیل طبعی (Physical Analysis) یہ زید کے کان ہیں، یہ ناک ہے، یہ آنکھ ہے، یہ ہونٹ ہیں وغیرہ اب خود انسان تقسیم ہونے لگا مگر یہاں سے ایک قدم اور آگے دیکھنا ہے اور وہ یہ ہے کہ جسے آپ ما بعد الطبیعاتی تجزیہ کہتے ہیں......(Metaphysical Analysis)

یعنی انسان بحیثیت فرد کے تین انسانوں کا مرکب ہے

انسانِ طبعی (بدن)

پہلا انسان ایک مادی انسان ہے جو مادی جسم کا حامل ہے مجعولات جو ہریہ میں اسے تھرڈ کلاس (Third Class) جوہر کا نمبر دیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانِ طبعی یہ انسان کا مادی جسم ہے انسان جب مرتا ہے تو اس کی کوئی مادی چیز کم نہیں ہوتی پورے کا پورا جسم بلا کم و کاست پڑا رہتا ہے یعنی یہ اپنے طور پر مکمل انسان ہے جو ہمارے مابین موجود ہے مگر ہے مردہ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا کمی واقعہ ہوئی ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ زید مر گیا ہے وہ تو مکمل موجود ہے تو اس کا مکمل موجود ہونا ثابت کر رہا ہے کہ جو غائب ہوا ہے وہ اس کا جزو نہ تھا عرضِ فارق تھا جدا ہو گیا مگر یہ جسم تو مکمل پڑا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ بدن ایک مکمل انسان ہے۔

مجعولات جوہریہ

موجودات ومجعولات جوہریہ میں سے یہ تیسرے درجے کا جوہر ہے اسے تیسرا درجہ صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ مجعولات جوہریہ کی تین اقسام ہیں

اول درجہ کا جوہر وہ ہے جو نہ وجود میں آنے کے لئے محتاجِ غیر اللہ ہے اور نہ ہی استکمال کے لئے محتاجِ غیر اللہ ہے جیسے روح ہے۔

دوسرے درجے کا جوہر وہ ہے جو وجود میں آنے کے لئے تو محتاجِ غیر اللہ نہیں لیکن استکمال وعروج تک جانے کے لئے غیر اللہ کا محتاج ہے اور یہ نفس ہے۔

تیسرے درجے کا جوہر وہ ہے جو وجود میں آنے کے لئے بھی محتاجِ غیر ہے اور استکمال کے لئے بھی محتاجِ غیر ہے جیسے یہ جسم انسان ہے کہ عدم سے وجود میں آنے کے لئے جامہ انسانیت میں آنے تک یہ ہزاروں چیزوں کا محتاج ہے مثلاً باپ کا محتاج ہے، ماں کا محتاج ہے، نطفے کا محتاج ہے، شکم مادر میں ٹمپریچر کا محتاج ہے وغیرہ وغیرہ۔ان سے کسی چیز کو باہر نکال دیں تو اس کا پیدا ہونا محال ہے چاہے ٹسٹ ٹیوب ہی سے بچہ پیدا کر لیں مگر باپ کا پھر بھی محتاج ہے کہ نطفے کو ایسی سلب درکار ہے جہاں وہ غذا سے تشکیل پا سکے اگر کلوننگ ہی کی جائے تو بھی عورت کا محتاج ہے۔

اسی طرح عورت کا، مادہ منویہ کا محتاج ہے ٹسٹ ٹیوب ہے تو بچہ دانی کا کام دے رہی ہے باقی مراحل تو ویسے ہی ہیں جیسے فطری طور پر ہوتے ہیں۔

آج تک بڑے سے بڑا سائنس دان تغزمائی خلیات یا پروٹو پلازمک سیل (Protoplazmic cell) پیدا نہیں کر سکا تو ثابت ہوا کہ انسان تین جوہروں کا

مرکب ہے ایک محتاجِ محض جوہر ہے، ایک آدھا محتاج اور آدھا غیر محتاج اور ایک جوہر مکمل غیر محتاج ہے تو ان تین جوہروں کا مرکب ہے انسان۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ تینوں جوہر اپنی ذات تک مکمل جوہر ہیں یعنی مکمل انسان ہیں جسم انسان طبعی، نفس انسان نفسی، روح انسان عقلی ہے اور یہ تین انسان مل کر ایک مرکب انسان بنتے ہیں اور انہی تینوں کا مطالعہ کرنا انتہائی اہم ہے جنس الاجناس ''Summon Genus'' سے لے کر نوعِ سافل ''Lnfima Species'' تک کا مطالعہ کرنا اتنا اہم نہیں جتنا اہم اناس ثلاثہ کا مطالعہ ہے۔

ایک بڑی جماعت میں اگر چھوٹی جماعت شامل ہو تو بڑی جماعت کو جنس اور چھوٹی جماعت کو نوع کہتے ہیں جیسے حیوان کی بڑی جماعت میں انسان کی چھوٹی جماعت شامل ہے تو انسان کی جنس حیوان ہے اور نوع انسان ہے اور جنس اور نوع میں ایک اضافی فرق ہوتا ہے جسے کہتے ہیں ریلیٹو ڈفرینس (Relative Difference)

کیونکہ نوع میں جنس کی جملہ صفات بھی ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے کیونکہ انسان بلندی اور پستی کا نقطہءِ اعتدال ہے اور جنس الاجناس سے نوع اعلیٰ تک کے درجات کا وسطی مقام ہے یعنی درمیانہ جماعت ہے۔

کیونکہ یہ انسان فنا و بقا کے پیمانے میں مرکزی نقطہ ہے اسی وجہ سے یہ اشرف المخلوقات کے اعزاز سے نوازا گیا ہے اور یہ اہرمن اور یزدان کی آماجگاہ ہے اور تخلیقی لحاظ سے اس کا قوام بہترین قوام ہے۔

جو بقیہ حاشیہ ہوتے ہیں وہی صفات نوع کو جنس سے علیحدہ کرتے ہیں اور نوع کی انفرادیت کہلاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں فصل ممیّز (Differential) جیسے انسان کا

تعقل ''Rationality'' ہے یعنی حیوانیت کو انسان سے جدا کر کے باقی جو صفات رہیں وہ فصل ہیں۔ جنس الاجناس وہ ہے کہ جو کسی کی نوع نہیں ہے اور نوعِ اعلیٰ وہ ہے کہ جو کسی جماعت کی جنس نہیں بن سکتی ان کے مابین جتنی انواع واجناس ہیں انہیں اجناس متوسط (Subaltern Genera) کہتے ہیں یا انواع متوسط (Subaltern Speceis) کہتے ہیں اور ان میں دو طرح کے خاصے (Properties) ہوتے ہیں جو یا جنس کے ضمن میں آتے ہیں یا نوع کے ضمن میں جیسے کھانا پینا حیوانیت کے تقاضے ہیں اور لکھنا، پڑھنا، سوچنا تعقل کے تقاضے ہیں یہ تضمن میں گو نہیں آتے مگر اخذ ہو سکتے ہیں اور لازماً اخذ ہوتے ہیں۔

دو نظریاتِ تخلیق

انسان کی تخلیق اول پر کتب میں ہزاروں بحثیں موجود ہیں مگر یہ گھتی آج تک الجھتی ہی گئی ہے۔ کچھ مفکرین نے سپیشل کری ایشن (Special Creation) کا نظریہ دیا اور یہی نظریہ مذاہب کا ہے۔ کچھ مفکرین نے ایولیوشن (Evolution) کو تسلیم کروانے کے لئے فوسلز اور حجری ڈھانچوں پہ روشنی ڈالی یہ ایک علیحدہ موضوع ہے جسے یہاں زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔

نظریۂ پیدائش

کلام پاک میں ہے

☆ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا......(النساء1)

اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک ''نفس'' سے پیدا کیا اور اسی سے جوڑا بنا دیا

میرے قلمی دوست ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب نے ''نفس'' کے معنی ''ایمیبا'' کے لئے ہیں اور ڈاکٹر لیمارک کے نظریہ ارتقاء کی تائید میں ایسی ہی آیات پیش کی ہیں حالانکہ موجودہ سائنس نے ثابت کیا ہے کہ انسان کی ابتداء ایک ننھے سے انڈے سے ہوتی ہے جس کا قطر 1/200 انچ ہے یہ انڈا اختلاطِ زوجین سے پیدا ہوتا ہے، یہ انڈا رحم مادر میں ٹھیک دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے ایک سیل سے دو خلیوں میں تقسیم ہو کر بڑھتا جاتا ہے اور اسی انڈے کو بھی نفس واحدہ کا نام دیا جا سکتا ہے اور اس کے دو ہونے پر خلق منها زوجها یعنی اللہ نے اسی نفس واحد کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تو اس کی تاویل یہاں بھی ہو سکتی ہے اور اسی سے دو اور دو سے چار سے آٹھ سے لاکھوں اربوں تک سلسلہ چلا جاتا ہے اگرچہ سبھی خلیے ایک ہی خلیے سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان کی نشو ونما ایک جیسی نہیں ہوتی کیونکہ بعد میں پیدا ہونے والے خلیے Cell بعض عضلات کے خلیے ہوتے ہیں بعض غدودوں کے بعض اعصاب کے خلیے ہوتے ہیں اور پھر ہر خلیے کا ایک مرکز ہوتا ہے جسے نیوکلیس (Nucleus) کہا جاتا ہے جس کا کام باقی حصوں سے مختلف ہوتا ہے مثلاً عضلاتی خلیوں کا کام سکڑنا یا غدودوں کی رطوبت نکالنا اور اعصاب کا کام ترسیل ہے لیکن مرکزی حصے کا تفاعل نشو ونما میں پیش قدمی اور خلیات کی زندگی اور طاقت کو بحال رکھنا ہے اور ایک مرکزی حصے سے دو بنتے ہیں اور ہر خلیے میں ڈانڈوں جیسی ایک شئے پائی جاتی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کے ڈانڈے لمبے اور کسی کے چھوٹے ہوتے ہیں کسی کے سیدھے اور کسی کے ڈانڈے ٹیڑھے ہوتے ہیں اور ہر خلیہ میں ڈانڈوں کی تعداد 48 ہوتی ہے اور یہ جملہ انواع میں اپنی تعداد کو قائم رکھتے ہیں یعنی انواع کی تبدیلی سے ان کی

تعداد بدل سکتی ہے مگر نوع واحد میں ان کی تعداد ایک ہی رہتی ہے۔
انسان میں یہ 24 ماں کی طرف سے آتے ہیں اور 24 باپ کی طرف سے اور انہیں اجسام لونیہ کہا جاتا ہے پھر ہر سادہ لونیہ میں جواہر تخلیق موجود ہوتے ہیں جو خوردبین سے نظر آتے ہیں اور ان کی شکل تسبیح کے دانوں جیسی ہوتی ہے پھر مکمل عضویہ میں ان کی تعداد ہزار کے برابر ہوتی ہے یعنی ایک جسم لونیہ میں یہ جواہر تخلیق ہزار کے لگ بھگ ہوتے ہیں اور یہ بھی نصف ماں سے اور نصف باپ سے آتے ہیں اور مادہ لونیہ کی طرح جوڑے کی شکل میں آتے ہیں۔
یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ آج تک کی تحقیق ہے مگر جب یہ کتاب شائع ہو کر آجائے گی تو یقیناً اس وقت ان نظریات میں بیسیوں ترامیم ہو چکی ہوں گی کیونکہ سائنس الیکٹرک سپید سے ترقی کر رہی ہے۔
ہکسلے لوئی پاسچر جدید سائنسی فلسفی کہتا ہے کہ اصول حیات ہمیشہ حیات مقدم سے ماخذ ہے۔
اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مادہ منویہ بھی ذی روح وذی حیات ہے یا نہیں؟ تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہکسلے کا نظریہ غلط نہیں ہے اگرچہ آج کی کلوننگ نے عورت کو مرد سے بے نیاز کر دیا ہے مگر پھر بھی اس کی بات یہاں تک درست ہے کہ حیات ہمیشہ حیات ماقبل سے ماخذ ہوتی ہے کیونکہ مادہ منویہ مردہ و بے جان نہیں ہے اس میں موجود جملہ جراثیم زندہ ہیں ذی حیات وذی روح وذی شعور بھی ہیں لیکن ان کی صفات بالقویٰ نہیں بالفعل ہیں اور ان کا عمل طینتی تعلیم اور فطری ودیعت کا نتیجہ ہے اور اس کے سبھی اجزا زندہ اور فعال ہوتے ہیں کیونکہ آج کل تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ

عورتوں کو انجکشن لگا کر حاملہ کیا جا سکتا ہے اور اگر انجکشن میں بھرے ہوئے مادے کو حرارت دی جائے اتنا گرم کیا جائے کہ اس میں موجود جراثیم مر جائیں اور پھر وہی مادہ انجکٹ کر دیا جائے تو بچہ پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ آگ قاتل حیات ہے یا کسی ایسے ہلکے سے زہر سے ان کی سپرمز کو مار دیا جائے تو پھر بچہ پیدا نہیں کیا جا سکتا تو ثابت ہوا کہ مادہ منویہ ذی روح و ذی حیات ہے۔

یہ بھی ہے کہ انسان کے مادہ منویہ کا انجکشن اگر کتیا کو لگایا جائے تو پھر بھی بچہ پیدا نہیں کیا جا سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ مادہ منویہ کی زندگی کو باقی رکھنے کے لئے باقی چیزوں کے علاوہ ایک ٹمپریچر (درجہ حرارت) ہے انسان کا درجہ حرارت 98 کے قریب اور کتے کا درجہ حرارت 80 کے قریب ہے انسانی مادہ منویہ مادہ کتیا میں منجمد ہو جائے گا اور کتے کا مادہ انسان میں جل جائے گا اس طرح نسل نہیں بڑھے گی۔

بعض جانوروں کے ٹمپریچرز برابر ہیں وہاں نسل کشی ہوسکتی ہے جیسے گھوڑے اور گدھے وغیرہ کا ہے پھر بچے کی پیدائش مثبت اور منفی کے ملنے سے عمل پیرا ہوتی ہے اور اسی سے ابتدائی انڈا پیدا ہوتا ہے۔

کچھ کہنے والے کہتے ہیں کہ شکم مادر میں بچے کی تشکیل ہوتی ہے جسم بنتا ہے ہر چیز مکمل ہو جانے کے بعد اس میں خارج سے ایک روح آتی ہے اور وہ داخل ہو جاتی ہے۔

یہ بات کچھ غیر منطقی نظر آتی ہے جدید سائنسی فکر صرف اتنا سوچ سکتی ہے کہ ''روح'' آدم علیہ السلام سے لے کر موجودہ دور تک مسلسل انتقال پذیر ہے ایک لا متناہی سفر میں محو خرام ہے ہر فرد کی علیحدہ روح کا باہر سے آنا عمل تحلیل میں کہیں بھی مشاہدے اور تجربے سے ملاقات پذیر نہیں ہے۔

بلکہ وہ روح روحِ آدم علیہ السلام ہے اسی کو مبدۂ اول کہنا چاہیے اور باقی ارواح اسی کی شاخیں ہیں جیسے تربیلا ڈیم میں بجلی گھر ہے وہی مبدۂ اول ہے اور پورے پاکستان میں اسی کی لائنیں بچھی ہوئی ہیں ہر گھر روشن ہے منفی اور مثبت تار آخری گھر تک جاتے ہیں اور اسے روشن کرتے ہیں یعنی مبدۂ اول سے وہ تار نکلے مثبت اور منفی اور پھر انہی میں سے تقسیم ہوتے چلے گئے اسی طرح روح آدم علیہ السلام مبدۂ اول ہے اس سے مذکر ومؤنث (مثبت اور منفی) جدا ہوئے اور اسی طرح روح برقی انداز میں پوری نسل آدم میں تقسیم ہوگئی۔

یہ بھی مسلمہ ہے کہ تقسیم کا عمل بعض چیزوں کو کمزور کرتا ہے تو یہی حال بنی آدم کا ہے کہ کبھی دس دس میٹرز کے مرد اور عورتیں تھیں۔ دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک سات فٹ اوسط قد رہا اور اوسط عمر 80 سال رہ گئی اور موجودہ دور میں انسان باقی پانچ ساڑھے پانچ فٹ کا بچ گیا ہے اور اوسط عمر 50 سال سے بھی کم ہے اور جو سو سال زندہ رہے اسے آثار قدیمہ سمجھ کر دیکھا جاتا ہے۔

یہ روحیتی برق ہے جو جناب آدم علیہ السلام سے چلی اور جہاں مثبت اور منفی (مذکر اور مؤنث) ملے ایک اور شاخ نے جنم لیا اور آج کل چارج ایبل ٹیوبز اور چارج ایبل ٹارچز بھی موجود ہیں کہ جو بجلی سے چند گھنٹوں میں چارج حاصل کرتی ہیں پھر سلسلہ منقطع ہو جائے تو بجلی کو ذخیرہ کر لیتی ہیں گویا ان میں ایک ایسا ٹرانسفارمر موجود ہے جو برقی ذخیرہ محفوظ رکھ کر برقی عدم موجودگی میں ٹیوب وغیرہ کو روشن کرتا ہے اسی طرح شکم مادر میں جو انڈا پیدا ہوتا ہے وہ ایک ٹرانفسارمر ہے جس کا قطر 1/200 ہے اور یہ نو ماہ چارج ہوتا رہتا ہے جب یہ چارج ہو جائے تو ایک کے دو ہو

جاتے ہیں گو یا مثبت منفی میں تقسیم ہوا اور روحیتی برق نے اسے تقسیم کیا اور بڑھاتے بڑھاتے اربوں تک پہنچا دیا اب یہ چارج شدہ پیکر ایک طبعی عمر لے کر پیدا ہوا جس طرح ہر جنریٹر کی علیحدہ استعداد ہوتی ہے کہ یہ کتنے پنکھے چلا سکتا ہے، کتنے بلب روشن کر سکتا ہے اسی طرح یہ بھی استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے کہ یہ اپنے سے کمزور یا اُسی پاور کے کتنے اور جنریٹر پیدا کر سکتا ہے اور خود کتنا عرصہ چل سکتا ہے یہ گارنٹی بھی ساتھ لاتا ہے۔

یہ انڈا ایک تخم کی طرح ہے کیونکہ درخت میں بھی روحِ نباتی موجود ہوتی ہے اور موجود رہتی ہے تا اینکہ مفسدات خارجی اسے تباہ نہ کر دیں جیسے انڈے کو ابالنے کے بعد بچے پیدا نہیں کیے جا سکتے اسی طرح درخت کے بیج کو بوائل کرنے کے بعد درخت پیدا نہیں کئے جا سکتے تو ثابت ہوا کہ فلسفہءِ ارواحِ خارجی غیر منطقی ہے۔

اگر چھ ماہ شکم مادر میں رہنے کے بعد بچے میں خارج سے کوئی روح آتی ہو تو پھر ان چھ مہینوں کے اعمال کی کیا توجیہ پیش کریں گے؟ کیونکہ ان چھ مہینوں میں اس فعال چیز کو کیا ثابت کریں گے کہ جو بچے کو انڈے سے انسانی شکل میں لاتی ہے اور مضغہ و علقہ وغیرہ کو بڑھنے اور پنپنے کے عمل سے گزارتی ہے اور اس مردے کو حصول غذا کے طریقے سکھاتی ہے، چوسنے کا عمل سکھاتی ہے وہ کونسی قوت ہے جو ایک میاں بیوی میں مسلسل رہی ہے اور پھر ایک خاص درجہ حرارت میں مسلسل چارج ہو کر عمل پیرا رہی ہے اور جس نے 24 مثبتے اور 24 منفیے لے کر انڈا بنایا ہے اور اسی سے کری ایٹ (Create) ہو کر انسان تک پہنچی ہے وہ روح نہیں تو کیا ہے؟

یہ روح مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ کمزور پڑ رہی ہے صرف اعصابی و جسمانی نہیں بلکہ ہر طرح سے کمزور سے کمزور تر ہو رہی ہے اور روحیتی لحاظ سے اس کی بعض شاخیں اتنی کمزور پیدا ہوئی ہیں کہ ان کی نسل تک ختم ہو چکی ہے۔

گویا یہ ایک ہی روح ہے جو جناب آدم علیہ السلام کو ملی اور وہی عالم امر کی پیدا کردہ ہے کیونکہ عالم امر ذات حق کا ایک برقیاتی سمندر ہے اور قربِ ذات کی وجہ سے وہ ہمیشہ منور رہتا ہے اور ہر روح اسی کی پیدا کردہ ہے اسی لئے اس کے افعال کو خالق کائنات اپنی طرف منسوب فرماتا ہے کہ ہم ہی ارحام میں تصویر کشی کرتے ہیں یہ جمع کا صیغہ بتا رہا ہے کہ کسی کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ ہے انسان کا تخلیقی عمل

اس کے باوجود چند سوالات تشنہءِ جواب رہتے ہیں کہ اگر روح کو ایک ہی تصور کر لیا جائے تو عالم ارواح سوال قبر وحشر وغیرہ کی توجیہ کیا ہوگی؟

تو مختصراً عرض کروں گا کہ اگر سمندر کو عالم قطرات کہہ دیا جائے تو حقیقت ہے کیونکہ قطرہ قطرہ بہم شود دریا کہ قطرات کا اجتماع کثیر دریا و سمندر کا نام پاتا ہے اسی طرح اگر ایک عالم ارواح ہو جو من حیث الکل ایک سمندر کی طرح وحدت مطلقہ سمجھا جائے تو قباحت نہیں ہے کیونکہ عالم امر عالم نور ہے جو سمندر کی طرح ہے اور قطروں کا سمندر سے جدا ہو کر واپس آنا اور ضم ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے پھر اسے کما حقہ سمجھنا محال ہے کیونکہ خود خالق نے فرما دیا ہے۔

☆وَمَا أُوتِيتُم مِّن الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ......(بنی اسرائیل 85)

کہ عالم امر کا علم بہت قلیل عطا ہوا ہے یا بہت کم افراد کو عطا ہوا ہے۔

عالم ارواح

اس دور میں جہاں دیگر علوم نے ترقی کی ہے وہاں ماہرین علم الارواح نے بھی کچھ ترقی کی ہے اوراس دور میں روح پر تحقیق ہو رہی ہے اوراس میں سائنسی انداز میں تحقیق کی جا رہی ہے۔

اس کے نتائج میں یہ ممکن ہو رہا ہے کہ اب کسی فرد کی روح کو بلانا اس سے کلام کرنا موت کے بعد کے حالات معلوم کرنا ممکن مان لیا گیا ہے۔

جب میں اپنے سیزنل مطالعہ میں ''ٹیٹا لوجی'' کا مطالعہ کرر ہا تھا تو اس وقت یہ علم اپنی ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ شکل میں دیکھا پھر بھی حیات بعد الموت پہ کافی کچھ اس میں موجود تھا اور روح کے اثبات میں بہت کچھ ثبوت اس میں موجود تھے

کیونکہ علم الارواح پہ ابھی ناکافی تحقیق ہوئی ہے اس لئے اس پہ حتمی فیصلہ دینا میرے خیال میں قبل از وقت ہوگا

دعواتِ قبور و دعواتِ ارواح

ماضی قریب کے جو صوفیائے کرام اور دعوتِ ارواح کے ماہر تھے ان کا فرمانا تھا کہ روح ایک سمندر جیسی ایک نہیں ہے بلکہ ہر فرد کی روح علیحدہ علیحدہ ہے

وہ فرماتے تھے کہ اگر ہم ایک ہی روح تسلیم کرلیں تو پھر جزا و سزا کے مراحل میں کوئی معقول طریقہ کار پیش نہیں کر سکتے اس لئے اگر ہم ہر فرد کی روح کو علیحدہ مانیں گے تو اس کے کیئے کی جزا و سزا کو اسی تک محدود کر سکیں گے۔

ان کی بات بھی معقول ہے مگر ہمارے لئے یہ مسئلہ ہے کہ ہم روح کے بارے میں

مکمل معلومات نہیں رکھتے اور جب ہم دعوت ارواح کے عمل سے ارواح کو بلا بھی لیں تو وہ ارواح اس موضوع پہ بات کرنا پسند نہیں کرتیں کیونکہ وہ ہر سوال کا جواب اس وقت تک نہیں دیتیں کہ جب تک پیچھے مڑ کر نہ دیکھ لیں یعنی وہ کسی اور ذات سے احکام کی پابند ہوتی ہیں اور وہاں سے جو حکم ملتا ہے اسی کے مطابق جواب دیتی ہیں اس لئے اس موضوع پہ انہیں کچھ بتانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

اسی وجہ سے صاحبان دعوت ارواح بھی کوئی حتمی بات نہیں کر سکتے

بدن و جسم

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ انسان ''ارکانِ ثلاثہ'' کا مرکب ہے اور ہر رکن ایک مکمل انسان ہے، پہلا رکن یعنی پہلا انسان ہے ''جسم'' جسے ''انسان طبعی'' کہا جاتا ہے

یہ انسان ظاہری اعضا و جوارح کا مالک ہوتا ہے اس کا ہر عضو مادی ہے یعنی یہ فزیکل مشینی انسان ہے

یہ انسان ظاہری آنکھ سے دیکھتا ہے، ظاہری زبان سے بولتا ہے، ظاہری و مادی کانوں سے سنتا ہے، اس کے جملہ اعضاء وضعی ہیں ان کی علیحدہ علیحدہ تشخیص کی جا سکتی ہے یعنی یہ ناک ہے، یہ آنکھ ہے، یہ کان ہے، یہ زبان ہے وغیرہ وغیرہ

اس انسان کے ادراک کے علیحدہ علیحدہ ذرائع ہیں ہر چیز کے ادراک کے لئے ایک علیحدہ عضو ہے اگر انسان کو آنکھ سے محروم کر دیا جائے تو یہ دیکھ نہ سکے گا اگر زبان کاٹ دی جائے تو بول نہ سکے گا۔

اس کے اعضا ایک دوسرے کے متبادل نہیں ہوتے جیسے آنکھ کا کام صرف دیکھنا ہے

سننے بولنے سونگھنے وغیرہ کی اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔
یہ تو بیان ہو چکا ہے کہ یہ مجعولات جوہر یہ کا تھرڈ کلاس جوہر ہے کیونکہ یہ وجود و استکمال میں محتاج غیر ہے بدن کو انسانی شکل تک آتے آتے کتنی محتاجیوں کا سامنا ہے یعنی یہ ماں باپ کا بھی محتاج ہے اگر وہ نہ ہوں تو انسان پیدا نہ ہو، مادے اور میٹریل کا محتاج، پھر پیدائش کے بعد غذا، لباس، حفاظت وغیرہ کا محتاج یعنی اس کی احتیاج اللہ کے علاوہ مخلوق تک پھیلی ہوئی ہے خالق کا تو محتاج ہے ہی مگر غیر اللہ کا بھی محتاج محض ہے یہ تو تھا وجود کے لئے اس کا محتاج ہونا۔
یہ انسان طبعی استکمال کے لئے بھی محتاج غیر اللہ ہے یعنی جسم اپنی عروجی شکل میں نہیں آ سکتا جب تک مناسب ماحول نہ ہو، سکون نہ ہو، غم و آلام سے دوری نہ ہو یعنی ان ضروریات کے دائرے میں رہ کر ہی جسم انسان ایک مکمل جسم بنتا ہے
آپ پہلوانوں کو دیکھیں باڈی بلڈرز کو دیکھیں استکمال جسم کے لئے کتنے پاپڑ بیلتے ہیں مشقتیں ہوتی ہیں، ایکسرسائز کے مرحلے ہوتے ہیں، غذاؤں کا چکر ہوتا ہے، حفظان صحت کے اصول سے واقفیت لازم ہوتی ہے آپ دیکھیں تو اس کی بہت طویل فہرست سامنے آئے گی اب اسی سے ثابت ہوا جسم اپنے کمال تک جانے میں بھی محتاج غیر ہے محتاج محض ہے اسی لئے اسے تھرڈ کلاس جوہر سمجھا جاتا ہے کیونکہ کسی پہلو سے احتیاج سے دامن نہیں بچا سکتا اور اسی وجہ سے کہ یہ تیسرے درجے کا جوہر ہے

کمالِ بدن

دوستو! بدن کا کمال انسان کا کمال نہیں کہا جاتا من حیث الکمال اسے کمال نہیں کہا

جا سکتا ورنہ گاماں پہلوان اور عبدالحمید الجندی جیسے بہترین جسم کے مالک لوگ ولی اللہ بلکہ اپنے دور کے نبی ہوتے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مکمل جسم تو تھے مکمل انسان نہ تھے کیونکہ وہ صرف جسمانی لحاظ سے قوی ہیکل اور طاقتور جوان تھے۔

یہ بھی ہے کہ ارکان ثلاثہ کی تکمیل واستکمال کا اندازہ اس کی قوت سے ہی ہوتا ہے جسم انسان جو قوت رکھتا ہے اسے ''طاقت'' کا نام دیا جاتا ہے یعنی جسم سے متعلق قوت کا نام ہے ''طاقت''

خصائص ثلاثہ

دوستو! ارکان ثلاثہ یعنی جسم، نفس وروح سے علیحدہ علیحدہ خصائص منسوب ہیں اور انہیں خصائص ثلاثہ کہا جاتا ہے اور تین خصائص میں سے اس جسم کا صرف ایک ہی بنیادی خاصہ ہے جو ہے ''شہوۃ''

شہوت کیا ہے؟

اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ''مہیج داخلی'' کا نام ہے ''شہوت'' یعنی انسان بحثیت انسان کے نہیں حیوان کے جو چیز طلب کرتا ہے وہ ہے شہوت۔

یہاں عرض کرتا چلوں کہ جو تحریکیں ''بقائے ذات'' کے لئے اندر سے اٹھیں وہ شہوات ہوتے ہیں یعنی بھوک پیاس کی خواہش، کلام کرنے کی خواہش، نیند کی خواہش، آرام کی خواہش۔ یہ بقائے ذات کے لئے اٹھنے والی تحریکیں سب شہوات ہیں اوران کا ایک طرح سے بقائے ذات ہی سے تعلق ہوتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ شہوات بذات خود مذموم نہیں برے نہیں کہے جا سکتے مثلاً کسی کو

بھوک لگی ہوتو کوئی شخص یہ نہیں کہے گا کہ ''دیکھو اس احمق کو بھوک لگتی ہے، یہ کتنا احمق ہے کہ بھوک محسوس کرتا ہے'' یعنی بھوک پیاس وغیرہ فطری تقاضہ ہے نیچرل ڈیمانڈ ہے اس لئے اسے برا سمجھنا یا کہنا درست نہیں کیونکہ فطری کمزوریوں پہ کسی کو برا بھلا نہیں کہا جا سکتا صرف اتنا ہے کہ شہوات کو نقطہ اعتدال سے متجاوز نہیں ہونا چاہیے اعتدال وشرائط کے ساتھ شہوات معیوب نہیں ہوتے۔

اعمالِ کمالیہ

جسم یعنی انسان طبعی تیسرے درجے کا جوہر ہے اس لئے اس کے جملہ متعلقات تھرڈ کلاس کے ہیں اسی لئے اعمال کمالیہ میں سے یہ جو علم رکھتا ہے اسے کہتے ہیں فن Art۔ فن کا تعلق عمل سے ہے اور یہ بار بار کی مشق سے حاصل ہوتا ہے یہ جسم کے اعمال کے مسلسل دہرانے سے حسن پذیر ہوکر ''فن'' کہلاتا ہے اور یہ عمل علم ہے اور جسم انسان اس کا حامل ہوتا ہے گویا یہ انسان طبعی کا کمال عمل ہے اور اس رکن اول انسان طبعی کو جو علوم حاصل ہوتے ہیں انہیں علوم طبعی Natural Science نیچرل سائنس کہتے ہیں

علوم طبعی

یہ علوم یہ نہیں بتاتے کہ فلاں چیز کو کیسا ہونا چاہیے بلکہ یہ اتنا بتاتے ہیں کہ یہ چیز فی الحال کیا ہے یا کیسے ہے اشیاء کو کما ہیہ ظاہر کرتے ہیں

ادراک

بدن کے ادراک کے ذرائع یہی حواس خمسہ وعشرہ ہیں اور جو کچھ ان ذرائع سے یہ

حاصل کرتا ہے اس ذخیرہ معلومات کا نام ہے ''ادراک'' جہاں بدن کے جملہ ذرائع محسوسات نہ پہنچ سکیں وہاں خالق کائنات بھی فرما دیتا ہے کہ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّون کہ کسے ادراک حاصل ہے کہ علیون کیا ہے یا ایک اور مقام پہ فرمایا وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ کہ کسے ادراک حاصل ہے کہ شب قدر کیا ہے یعنی عالم غیر محسوس کے تذکرے میں ادراک کا لفظ استعمال ہو رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ ادراک بدن انسان کے خزانہ معلومات کا نام ہے

بدن (انسانِ طبعی)

دوستو! انسان کا بدن روح و نفس کے مقاصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے جو کچھ روح و نفس تک جاتا ہے اس کے ذریعے تک جاتا ہے اس لئے اسے ظاہری اعضاء و آلات سے نوازا گیا ہے انسانِ نفسی و انسان عقلی اپنے اعضاء و جوارہ کے ساتھ ساتھ اس کے اعضاء و جوارح بھی استعمال کرتے ہیں ان پر بھی تصرف رکھتے ہیں اس لئے دنیا سے رابطے کے لئے یہ بدن ہی ہوتا ہے یعنی طبعی دنیا کی ترجمانی انسان طبعی کرتا ہے انسان نفسی اور انسان عقلی کا مادی اور طبعی دنیا سے رابطہ رہ نہیں سکتا جب تک انسان طبعی اس کی ترجمانی نہ کرے حقیقت یہ ہے کہ جوہر اعلیٰ اپنے سے کم درجے کے جوہر کے آلات کو بھی استعمال و تصرف میں رکھتا ہے

نفس (انسان نفسی)

اپنے اعضاء و جوارح کے استعمال کے ساتھ ساتھ انسان طبعی (جسمانی) اعضاء پر بھی تصرف رکھتا ہے اور انسان عقلی (روح) اپنے اعضاء و جوارح کے ساتھ ساتھ

آلات نفس و بدن کو بھی تصرف میں رکھتا ہے

آلہ ادراک

بدن کو جو ادراکِ حقائق کا آلہ حاصل ہوتا ہے اس کا نام ہے ''قلب'' اس پہ آئندہ بحث ہوگی

بدن کی طاقت (انرجی) کا سٹور ''اعصاب'' ہوتے ہیں کیونکہ جسم انسان میں یہی دہری صلاحیت کے حامل ہیں یہ گوشت اور ہڈی کے مابین حرف مشدد کی طرح ہوتے ہیں یہ جب گوشت سے ملتے ہیں تو گوشت بن جاتے ہیں جب ہڈی سے ملتے ہیں تو ہڈی کا رول ادا کرتے ہیں جب ان میں گوشت کے صفات بڑھنا شروع ہو جائیں تو سمجھ لو جسم کے خزانے میں طاقت کا دیوالیہ ہو رہا ہے جسم زوال پذیر ہے۔

اقسام انسان

دوستو! اس سے قبل ہم نے فرد پہ روشنی ڈالی ہے۔ بحثیت جماعت کے انسان پہ بھی بات کرنا ضروری ہے

دیکھئے پشتِ ارضِ کہن پہ جو نوع انسان ماضی حال و استقبال کے دائرہ میں موجود ہے اس کے تین اقسام ہیں جس طرح ایک انسان تین انسانوں (بدن نفس و روح) پر مبنی ہے ان سے مرکب ہے اسی طرح مکمل نوع انسان تین انسانی جماعتوں پر مبنی ہے

پہلی جماعت انسان وہ ہے جو انسان طبعی ہے یعنی یہ انسانی جماعت انسان طبعی کی طرح ہے اس انسان کی زندگی جسمانی و مادی ہے یہ جماعت انسان انسانی بدن سے مشابہہ ہے ان کی زندگی کا مکمل عمل کھانا، پینا، دیکھنا، سننا، محسوس کرنا، نسل کشی تک

محدود ہے یعنی اس کی زندگی حیوانیت کے ماتحت ہے حیوانی زندگی ہے یہ صرف اپنی جنس (حیوان) کی طرح جیتے مرتے ہیں اس کا مطمع نظریات حیوانیت ہے کھاؤ، پیو، اولاد پیدا کرو لذات حیوانی ہی کو یہ کمال انسان تصور کرتے ہیں یعنی ان کی زندگی جنسی خاصوں کے گرد گھومتی ہے یہ ہمیشہ حیوانی جذبوں کے زیر اثر سانس لیتے ہیں انہیں خالق نے کافر و مشرک و منافق وغیرہ کے ناموں سے تشخیص کیا ہے اور حتمی لحاظ سے یہ انسان طبعی ہوتے ہیں اور ان کی بے مقصد زندگی کا واحد مقصد حیوانیت ہے

اسی لئے امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا

☆اَلنّٰاسُ ثَلٰثَۃٌ عَالِمٌ رَبّٰانِیٌ وَ مُتَعَلِّمٌ عَلیٰ سَبِیلِ النَّجَاۃِ وَھمجرعَاعٍ اِتبَاع کُل نَاعقٍ

یعنی انسانوں کے تین اقسام ہیں

اول علمائے ربانین ہیں یعنی اناس عقلی ہیں

دوم راہ نجات کے طلبگار و متعلم ہیں یعنی اناس نفسی ہیں

سوم باقی وہ رذیل لوگ ہیں جو ان مکھیوں کی طرح ہیں جو ہر بدبو کے پیچھے بھاگتی رہتی ہیں اور ہر احمق کی اتباع کرتے ہیں یعنی انسان طبعی حیوانوں کی طرح ہے جس کا جی چاہے ہانک لے جائے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے

☆اَلنَّاسُ ثَلٰثَۃُ اَقسَامٍ قِسمٌ یَشبَھُونَ البَھَائِمِ وَ قِسمٌ یَشبَھُونَ المَلٰئِکَۃِ وَ قِسمٌ یَشبَھُونَ الاَنبِیَاءِ علیھم السلام

فرمایا لوگوں کے تین اقسام ہیں

ایک وہ ہیں جو حیوانوں کے مشابہہ ہیں یعنی انسان طبعی حیوانی ہیں صرف جنسی خاصوں کے ماتحت ہیں۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو ملکوت سے مشابہہ ہے یعنی انسان نفسی ہیں کیونکہ ملکوت کو نفوس مجردہ سے قرار دیا گیا ہے اور یہ نفسی خاصوں کے ماتحت ہوتے ہیں۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہہ ہے یعنی انسان عقلی ہیں۔

کلام اِلٰہی میں ارشاد ہے

☆فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ()وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ()وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ()أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ......(سورہ الواقعہ 11)

ایک گروہ اصحاب شمال کا ہے ایک اصحاب یمین کا ہے اور ایک گروہ سابقون کا ہے یعنی اصحاب شمال انسان طبعی ہیں اصحاب یمین انسان نفسی ہیں اور سابقین ومقربین انسان عقلی ہیں اسی طرہ تین عوالم ہیں (یعنی مخلوق کے تین اقسام ہیں)

نمبر 1...... عالم خلق نورانی یعنی عالم عقول وارواح

نمبر 2...... عالم خلق نفسانی یعنی عالم نفوس وملکوت

نمبر 3...... عالم خلق جسمانی یعنی عالم اجسام و مادہ اسی پہ آیت ہے

☆خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُون (یٰسین 36)

یوں سمجھ لیں انسان تین اقسام کے ہیں

نمبر 1...... انسان مادی وحیوانی وطبعی

نمبر 2...... انسان نفسانی وملکوتی ونفسی

نمبر 3...... انسان روحانی ونورانی وعقلی

کفار ومشرکین مادی انسان ہیں، مومنین وصالحین نفسانی وملکوتی انسان ہیں اور انبیاء علیہم السلام روحانی ونورانی انسان ہیں کیونکہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کا تعلق بھی عالم امر سے ہے

انسان نفسی

انسان کی جماعت میں دوسرے نمبر کے انسان ''انسان نفسی'' ہیں اور جو ''انسان نفسی'' ہیں ان کا مرتبہ بہت بلند ہے حقیقتاً یہی نوع انسان میں داخل قرار دیئے جا سکتے ہیں کیونکہ جنسی خاصے ان کی نگاہ میں بہت پست ہوتے ہیں وہ تعقل کو اپناتے ہیں نوعی خاصوں کے زیر سایہ جیتے مرتے ہیں مثلاً لکھنا پڑھنا، معلوم سے نامعلوم کو سمجھنا، فکر وعبادت، تفقہ تدبیر وغیرہ ہی ان کے لئے سب کچھ ہوتے ہیں بہ الفاظ قرآن یہ مومنین وصالحین وابرار وغیرہ ہیں کیونکہ انہی میں عروج واستکمال نفسی ہوتا ہے مَن عَرَفَ نَفسَهُ فَقَد عَرَفَ رَبَّهُ پہ غور کرتے ہیں، علوم معیاری کے حامل ہوتے ہیں، علوم وعرفان کو معراج ہستی تصور کرتے ہیں، محل الاعلیٰ کی طرف راغب ہوتے ہیں، وہ حیوانی آزادیوں پر انسانی پابندیوں کو ترجیح دیتے ہیں وہ اس دنیا پر اگلی دنیا کو اہمیت دیتے ہیں گویا نفسی زندگی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے ان کے خیالات میں نفاست ہوتی ہے احساسات لطیف اور اقدار نفیس ومقدس جذبات کے حامل ہوتے ہیں۔

انسان عقلی

اس کے بعد ہیں وہ ذوات گرامی جو انسان عقلی کہلاتے ہیں ان کی زندگی روحانی ہوتی ہے ان کے اجسام وابدان بھی روحی ہوتے ہیں جو جسم مروح اور روح مجسم کے

مصداق ہوتے ہیں۔

عالمِ امر

تخلیق کے لحاظ سے خلق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک حصہ وہ ہے جو تدریج و مرحلہ وار وجود پذیر ہوتے ہیں اسے ''عالمِ خلق'' کہتے ہیں جیسے خالق نے زمین و آسمان کے بارے میں فرمایا

☆إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِیْ سِتَّةِ أَيَّامٍ (اعراف54)

یعنی ارض وسما کو چھ دنوں میں خلق فرمایا ہے یوم بمعنی مرحلہ ہے یعنی کائنات مراحل ''شش گانہ'' سے گزر کر عالم وجود میں آتی ہے

کہیں فرمایا ہے کہ زمین کو دو روز میں اور آسمانوں کو دو دن میں خلق فرمایا ہے اور دونوں میں اس کا تقدر رہا ہے۔

نوع انسان بھی مراحل شش گانہ سے گزر کر نشاۃ اخریٰ تک پہنچی ہے اور اس نوع کا ہر فرد بھی اس راستے سے گزر کر آخری شکل میں آتا ہے اس پہ بہت سی کتب میں مباحث ہیں جن کی تفصیل یہاں لانا طوالت مضمون کا باعث ہوگی

مقصد یہ ہے کہ جو چیزیں سلسلے وار مرحلوں سے گزر کر بتدریج اپنی تکمیل تخلیق کرتی ہیں ان کا تعلق عالم خلق سے ہوتا ہے۔

امری مخلوق

یہ مخلوق کی دوسری قسم ہے کہ جو مراحل و درجات سے نہیں گزرتی بلکہ ضمیر صمد میں لفظ کن کی شد سے فوراً عالم وجود میں آجاتی ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے

☆إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ......(یسین 82)
یعنی اللہ جب کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے ''کن'' ہو جا ''فیکون'' فوراً ہو جاتا ہے۔
تخلیق انبیاء علیہم السلام ہے، تخلیق ارواح ہے یا تخلیق ملکوت ہے تو یہ سب عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں۔
جناب عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ان کی ولادت کو خالق کل نے بیان فرمایا ہے تو اسی سے باقی انبیاء علیہ السلام کی تخلیق و ولادت پہ استدلال کیا جا سکتا ہے ثابت ہوا یہ امری مخلوق ہیں اسی طرح روح بھی عالم امر سے تعلق رکھتی ہے اور جو مخلوق مراحل سے نہ گزرے بلکہ کامل پیدا ہو جائے اس مخلوق کو عالم امر سے مانا جاتا ہے۔
یاد رکھنا چاہیے کہ خاندان تطہیر محمد و آل محمد علیہم الصلواۃ والسلام امری مخلوق نہیں بلکہ مافوق الامر ہیں کیونکہ یہی صاحبان امر ہیں (مزید تفصیل کے لئے افکار المنتظرین دیکھئے)

انسان مرکب

دوستو! آپ گزشتہ اوراق میں دیکھ چکے ہیں کہ انسان بحیثیت جماعت کے تین اقسام پر مبنی ہے اور بحیثیت فرد کے بھی تین انسانوں سے مرکب ہے یعنی بدن بھی ایک مکمل انسان ہے، نفس بھی ایک مکمل انسان ہے اور روح بھی ایک مکمل انسان ہے جب ہم ایک انسان یعنی فرد بشر کو دیکھتے ہیں تو یہ تین انسان ایک فرد کے ارکان نظر آتے ہیں کہ زید زید نہیں اگر نفس و بدن و روح سے مرکب نہیں یوں سمجھیں زید کی ذات کے تین رکن ہیں بدن، نفس و روح کیونکہ یہ تینوں زید سے اضافت پاتے

ہیں تو انسان مکمل نہیں جب تک یہ ارکان نہ ہوں۔ان ارکان ثلاثہ سے مرکب فرد کو انسان کہا جاتا ہے۔

یہ بھی ہے کہ یہ مرکب انسان اپنے اعضاء وجوارح سے بھی مرکب ہے دوسری طرف یہ موالیدار بعہ کا مجموعہ بھی ہے اب ذرااس طرف بھی دیکھتے جائیں۔

احتیاج واشتہا وخواہش

انسان بنیادی طور پر جمادات ونباتات وحیوانات کے صفات کا مجموعہ ہے اوران کے صفات انسان میں موجود ہیں جمادات کی طرح حامل ابعادِار بعہ ہے طول وعرض وعمق وزمان کا حامل ہے نباتات کی طرح پنپ نشو ونما واحتیاج کا حامل ہے حیوانات کی طرح حرکت وارادہ واشتہا کا حامل ہے

ان کے علاوہ انسان میں اپنے انسانی صفات بھی ہیں کیونکہ یہ نباتات وحیوان کے صفات کا حامل بھی ہے اس لئے اسے ضروریات ثلاثہ لاحق ہیں۔نباتات کی ضروریات کا نام ہے''احتیاج''(ضرورت)یعنی غذااور ماحول،آب وہوا وغیرہ ضروریات نباتات ہیں اور یہ دائرہ احتیاج میں آتے ہیں اسی طرح انسان میں یہ احتیاج بھی ہے پھر حیوانات ہیں تو حیوانات کی ضروریات کا نام ہے''اشتہا''یعنی بھوک،پیاس،جنسی خواہشات وغیرہ تو انسان میں''احتیاج''کے ساتھ''اشتہا'' یعنی بھوک،پیاس،جنسی خواہشات وغیرہ تو انسان میں''احتیاج''کے ساتھ''اشتہا ''بھی موجود ہے پھرانسان توانسانی ضروریات کا نام ہے''خواہش''

دوستو!احتیاج اشتہا اور خواہش میں بنیادی فرق یہ ہے کہ احتیاج میں رجحان

وغایت دونوں لاشعور میں ہوتے ہیں اور اشتہا میں رجحان وغایت دونوں شعور میں ہوتے ہیں خواہش ہمیشہ شعوری ہوتی ہے۔

ان میں ایک فرق یہ ہے بھی ہے کہ ''احتیاج'' سے صرف ''تکمیل'' حاصل ہوتی ہے اور تکمیل میں تسکین ولذات وخوشی کا کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق نباتات سے ہے اور نباتات کی ضرورت میں صرف بقائی ضرورت ہوتے ہیں اس کی غرض وغایت بقائے وجود تک محدود ہوتی ہے نہ کہ لذات ومسرت تک

ضروریات نباتات کی احتیاج خوردن برائے زیستن تک محدود ہوتی ہے اور جو صرف بقائے ذات تک محدود ہو اس کا نام ہے ''احتیاج'' اور احتیاج کی ''تکمیل'' ہوتی ہے ''اشتہا'' کی تکمیل میں ''لذت'' حاصل ہوتی ہے اور لذت اشتہا کی ''تسکین'' کا نام ہے لفظ تسکین ہمیشہ لذت کے ساتھ آتا ہے اور خواہشات کی تسکین وتکمیل سے مسرت حاصل ہوتی ہے اور اس کی تسکین وتکمیل کو ''تشفی'' کہتے ہیں اسی لئے لفظ ''تشفی'' ہمیشہ خواہشات کے ساتھ آتا ہے

انسان میں روحانیت بھی ہے جس کی تسکین وتکمیل وتشفی سے ''سعادت'' حاصل ہوتی ہے اور ''سعادت'' روحانی عقلی علوم کے اطمینان کا نام ہے اور اطمینان کا لفظ ہمیشہ سعادت کے ضمن میں آتا ہے تو انسان میں یہ سبھی چیزیں موجود رہتی ہیں۔

مختصر جائزہ

نباتی ضرورت ''احتیاج'' اس کی تسکین ''تکمیل''

حیوانی ضرورت ''اشتہا'' اس کی تسکین ''لذت''

انسانی ضرورت ''خواہش'' اس کی تسکین ''تشفی''

دوستو! یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہاں ان الفاظ کے لغوی معنی نہیں ہیں سعادت و اطمینان ،خواہشات وتسکین ومسرت ولذت وغیرہ یہ سب اصطلاحات علم الاخلاق ہیں انہیں لغوی معنی میں نہیں لینا چاہیے۔

اشتہا اور خواہش میں چند بنیادی فرق بھی ہیں

اشتہا فطری اور جبلی ہوتی ہے خواہش اکتسابی اور لاشعور ہوتی ہے ان دونوں کی تکمیل وتسکین لذت آور ہوتی ہے اور انقطاع باعث الم واذیت ہوتا ہے مگر اس کے باوجود دونوں میں فرق ہے

اشتہا میں لذت والم شدت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے مگر خواہش میں لذت والم کی شدت کم ہوتی ہے مثلاً ایک انسان بھوکا پیاسا ہے تو بھوک اور پیاس کا تعلق اشتہا سے ہے اور بھوک جتنی شدت سے محسوس کی جاسکتی ہے یا پیاس جتنی شدت رکھتی ہے اتنی شدت خواہشات میں نہیں ہوگی کیونکہ خواہشات کا تعلق بقائے وجود سے نہیں ہے اور اشتہا کے درپردہ بقائے وجود کا مسئلہ موجود رہتا ہے۔ پیاس نہ بجھے تو آدمی مرجائے مگر گانا سننے کی خواہش پوری نہ ہو تو زندگی اور موت کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوسکتا بس اتنا فرق ہے کہ خواہش کو دبایا جاسکتا ہے اور اشتہا کو دبایا نہیں جاسکتا۔

یہ بھی ہے کہ اشتہا کی اولین اکائیوں میں افادیت شدید ہوتی ہے اور جب اس کی اکائیاں بڑھنے لگیں تو پھر نتیجہ الٹا بھی ہو جاتا ہے جیسے پیاس میں پہلا گلاس جتنا افادیت اور شدت کا حامل ہوتا ہے دوسرا گلاس اتنا نہیں ہوتا اور جب اشتہا کی اکائیاں بڑھیں یعنی پیاس سے زیادہ کوئی چیز پی لی جائے تو جی متلانے لگتا ہے یہی

اشتہا کی پہچان بھی ہے۔
یہ بھی ہے کہ خواہشات کا تعلق نفس سے ہوتا ہے اور اشتہا کا تعلق بدن سے ہوتا ہے پھر خواہشات ہمیشہ ایک دوسری سے مربوط ہوتی ہیں ایک خواہش کی تشفی کے لئے متعدد خواہشات کی تشفی لازم ہوتی ہے ورنہ ''خواہشِ واحد بذات خود کچھ نہیں ہوتی

مرضی

اب دیکھئے ''مرضی'' کیا ہوتی ہے؟ دوستو! خواہشات کے آپس میں متصادم ہونے پر جو خواہش غالب آجائے اسے ''مرضی'' کہا جاتا ہے ''مرضی'' جب شدید ہوتی ہے تو وہ ''ارادہ'' بن جاتی ہے اور زیادہ تر ارادہ فعل میں بدل جاتا ہے۔
یہ بھی حقیقت ہے کہ حقیقی رسہ کشی خواہشات میں نہیں ہوتی بلکہ عالمِ خواہشات میں ہوتی ہے پھر اشتہا کی تسکین سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بذات خود ''فی نفسہ'' کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی بلکہ لذات پہ حکم اخلاق منبع لذت کے کارن لگتا ہے اگر منبع لذات گھٹیا ہے تو لذت گھٹیا ہے اگر منبع لذت اعلیٰ ہے تو لذت بھی اعلیٰ ہے تو اس طرح تین لفظ سامنے آتے ہیں

......احتیاج

......اشتہا

......خواہش

اور ان کے مقابل تین لفظ سامنے آتے ہیں

......لذت Pleasure

......مسرت

......سعادتEudaemon

ثابت ہوا انسان میں صفات جمادات ونباتات وحیوانات بھی موجود ہیں اور انسان کا رکنِ اول یعنی بدن بحیثیت جسم کے صرف اور صرف احتیاج رکھتا ہے یعنی صفت نباتات کا حامل ہوتا اور پھر حیوانی اشتہا بھی جزوی طور پر بدن سے متعلق ہے اب بدن کی اپنی ضروریات ہیں مگر اس کی ضرورتیں افادیت مبتدیہ کے گرد گھومتی ہیں کیونکہ صرف بقائے انسان ہی مطلوب ہوتی ہے تو اس لئے اس کی ضروریات بے رنگ وروغن ہوتی ہیں مگر نباتاتی احتیاج سے زیادہ قوی ہوتی ہیں۔

بدن کو اپنی بقائی ضروریات کے لئے ایسی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی ضروریات یعنی پروٹینز Proteins، وٹامنز Vitamins (حیاتین) حرارت لحمیات نشاستہ وغیرہ پر مبنی ہوں

بدن میں بحیثیت بدن کے شعور حلال وحرام ونجس و طاہر نہیں ہوتا اسے تو غذا کی ضرورت ہے اسے اس سے غرض نہیں کہ غذا کیسی ہے اسے صرف غذائیت کی حامل غذا چاہیے اسے تو جہاں سے جیسی ہو اور جب ملے ملتی رہے یہ لذات وغیرہ سے عاری ومحروم ہے مثلاً اسے گوشت کی ضرورت ہے، دودھ کی ضرورت ہے اس کا مدعا ہے کہ گوشت معدے میں پہنچے چاہے وہ کتے اور خنزیر کا ہی کیوں نہ ہو، دودھ ملے چاہے کسی کیسے ہی برے جانور کا کیوں نہ کیوں معدے میں ذائقے اور لذات سب فنا ہو جاتے ہیں ذائقے اور لذائذ صرف چار انچ کے ہوتے ہیں یعنی زبان کی نوک سے حلق تک ان کا اثر رہتا ہے حلق سے اترنے کے بعد میٹھے حلوے اور کونین کی گولی کا

ذائقہ ایک ہی ہے بد ذائقہ کڑوے مشروبات اور دودھ کا ذائقہ برابر ہے کہ بدن بحیثیت بدن ورکن اول کے حس ذائقہ سے محروم ہوتا ہے۔

یہ بھی ہے کہ بدن میں اخلاق و مذہب کو سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی بلکہ اسے اچھائی، برائی اور اپنے نفع اور نقصان تک کا شعور بھی نہیں ہوتا مثلاً حلق سے نیچے زہر ہی کیوں نہ اتر جائے معدہ اسے بھی ہضم کرنے کی کوشش کرے گا کیونکہ جسم خاکی شعور سے عاری ہوتا ہے یہ تو ہضم کا عمل جانتا ہے چاہے اس انہضام میں اس کی اپنی ہی موت کیوں نہ موجود ہو۔

جسم انسانی صرف جبلت کے ماتحت ہوتا ہے اور جبلت نباتات سے مشابہہ ہے یہ نوزائیدہ بچے کی طرح ہے جسے صرف چوسنے کا عمل فطری طور پر عطا کیا گیا ہوتا ہے اس کے منہ میں جو چیز آئے گی یہ اسے چوسے گا چاہے اس کا اپنا انگوٹھا ہو یا شیر مادر، چاہے نپل ہو یا بھینس کا تھن اس نے تو چوسنا ہی ہے اسے جو چیز ملے گی وہ اسے اپنی غذائی ضروریات سے معمور سمجھ کر چوسنا شروع کر دے گا چاہے اسے سانپ کا سر ہی کیوں نہ تھما دیا جائے یہ فوراً منہ میں ڈال کر چوسنا شروع کر دے گا کیونکہ یہ عرفان سے عاری ومحروم ہوتا ہے اسی طرح جسم کو بھی جو کچھ دے دیا جائے یہ نفع اور نقصان سے بے خبر اپنی خوراک سمجھ کر استعمال کرنا شروع کر دے گا یہ جسم کبھی نہیں چاہتا کہ اسے بھوکا رکھا جائے اسے تو کچھ نہ کچھ ملنا چاہیے جس سے خوراک حاصل کرنے کی سعی میں مصروف رہے۔

یارب محمدّو آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدّ و عجل فرج آل محمدّ بقائمهم عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 4

انسان عقلانی (روح)

اے جویندگان چشمہ عرفان!

روح انسان کا ایک اعلیٰ مگر تیسرا رکن ہے اور اسے انسان عقلی یا انسان عقلانی (روح) کہا جاتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ روح بذات خود ایک مکمل اور کامل انسان ہے لیکن سب سے پہلے روح کے بارے میں ماضی کے مفکرین کے مختلف آراء دیکھتے چلیں

(1)

ایک مشہور ثنویت پرست ڈیکارٹ کہتا ہے کہ حقیقت کی دو اقسام ہیں

نمبر 1...... وجود مفکر (Thinking Being)

نمبر 2...... وجود ممتد (Exte Haed Being)

ڈیکارٹ ان سے ''نفس'' اور ''مادہ'' مراد لیتا تھا

اس کا کہنا تھا کہ نفس اور روح ایک ہی چیز ہے اور نفس سے مراد وہ روح ہی لیتا تھا اور وہ حیوانوں میں روح کا قائل نہ تھا بلکہ حیوانوں کے افعال کو وہ مشینی افعال کہتا تھا اور انسان میں وہ جسم اور روح کا قائل تھا اور صرف انہی دو کو اصول سمجھتا تھا۔

(2)

مشہور مادیت پرستوں کا ایک طبقہ ہے جس میں قدیم یونانی مفکرین جیسے ڈیمقراطیس کیوکراشس بھی شامل ہیں اور جدید مفکرین آرنسٹ اور ہیگل اور وائیٹ لے بھی ہیں ان کا کہنا ہے کہ نہ تو خدا ہے اور نہ روح جیسی ناقابل توجیہ کوئی شئے ہے صرف مادہ ہی ہے۔

(3)

ڈیمقراطیس نے صرف اتنی لچک رکھی ہے کہ اس نے روح کو بھی مادی کہا ہے اور اس نے کہا ہے کہ روح لطیف تر نہایت چکنے اور ہموار جوہروں پر مشتمل ہے۔

(4)

افلاطون پہلا فلسفی تھا جس نے روح کو لافانی کہا ہے اور روح کائنات کی ایک قسم بتائی ہے یہ بھی ہے کہ ''عالمِ مثال'' کا تصور بھی اسی کا پیدا کردہ ہے اور اس نے روح کے دو رخ بتائے ہیں ایک عقلی اور ایک غیر عقلی پھر غیر عقلی رخ کو تین اصولوں پر مبنی بتایا۔

نمبر 1 ...... وقوفی (Cognitive)

نمبر 2 ...... اشتہائی (Appetitive)

نمبر 3 ...... روحی (Spiritual)

ان کے اعمال ''عملِ تفکر''، ''عملِ احساس'' اور ''عملِ خواہش'' بتائے ہیں وہ کہتا ہے کہ ہماری نفسی زندگی کے شیون ہیں اور غیر عقلی پہلو اسے عالم محسوس تک لاکر جسم میں تحلیل کر دیتا ہے اور عقلی پہلو اسے عالم مثال سے ملاتا ہے اس طرح اس کے اس

نظریے سے ''روح'' غیر اشتقاقی اور لافانی مانی گئی۔

(5)

ارسطو کے نزدیک جسم اور روح کسی ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں۔ روح جسم نہیں۔ جسم روح نہیں مگر دونوں ایک دوسرے کے متعلق ہیں روح ایک قوت ہے جو زندہ جسم میں ہوتی ہے اور مردہ جسم میں اس کا فقدان ہوتا ہے۔

(6)

برکلے کا کہنا ہے کہ میں جسے روح یا نفس (Nouse) یا انا (Ego) یا ذہن جو بھی کہتا ہوں اس سے مراد وہ فعال قوت ہے جو فکر کرتی ہے، خواہش کرتی ہے اور ادراک کرتی ہے۔

(7)

ہر کلیٹس نے روح کے لفظ کو ''آتشیں کہر'' کے معنی میں لیا ہے اور روح کو کائنات کے جاویداں اور عقلی آتشیں روح کے مماثل بتایا۔

(8)

ڈیوڈ ہیوم کا کہنا ہے کہ اگر روح واقعی کوئی چیز ہوتی تو مجھے اس کا علم ضرور ہوتا آخر وہ مجھ ہی میں موجود ہے مجھے اس کا علم کیوں نہیں ہوتا۔

(9)

جدید مفکرین نے ہیوم کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے گو ہمیں محسوسات کے ارتسامات سے یا انعکاساتِ روح سے اس کا پتہ نہیں چلتا مگر ذات کی بابت '' وجدانی آ گہی'' کے امکان کو ناممکن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ تھے چند مغربی فلاسفہ کے آراء لیکن عالم اسلام کے مفکرین کے آراء بھی دیکھ لیں

(1)

اخوان الصفا کی جماعت روحِ کائنات سے روحِ انسان تک درجہ بندیاں کرتی ہے اور روحِ عام و روحِ خاص کے نظریے دیتی ہے نفوس اربعہ کا فلسفہ بھی انہوں نے دیا ہے۔

(2)

نظام سیار معتزلی روح کو جسم کی شکل وصورت پر تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ روحِ انسان انسانی شکل کی ہے اور پورے بدن میں اس طرح موجود ہے جیسے دودھ میں مکھن موجود ہوتا ہے۔

(3)

شیخ اشراقی کہتے ہیں تجلی مجرد کا جو ربط روح وبدن سے ہے وہ علت ومعلول کا نہیں بلکہ عشق بنیادی وجہ ہے کیونکہ جسم تجلی کا خواہش مند ہے اور روح کے وسیلے سے اس تجلی کو حاصل کرسکتا ہے روح جسم میں اور ادھر سرچشمہ نور میں براہ راست تعلق قائم رکھتی ہے اور پھر روح تجلی کو تاریک جسم میں براہ راست داخل کرنہیں سکتی کیونکہ یہ ٹھوس جسم بہ اعتبار صفات ہستی دوسرے کونے پر موجود ہے ان دونوں کے درمیان ایک وسیلے کی ضرورت ہے یہ وسیلہ ایک وہ ہے جو ان کے مابین نور وظلمت کے درمیان ایک چیز ہے یہ واسطہ وسیلہ روح حیوانی (نفس) ہے یہ نفس ایک گرم شفاف لطیف بخار ہے جس کا مخصوص مقام قلب کی بائیں طرف ہے اور یہ نفس پورے بدن میں گردش کرتا رہتا ہے جس کا مخصوص مقام قلب کی بائیں طرف ہے اور یہ نفس پورے بدن میں گردش کرتا رہتا ہے۔

روح حیوانی میں اشتیاق نور کی موجودگی شمع اور پروانہ سے واضح ہوجاتی ہے کہ

حیوانوں کو بھی اشتیاق نور رہتا ہے یا مچھلیوں میں اس کی مثال تلاش کی جاسکتی ہے
اس لئے زیادہ تجلی کا حصول انسان کا نصب العین ہے پھر کہتے ہیں کہ نفس اور ذہن
ایک وحدت ہے جسے سہولت کے لئے کثرت میں تقسیم کیا جاتا ہے اور مختلف ملکات پر
اسرار طریقے سے روح سے مربوط ہیں (اس دور میں شمع و پروانے کا رشتہ اشتیاق
نہیں مانا جاتا مگر انہوں نے یہی مثال دی ہے)

شیخ اشراقی انسان میں قوائے محرکہ کے ضمن میں کہتے ہیں کہ وہ تین ہیں

1 ...... عقل یا روح ملکوتی یہ قوت امتیاز اور اشتیاق علم کا سرچشمہ ہے

2 ...... روح حیوانی یہ غضب شجاعت اقتدار بلند حوصلگی کا مآخذ ہے

3 ...... روح بہیمی یہ نفس پرستی واشتہا اور شہوانی جذبات کا منبع ہے

4 ...... ابن عربی تنزلات کا تیسرا تنزل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ تنزل تعین روحی ہے یعنی تعین روح یا ارواح کی صورت میں ہوتا ہے گویا یہی وحدت اپنے آپ کو بہت سے ارواح کی شکل میں منقسم و متشکل کرلیتی ہے مثلاً فرشتے ملکوت وغیرہ

5 ...... مجدد الف ثانی روح کو عالم امر کی تخلیق بتاتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ اسے عالم خلق کا ظرف ملا ہے جس سے اس میں خلقی خواص پیدا ہوگئے ہیں اور اس عملِ تجسیم سے صفات ہیجانات وسرکشی پیدا ہوئے اور اسی کا نام ہے ''نفس امارہ''

6 ...... شاہ ولی اللہ دہلوی نے روح حیوانی کو ''نسمہ'' کا نام دیا اور اوصاف یہ بتائے کہ یہ روح حیوانی اور روح انسانی کے درمیان رابطہ ہے یعنی نفس کو انہوں نے نسمہ کا نام دیا ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد نیک لوگوں کی روحیں ملکوت کے ساتھ مل کر مختلف النوع فرمائشات وفرائض ادا کرتے ہیں مثلاً دوسرے لوگوں کے

دماغوں میں نفیس خیالات یا اچھی تجاویز القا کرنا یا امراض وافکارِ پریشان کا ازالہ یا ثابت قدمی وغیرہ القا کرتی ہیں۔

7......ابن سینا کہتے ہیں روح مادیت سے ماورئ ہے روح کی سادہ ترین صورت نباتات میں ہے جس کی فعلیت تغذیہ وتولید ونشو ونما تک محدود ہے

حیوان میں روح نباتی کے علاوہ اپنی صفات بھی ایزاد ہوتی ہیں اور انسان میں منجملہ حیوان کے علاوہ صفات بھی ہیں پھر کہتے ہیں روح کی قوتیں دو حصوں میں تقسیم ہوسکتی ہیں

نمبر1......ادراکی قوئ

نمبر2......عملی قوئ

قوائے ادراکی معروضی وموضوعی ہوتے ہیں اور آٹھ حواس ہیں جن میں روح موجود رہتی ہے وہ ہیں سمع، بصر، ذوق، لمس، ادراک، شم، حرارت، برودت۔

یہ تھے کچھ مسلمان مفکرین کے آراء

آرائے مفکرین

دوستو! مناسب رہے گا کہ یہاں ایک معلوماتی جائزہ بھی پیش کرتا چلوں تاکہ مغرب کے خیالات کی بدلتی ہوئی ہواؤں کو دیکھا جاسکے

(1)

ابتدائی دور میں روح کو جسم کا سایہ تصور کیا گیا پھر عکسِ ظلی یا نقشِ ثانی کا نام دیا گیا

(2)

پھر اس کے بعد روح کو سانس یا بھاپ بتایا گیا یا بھاپ سے مشابہ قرار دیا گیا جو نیند

میں انسان سے جدا ہو جاتی ہے اور پھر جاگنے پر اسے جان بخشتی ہے۔

(3)

افلاطون سے لے کر 1739ء تک سبھی مفکرین نے روح کو روحیتی جوہر لافانی تسلیم کیا

(4)

1739ء میں ڈیوڈ ہیوم نے دلائل سے ثابت کیا کہ روح نامی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہیوم کا نظریہ تجرباتی نظریہ کہلایا۔

(5)

اس کے بعد کانٹ کا ماورائی نظریہ سامنے آیا جس میں اس نے جوہر کے روایتی نظریے کو رد کرنے میں ہیوم کا ساتھ دیا لیکن اس کا طریقہ کار مختلف تھا اس نے کہا کہ ارتسامات، حسیات، انعکاسات سے براہ راست ہمیں روحیتی جوہر کا علم نہیں ہوتا لہٰذا روح سے انکار قائم رہا لیکن ہیوم نے مدرکات و احساسات کے بنڈل کو روح کہا تھا جس سے کانٹ نے اختلاف کیا۔

(6)

اس کے بعد دو گروہ بن گئے ایک سائنسی مشاہدے، تجربے، نفسیات، وغیرہ سے سائنسی علم النفس کے قائل تھے انہوں نے بہت کچھ پیدا کیا اور بہت سے مفید معلومات بھی فراہم کیئے۔ دوسرا گروہ تصور پرست کہلایا جیسے نٹشے نے روح کو مطلق انا (Ego) کا نام دیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انفرادی روح عضوی طور پر روحِ مطلق سے مربوط ہے۔

(7)

ہیگل کے بعد کے مفکرین مثلاً بریڈلے شو، پنہاور بوزانکے وغیرہ نے کہا کہ نفس

(Nouse) ہی کائنات کا بنیادی مواد ہے اور یہ ارتقائی عمل کی پیداوار نہیں ہے۔

(8)

ڈبلیو۔ کے کلیفورڈ نے کہا تمام کائنات نفسی مواد کی ساختہ اور انسانی شعور اس کے ابتدائی احساسات کی ساختہ ہے اور وہ شعور سے مراد نفس یا روح لیتا تھا

(9)

جمیز وارڈ برطانوی مفکر ہے یا سی اے اسٹرالنگ امریکی مفکر ہے یا پانس جرمن مفکر ہے تو انہوں نے ہمہ نفسیات (Panpsy chism) پین پیسے چزم کا نعرہ بلند کیا جس سے انہوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کائنات کی اساس نفس، شعور، محسوسات ہی ہیں اور جسم و دماغ اسی بنیادی نفسی حقیقت کے مظاہر ہیں۔

(10)

ہکسلے نے کہا ذہن یا روح کچھ نہیں ہے یہ ایک دماغ کا مظہر تابع ہے اور نفسی عوامل کی موقعتی ضمنی پیداوار ہے۔

(11)

کرداریت پرست وائسن نے ''حرکی حسی'' نظریے سے ثابت کیا کہ فکر صرف تحت صوتی (Sub Vocal) بول چال ہے۔

(12)

تھارن ڈائک نے جانوروں پہ تجربات کے بعد سیکھنے کے عمل سے خطا و آزمائش کا نظریہ پیش کیا اور روح کے تمام حوالوں کو خارج کر دیا۔

(13)

روسی مفکر پاولوف جو مشہور کرداریت پرست ہے اس نے مشروط ردعمل کے نظریے

سے تعاون کے نظریے کو تقویت دی اس نے ادراکِ احساسات کو تہیجات کے ردِعمل کے سوا کچھ ثابت نہ کیا۔

(14)

ہالٹ، ماروین، مانٹیگو، پیری، پٹکن، اسپالڈنگ یہ سبھی امریکی مفکرین کا گروہ کہلاتا ہے انہوں نے آگہی کے نفسی عمل کو ایک جسمانی ردعمل قرار دیا اور یہ سارے تقریباً روح کو عضویات کی مرکب ساختہ مشین سمجھتے ہیں۔

(15)

سنٹیانا اسٹرانگ راجرس لائیو بوائے سیلرز پریٹ ڈریک ان فلاسفہ کا گروپ حقیقت پرست گروہ کے نام سے مشہور ہے ان کا خیال ہے کہ کائنات ثنویت پر مبنی ہے یعنی مادی اشیاء اور نفسی تصورات و کیفیات سے مرکب ہے اور انسان کی بنیادی چیزیں بھی یہی ہیں اور انہی دو کو اصل انسان سمجھتے ہیں یعنی مادہ اور نفس کو۔

(16)

نتائجیت پرست فلاسفہ کا گروپ یعنی سی ایس پیٹرسن پیرک وغیرہ نے جو ہریت روح پر کڑی نکتہ چینی کی ہے وہ نفس کو حیات مادی کی کشائش کا آلہ سمجھتے تھے۔

(17)

ابتدائی سائنس کہتی ہے روح حیات کی ترقی یافتہ شکل ہے حالانکہ یہ ایک الگ مستقل بالذات ہستی ہے۔

(18)

تصوف کہتا ہے کہ دنیا ایک ہی روح کے مظاہر ہیں جبکہ فرد کی روح الگ الگ ہے اور مرنے کے بعد روح برزخ یعنی علیین یا سجین میں جاتی ہے جہاں یہ بدن کے

تصرف سے قبل رہتی تھی۔تصوف کی ایک بڑی جماعت کا کہنا ہے کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے حشر میں مع الجسم ہوگا اور قبر سے مراد برزخ ہے نہ کہ مٹی کی قبر بلکہ قبر اسے کہتے ہیں جس میں انسان کی روح جائے ورنہ بدن تو پانی میں، جانوروں کے پیٹ میں بھی جاتا ہے اور آگ میں بھی جلایا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ روحوں کا برزخ میں ہونے کے باوجود جسم سے ایک رابطہ رہتا ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر روح مثالی صورت میں مجسم ہو جائے تو اسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے فوٹو بھی لے سکتا ہے۔

(19)

ڈاکٹر مسمائرے جو ویانا (آسٹریا) کا رہنے والا اور گلشن بگتاشی کا خوشہ چین تھا اس نے 1842ء میں یورپ میں روحانیت کو متعارف کروایا اور حاضرات ارواح کے ادارے اسی کی تشویق سے قائم ہوئے اور وہ خود کو Spiritualists کہلواتے تھے انہوں نے یہ دعوے کیئے کہ وہ جس شخص کی بھی چاہیں روح حاضر کر سکتے ہیں اور اس کے انہوں نے مظاہرے بھی کیئے اس طرح روح کو یورپ میں ایک حقیقت مان لیا گیا۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کا دعویٰ ایک اشتباہ پر مبنی تھا یعنی انہوں نے جسے روح سمجھا تھا وہ ہمزاد یعنی Duplicate تھا مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یورپ نے روح کے وجود کو سنجیدگی سے مان لیا

اس سے قبل روح کے بارے میں تین نظریے تھے

1 ......ساری کائنات روح و مادہ میں منقسم ہے

2......روح مادے کے ایک خاص انداز کا نام ہے ورنہ روح بھی ایک مادہ ہی ہے

3...... مادہ روح ہی کے ایک خاص پہلو کا نام ہے

ماضی بعید اور روح

انسانیت پر ماضی میں کئی دور گزرے ہیں پہلا حیوانیت کا دور تھا پھر حجری دور ہوا پھر زراعت اور پانی کی افادیت کو دیکھ کر اسے اپنی زندگی کا سب کچھ سمجھ کر نیچر سے ڈرنے کا دور شروع ہوا جسے دور وحشت کہتے ہیں اس کے بعد دور بربریت آیا جس میں ''بلی'' یا بھینٹ کا زمانہ شامل ہوا۔

عہد بربریت کا یہ عقیدہ آج بھی موجود ہے کہ روح مرنے کے بعد آزاد ہوتی ہے اور ہمیشہ اپنی قبر کے گرد چکر لگاتی ہے اور کبھی کبھی وہ دوسری روحوں سے بھی جا کر ملتی ہے اسی عقیدے کی وجہ سے اس زمانے کے لوگ اپنے سردار کے جانوروں اور بیویوں کو بھی اس کے مرنے کے بعد قتل کر دیتے تھے کہ وہاں ہمارے سردار کو ان کی روحوں کی ضرورت ہوگی اور یہ وہاں جا کر اس کی خدمت بجالائیں گی۔

اس دور جہالت کے بعد مذہب کا زمانہ آتا ہے مگر وہ اولین مذاہب چند نظریات سے اور چند توہمات سے مرکب تھے پھر جس جگہ انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تو انہیں بھی حکم ہوتا تھا کہ ''کلموا الناس علی قدر عقولهم'' وہ بھی اس دور کے انسان کو انہیں کے عقل کے مطابق تبلیغ فرماتے تھے لیکن وہ تبلیغ ان کے جانے کے فوراً بعد مسخ ہو جاتی تھی اور انسانیت اپنے بچپنے کی شرارتیں شروع کر دیتی تھی آخر وہ مذہب آئے جنہوں نے انسان کی اجتماعی ،انفرادی ،فکری ، جذباتی غرضیکہ ہر قسمی زندگی کو اس

کے سارے پہلوؤں سمیت اپنی پناہ میں لیا مگران مذہب کو آئے ہوئے صرف تین ہزارسال ہوئے ہیں یعنی جنہیں اسلامی مخصوص اصطلاح میں شریعت کہتے ہیں اس کی عمرتقریباً یہی ہے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی ایک انقلابی صدی تھی اس میں سائنسی اور فلسفے میں کافی بڑے نام پیدا ہوئے بہت سے نظریے رد ہوئے اور بہت سے نئے پیدا ہوئے لیکن اسی دور میں روح بھی زیر بحث آئی اسی دور میں روح کے بارے میں انکاروا قبال کا سلسلہ بھی دوبارہ جاری ہوا۔

اسی دور میں روح کوخلیات کا مجموعہ بھی بتایا گیا اور کہا گیا کہ روح انسانی جسم کے خلیات کا مجموعہ ہے یہ نظریہ آج ہمیں مضحکہ خیز لگتا ہے کیونکہ آج ہم نظریہ حیاتیات کے حوالے سے جانتے ہیں کہ انسان کے خلیات پانچ سات سال میں مکمل بدل جاتے ہیں بلکہ انسان کا پورا جسم ہی بدل جاتا ہے اور اعمال کا ان ڈیلیٹ ایبل ریکارڈ کا بیک اپ (Backup of undeletable Record) انسان کے تحت الشعور میں اپنی کامل حالت میں محفوظ رہتا ہے اور تحلیل نفسی کے ماہرین اسے ری ٹریو(Retrieve) بھی کرلیتے ہیں۔

اس کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ انسان کا دماغ ہی روح ہے اور وہی اصل انسان ہے لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو انسان منٹلی ڈسٹرٹ (Mantly Disturb) ہو جاتا ہے تو اس کے لاشعور میں اس کی شخصیت موجود بھی رہتی ہے اور مر بھی نہیں جاتا۔

اس کے بعد یہ بات ہوئی کہ خود انسان کا شعور ہی اس کی اصل روح ہے کیونکہ خود شعوری انسان سے مربوط رہنے کے باوجود ایک علیحدہ زندگی گزارتی ہے۔

اسی طرح کے نظریات پیش کیئے جاتے رہے اور شاید مستقبل میں بھی اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں گی مگر یہ روح ''وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا '' کے پردوں میں شاید ہمیشہ مستور رہے۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ کائنات ہی ایک معمہ بنی ہوئی ہے اس میں صرف روح ہی کیا ہے ہر چیز ایک معمہ ہے بقول شخصے یہ کتاب کائنات ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کا اولین اور آخری ورق کہیں گم ہو گیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں یہ کہاں سے کب اور کس طرح کس نے شروع کی اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ کتاب کس طرح اور کب اور کیسے کون ختم کرے گا۔

سائنس ایک پردہ دیکھتی ہے اسے ہٹانے میں سائنسدانوں کی پشتیں صرف ہو جاتی ہیں جب وہ پردہ ہٹتا ہے تو اس کے پیچھے سو پردے اور نظر آتے ہیں اور جسے ہم پردہ ہٹنا کہتے ہیں حقیقت میں ان سو پردوں کو معلوم کرنے کا نام ہے۔

اثباتِ روح

اس دور میں اگرچہ ہم یہ نہیں جانتے کہ روح کیا ہے مگر ہم اپنے ''اندر'' سے واقف ضرور ہیں یعنی ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اندر کوئی موجود ضرور ہے جس کی وجہ سے ہم زندہ ہیں اور ہم منطقی طور پر جانتے ہیں کہ جب ہم کہتے ہیں ''زید ناطق'' ہے تو زید کے نطق کو ہماری سماعت سنتی ہے اور ہمیں بتاتی ہے کہ زید ناطق ہے مگر جب ہم کہتے ہیں پوری نوع انسان ناطق ہے تو اس کا علم ہمیں ہماری قوت سماعت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ پوری نوع کے نطق کو دریافت کرنے والی کوئی دوسری چیز

ہے جو ہمارے نہاں خانوں میں کہیں مخفی ہے اور کلی کو معلوم کرنا اسی کا کام ہے۔
یہ ایک مسلمہ ہے کسی چیز سے لاعلمی اس کے فائدے اور ضرر میں مانع نہیں ہوتی جیسا کہ ہم صدیوں سے پانی پی رہے تھے اور اس سے استفادہ کر رہے تھے اور ہمیں H2O ایچ ٹو او کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ پانی کا ایک مالیکیول کیسے بنتا ہے مگر اس لاعملی کا ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوا یا یہ لاعلمی پانی کی افادیت میں ذرہ بھر مانع نہیں ہوئی اور نہ اس کے معلوم ہونے سے پانی کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔
ماضی میں انسان کو غلط فہمی تھی کہ پانی ایک عنصر ہے اس غلط فہمی کے باوجود پانی کی افادیت وہی تھی جو آج سب کچھ معلوم ہونے پر ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سارے جاندار پانی سے استفادہ کرتے ہیں اور اس کے کیمیاوی علم سے ناآشنا ہیں مگر پانی کا فائدہ انہیں اسی طرح پہنچ رہا ہے اسی طرح روح سے لاعلمی بھی ہمارے لئے اس کی افادیت سے مانع نہیں ہے۔
بحیثیت مسلمان ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے اور فرمایا ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمر '' خبردار عالم خلق وامر اللہ ہی کے لئے ہیں
جو عربی سے مس رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ''الا'' جہاں تنبیہ کے لئے ہوتا ہے وہاں پہ فخر کے لئے بھی ہوتا ہے یعنی فخر وتنبیہ دونوں کو جہاں ملانا ہو وہاں لفظ ''الا'' لایا جاتا ہے اور یہ عالم خلق وامر وہ ہے کہ جس پر اللہ جل جلالہ فخر فرما رہا ہے کہ میرے ہیں دوستو!
آراء کے سلسلے میں اس سے زیادہ اختصار مجھ سے نہ ہوسکتا تھا اگر فلسفے کی تین ہزار

سال کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو اس میں صرف دوسو فلاسفہ نظر آتے ہیں یونان جیسی فارورڈ تہذیب بھی صرف 6 فلاسفہ پیدا کرسکتی ہے اگر دوسو فلاسفرز کے آراء کو جمع کیا جاتا اور ہرایک کو ایک صفحہ دیا جاتا تو دوسو صفحات بنتے ہیں اسی لئے باقی کی آراء کو ترک کرتے ہوئے نتائج آپ کے سپرد کررہا ہوں۔

اس دور میں بھی منکرین روح کی کمی نہیں ہے بات صرف اتنی ہے کہ اس دور میں انہیں سمجھانا آسان ہوتا جارہا ہے مثلاً ماضی بعید میں جسم کی تصویر بنانا مشکل تھا پھر تصویر بنانا سیکھ لیا پھر فوٹوگرافی نے جسمانیت کو مختلف زاویوں سے سکیل پیپر پہ منتقل کردیا پھر مووی کیمرے آگئے اب تو وی سی آر اور ایسی جدید لاکھوں ایجادات سامنے آتی جارہی ہیں کہ جو نفس کو ریکارڈ کرنے میں مصروف ہیں کیونکہ نفس جسم سے لطیف تر ہے تو نفس کے حرکات کو ریکارڈ کرنا مشکل تھا مثلاً کیفیات نفسی کو فلمانا مشکل ترین کام تھا مگر اب تو ایسی ایجادات ہوچکی ہیں جو انسان کے خوابوں کو فلما لیتے ہیں اب یہ جو خواب میں چل پھر رہا ہے، دوڑ رہا ہے، ہنس رہا ہے، بول رہا ہے، سن رہا ہے یہ جسم کا کونسا رکن ہے؟

سائنس اپنے قدموں سے چل کر اسلام کی دہلیز کی طرف آرہی ہے کلام اِلٰہی میں جو نفس کا تصور دیا گیا تھا چودہ سو سال بعد کھل کر سامنے آرہا ہے انسان خواب میں گفتگو کرتا ہے تو زبان تو خاموش ہے جو وہاں بول رہا ہے وہ کون ہے؟

یہاں میں جدید نفسیات دانوں کے نظریات کی بات نہیں کروں گا کیونکہ انہوں نے تو خوابوں کو جنسی ہوس کے گرد گھما دیا ہے ان کے سامنے سیکس کے علاوہ کوئی بات تھی نہیں تو انہوں نے اسی پر سارے علم النفسیات کو گھما دیا ہے آپ مغرب کے تینوں

بڑے نفسیات دانوں کو دیکھ لیں یعنی فرائڈ یا ژنگ یا ایڈلر کے بکس کو دیکھ کر خود تصدیق کر سکتے ہیں۔

لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ خواب میں جو نظر آتا ہے وہ نفس ہی ہے یعنی خوابوں میں اڑ رہا ہے، ایک مکمل انسان اڑ رہا ہے، بھاگ رہا ہے جملہ کیفیات ساتھ لئے پھرتا ہے خواب میں بھی انسان خوش ہوتا ہے، غصہ کرتا ہے، دکھی ہوتا ہے، محبت کرتا ہے یعنی جملہ کیفیات خواب میں بھی موجود ہیں۔

غور کیجئے قارئین! انسان کے بدن کے ذرات اور وجود اتنا کثیف ہوتا ہے کہ عام مشینوں سے ریکارڈ کیا جا سکتا ہے مثلاً فوٹوگرافی سے تصویر لی جاسکتی ہے اور آواز ٹیپ ہوسکتی ہے اور دیگر چیزیں بھی ہم ریکارڈ کر سکتے ہیں لیکن نفس کے متعلقات اس سے بدرجہا لطیف تر ہوتے ہیں کیونکہ نفس وہ جوہر ہے جسے عام حالات میں ریکارڈ کرنا محال ہے لیکن پھر بھی ایسی ایجادات سامنے آ چکی ہیں کہ جو نفس کی حرکات و سکنات و گفتگو کو ریکارڈ کر سکتے ہیں۔

جیسے بیان ہو چکا ہے کہ خواب کو فلمانے والی مشین ہے انسان اپنے سرہانے مشین لگا کر سو جائے رات بھر جو خواب دیکھے گا وہ مشین فلم بناتی جائے گی صبح ٹیلی ویژن پر کیسٹ چلا کر دوبارہ دیکھ لے

اس کے بارے میں عرض کرتا چلوں ہمارے پاس اس دور میں انفارمیشن Information کے دو ذرائع ہیں پرنٹ میڈیا Print Media اور الیکٹرانک میڈیا Electronic Media۔ ہمیں مجبوراً ان پر انحصار کرنا پڑتا ہے اس لئے ان ایجادات کے بارے میں بھی ہمیں انہی دو ذرائع سے معلوم ہوا دروغ برگردن میڈیا ز۔

میں عرض کر رہا تھا کہ نفس ایک لطیف چیز ہے اور اس کو اس دور میں فلمایا جا چکا ہے روح اس سے بھی لطیف ہے بلکہ نا قابل یقین حد تک لطیف ہے یہ ایسی برقی رو ہے جسے ریکارڈ کرنا محال ہے بہر حال آج کل محال ہے مگر آج کا محال کل کے امکان میں بدل سکتا ہے اب تو سائنس جھوٹ کی حد تک ترقی کر چکی ہے کوئی جتنا بڑا جھوٹ بول دے سائنس کے دائرے میں سچ ثابت ہو جاتا ہے لوگوں نے نبی کے خلا میں جانے سے آج تک انکار کو جاری رکھا ہوا ہے اور آرمسٹرانگ چاند پر گالف کھیل کر آ بھی چکا ہے۔

بہر حال جسم وہ آلہ ہے کہ جو نفس کو پڑھ سکتا ہے اور نفس وہ آلہ ہے جو روح کو پڑھ سکتا ہے اور جسم کے نقوش نفس پر مرتب ہوتے ہیں اور نفس کے نقوش روح پر ثبت ہوتے ہیں ہاں اگر نفس کی طرح یا نفس انسان جیسے آلات عدم سے وجود میں آ جائیں تو روح کا مطالعہ ناممکن نہیں روح کو بھی ریکارڈ کیا جا سکتا ہے اس میں تعجب نہیں ہے اب تو انسان جمادات و معدنیات میں دماغ بھر رہا ہے، آہن کو سوچیں دے رہا ہے، لوہے میں شعور داخل کر رہا ہے، پلاسٹک کو لہجے دے رہا ہے، سٹیل کو سرود و ساز بخش رہا ہے، المونیم کو پر جبریل سے سرفراز کر رہا ہے تو جہاں نفس کو ریکارڈ کرنا مشکل نہیں رہا تو شاید عنقریب روح بھی تجرباتی مشاہدات سے ٹکرا جائے

حال ہی میں اخبار میں ایک خبر آئی تھی اگرچہ اخبارات کا 99٪ حصہ دروغ پر مبنی ہوتا ہے مگر خبر کے ساتھ ایک تصویر بھی تھی اس میں ایک آدمی کے آپریشن کے دوران موت ہوئی تھی اور اس کے آپریشن کی مووی بن رہی تھی تو اس کی روح کی تصویر کیمرے میں آ گئی تھی اور اس میں یہ بھی لکھا تھا اس تصویر کو موجودہ پوپ صاحب نے

بھی منگوایا ہے۔
یعنی ایسے کیمروں کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ جن سے مستقبل میں روح کی تصویر لی جا سکے اور آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی نظریہ وضع ہوتا ہے یا کوئی نظریہ رد ہوتا ہے یہ سب سائنس کی رفتار کے کارنامے ہیں۔
پہلے یہ نظریہ تھا کہ جواہر فنا نہیں ہوتے لیکن اب تو یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اعراض بھی فنا نہیں ہوتے مثلاً آواز ہے تو صدیوں سے اسے فنا تصور کیا جاتا رہا مگر اب ثابت ہوا ہے کہ آدم سے لے کر بہ ایں دم جو بھی آوازیں صادر ہوئی ہیں وہ ایتھر (اثیر) میں موجود ہیں چاہے وہ انسانوں کی ہیں یا جانوروں کی یا کسی ساز کی یا کسی ہتھوڑے کی سبھی آوازیں موجود ہیں یعنی آج سے قبل جناب عیسیٰ علیہ السلام کے خطبات کا انہی کی آواز میں باقی رکھنا محال عقلی تھا مگر اب تو جب چاہو ایتھر سے ان خطبات کو سن لو یعنی ثابت ہو چکا ہے کہ ایتھر میں جا کر کوئی آواز فنا نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے اصل میں شامل ہو جاتی ہے اسے جب بھی چاہیں جدا کر لیں کیونکہ اس کا ارتعاش موجود ہے جسے ہماری سماعت ادراک نہیں کرتی جیسے ریڈیو پروگرام ہوا میں موجود رہتے ہیں مگر ہمارے کان ریڈیو ہی کے وسیلے سے ان تک جا سکتے ہیں ورنہ ہماری سماعت عاجز ہے کہ اس کی فریکیونسی کا ادراک کر سکے۔
نوٹ ...... یاد رہے ماضی میں آواز کو عرض مانا جاتا تھا اب تو اسے اور سابقہ دور کے اکثر اعراض کو جوہر ثابت کیا جا چکا ہے بلکہ اب تو جوہر ہی جوہر رہ گیا ہے عرض بچا ہی کوئی نہیں۔
اسی طرح انسان فضا میں جو روشنی چھوڑتا ہے وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ

کی رفتار سے سفر کرتی رہتی ہے فنا نہیں ہوتی انسان کا سراپا بھی ابد تک باقی رہنے والا ہے جس طرح ٹیلی ویژن پروگرام فضا میں موجود رہتے ہیں، نیوز کاسٹر کا جسم عکسی شکل میں پورے ملک پر محیط ہوتا ہے مگر دیکھنے کے لئے وسیلے کی ضرورت ہے اب ٹیلی ویژن آن کیا تو دیکھ لیا یعنی یہ بھی فنا نہیں ہوتا۔

اسی کلیہ پر اب ایسے کیمرے ایجاد ہوئے ہیں جو ایک ایسے شخص کی تصویر بنا سکتے ہیں جو کسی کمرے میں دو چار گھنٹے پہلے موجود رہا ہو اور اس کے چلے جانے کے بعد اس کی تصویر بنائی جا سکتی ہے یعنی مستقبل میں امکان ہے کہ تجرباتی فلسفہ اور سائنسی فلسفہ مابعد الطبیعات کے لئے بھی وجدان (Self Evidence) پر انحصار نہیں کرے گا بلکہ فلسفہ مذہب اور سائنس کے مابین علاقہ متارکہ (No Mans Land) بھی نہیں رہے گا بلکہ سائنس فلسفہ اور مذہب ہم آہنگ ہو جائیں گے اور روح کے وجود کامل کا مشاہدہ بھی ہو سکے گا انسان طبعی انسان عقلی تک پہنچ جائے گا۔

روح کا علم

قرآنی نقطہ نظر سے روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے اور عالم امر کا مشاہدہ وسیلے کے بغیر ناممکن ہے اور پھر فلسفیان مغرب کا اختلاف بتا رہا ہے کہ ''☆وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا '' کے حدود کو عبور کرنا فی الحال انسان کے بس میں نہیں ہے علم روح آسان نہیں ہے ہاں عرفان روح ممکن ہے کیونکہ عالم غیر محسوس کا علم ناممکن ہے اور اس کا عرفان ہو سکتا ہے کیونکہ اسی عالم غیر محسوس کے صفات کو دیکھتے ہوئے شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆مَن عَرَفَ نَفسَهُ فَقَد عَرَفَ رَبَّهُ
جس نے اپنے نفس کا عرفان حاصل کرلیا اس نے رب کو پہچان لیا یہاں لفظ ''عرف'' ہے ''علم'' نہیں ہے یعنی علم نفس مشکل ہے اور عرفان نفس ممکن ہے اور جہاں خالق نے اپنی معرفت کا ذکر فرمایا ہے تو عرفان کا ذکر کیا ہے علم کا نہیں کیونکہ اللہ کا علم کسی کو حاصل ہو نہیں سکتا اسے معلوم کرنا محال ہے۔

حس و عرفان و علم

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ''حس'' کا تعلق جسم سے ہے اور یہ حسیات سے متعلق ہے اور عرفان کا تعلق نفس سے ہے اور علم کا تعلق روح سے ہے علم اور عرفان میں جو فرق ہے پہلے اسے دیکھ لیں عرفان ہے صفات و آثار سے موصوف و ذات موثر کو پہچاننا اور علم ہے ذات موثر و موصوف سے آثار و صفاتِ ذات کو سمجھنا۔
بہ الفاظ دیگر عرفان ہے تصویر سے مصور کو سمجھنا اور علم ہے مصور سے تصویر کو سمجھنا اور علم کلام نے انہی مفاہیم کے لئے ''برہان انیہ'' اور ''برہان لمیہ'' کی اصطلاحات وضع کئے ہیں۔
خالق کا عرفان مخلوق کے لئے خالق کی ذات سے ہو نہیں سکتا پھر اسی طرح آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام ہیں تو ان کے بارے میں بھی مَن مَاتَ وَ لَّم یَعرِفَ کا اعلان فرما کر بتا دیا کہ ان کی ذات کا علم اور ان کی حقیقت ذات کو سمجھنا محال ہے لہٰذا جس طرح خالق کو آثار سے پہچاننا ہے اسی طرح آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام کو بھی آثار سے پہچانو پھر نفس کے بارے میں بھی مَن عَرَفَ نَفسَهُ کی نص وارد ہوئی تو ثابت ہوتا ہے نفس

کا عرفان بھی ذات نفس سے نہیں صفات نفس سے ہوسکتا ہے۔
نفس کی ذات کا علم اس کی ذات کے حوالے سے ناممکن ہے اسی لئے بعض ناسمجھ لوگوں نے ''مَن عَرَفَ نَفسهُ '' والی حدیث کو تکلیف مالا یطاق کہہ دیا کہ یہ تو ایک ناممکن کو کرنے کا حکم ہے۔
اسی طرح روح بھی تو عالم امر سے متعلق ہے اس کا عرفان بھی شواہد و آثار روحی سے ہوسکے گا علم تو محال محض ہے کیونکہ یہ مجمولات جوہر یہ میں سے فسٹ کلاس کا جوہر ہے نہ یہ وجود میں محتاج غیر ہے نہ استکمال میں یعنی روح کو عدم سے وجود میں آنے کے لئے خالق کائنات کے علاوہ کسی کی محتاج نہیں ہے نہ اسے ماں کی ضرورت، نہ باپ کی، نہ نطفے، نہ اصلاب وارحام کی، نہ مراحل کی، نہ وقت کی یہ تو امری انسان ہے اور خالق نے فرما دیا ہے کہ
☆إِنَّمَا أَمرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيئاً أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ......(سورہ یٰسین 82)
جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے ''کن'' تو ہوجاتا ہے
یعنی روح لفظ ''کن'' کی تخلیق ہے یہ یاد رہے کہ ''کن'' سے ہونے والی چیز پر اصطلاحی طور پر لفظ ''تخلیق'' کے معنی میں لفظ ''تکوین'' لایا جاتا ہے

متعلقاتِ انسانِ عقلی

اس انسان عقلی کو سمجھنا مشکل ہے کیونکہ یہ فسٹ کلاس جوہر ہے اور اس کے اعضاء و جوارح بھی ہیں مگر غیر وضعی ہیں اس کے افعال و کمال بالفعل ہیں بالقویٰ نہیں، اکتسابی نہیں وہبی ہیں۔

اس کے اعضاء کی علیحدہ علیحدہ تشخیص ناممکن ہے کیونکہ اس کی مکمل ذات ہی عضو کامل ہے علیحدہ نہ ناک ہے، نہ کان، نہ آنکھ لیکن وہ ان اعضاء کا کام اپنی ذات سے لیتا ہے دیکھتا ہے تو سراپا ''حس جلد یہ'' آنکھ بن جاتی ہے اس کا ایک ایک لطیف خلیہ کورنیہ کا کام دیتا ہے جب یہ سنتا ہے تو عین سماعت بن جاتا ہے اس کے جملہ صفات عین ذات ہوتے ہیں۔

یہ جسم وصورت کے شوائبات سے ماوریٰ ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ عین عروج وشباب و کمال کے نقطہ انتہا پہ پیدا ہوتا ہے جب سے پیدا ہوتا ہے عین جوان ومکمل پیدا ہوتا ہے اس کے لئے تغیرات بھی نہیں ہیں۔

روح یعنی انسان عقلی ایک آفاقی انسان ہے جو زمان ومکان جہات وغیرہ کے حدود کی قید سے بلند وآزاد ہے اس کے لئے نہ بچپن، نہ جوانی، نہ ضعیفی، نہ گھٹنا بڑھنا ہے یہ غیرارضی ہے اور مادی علائق سے پاک ہے۔

کیونکہ یہ اعلیٰ ترین جوہر ہے اس لئے قوتوں میں سے اعلیٰ ترین قوت اسے عطا ہوتی ہے جس کا نام ہے ''عقل'' اور اسی کی وجہ سے اسے انسان عقلی یا انسان عقلانی کہا جاتا ہے۔

عقل

بدن پیدائش میں تدریج ومراحل سے گزرتا ہے کیونکہ یہ روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے یہ صرف ''کن'' کے سری عمل سے پیدا ہوتی ہے اور پیدا ہوتے ہی اپنے نقطہ کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے اور ''عقل'' روح کی قوت کا نام ہے کیونکہ روح امرِ الٰہی

سے ہے اسی لئے عقل بھی عطائے اِلٰہی ہے جسے وہ چاہے عطا فرماتا ہے۔
جس طرح عرفان کا تعلق شعور سے ہے اسی طرح علم کا تعلق عقل سے ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے
''اَلعِلمُ نُورٌ یَقذِفُہُ اللّٰہُ فِی قَلبِ مَن یَشَاءُ''
کہ علم ایک نور ہے خالق جس قلب میں چاہتا ہے یہ نورِ علم انڈیل دیتا ہے

ادراک وشعور وعقل

دوستو! یہ ایک مسلمہ ہے کہ جہاں بدن اور متعلقات بدن کی انتہا ہوتی ہے وہیں سے نفس اور متعلقات نفس کی ابتدا ہوتی ہے اور جہاں نفس اور اس کے متعلقات کی انتہا ہوتی ہے وہیں سے روح اور متعلقات روح کی ابتداء ہوتی ہے اسی لئے جہاں ادراک کی انتہا ہے وہیں سے شعور کی ابتداء ہے اور جہاں شعور کی انتہا ہے وہیں سے عقل کی ابتدا ہوتی ہے اور عقل کے فعل کا نام ہے ''تعقل'' یعنی عقل تعقل کرتی ہے۔
اس دور کی منطق میں انسان کو حیوان ناطق نہیں بلکہ حیوان عاقل کہا جاتا ہے کیونکہ بولتے سبھی حیوان ہیں اور وہ اپنی اپنی زبانیں سمجھتے ہیں اور انسان اپنی ہی نوع کی زبان بھی مکمل نہیں سمجھتا کیونکہ انسان اس وقت چار ہزار زبانوں سے زیادہ بولتا ہے بلکہ ہر 15 میل پہ زبان میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ناطقہ صفت انسان نہیں تعقل انسانی صفت ہے۔
تعقل سے جو علوم ''انسانِ عقلانی'' کو حاصل ہوتے ہیں اس خزانہ معلومات کا نام ہے ''علم'' اور علم نور ہے

علامہ جلیل شیخ عبدالعلی ہروی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں روح بھی نور ہے بلکہ نور مجرد ہے جوملکوت سے بھی بلند ہے اور نورِ روح کو نورِ علم حاصل ہوتا ہے اور یہی ''نور علیٰ نور'' کی تفسیر ہے

جس طرح انسان طبعی یعنی جسم کی مشق کو ''فن'' کہتے ہیں اور نفس کی مشق کے فن کو ''تفہم'' کہتے ہیں اسی طرح روح یعنی انسانی عقلانی کی مشق کے حسن کو حکمت کہتے ہیں۔

جس طرح روح امرالٰہی سے ہے عقل عطائے اِلٰہی ہے علم نور اِلٰہی ہے اسی طرح حکمت بھی ودیعت اِلٰہی ہے۔

حکمت کا مقام انسان عقلانی کا قلب ہے یعنی حکمت روح کے قلب کوبخشی جاتی ہے اورروح کے قلب روحی کا نام ہے''لب''اورحکمت اس میں متمکن ہوتی ہے۔

جیسا کہ ارشادقدرت ہے

☆ وَمَن يُؤتَ الحِكمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيراً كَثِيراً......(بقرہ269)

یعنی جسے حکمت عطا ہوئی اسے خیر کثیر عطا کر دی جاتی ہے اور صاحبان''لب'' کے علاوہ کون تذکرہ کرتا ہے۔

علومِ ثلاثہ

علومِ ثلاثہ میں سے انسان عقلانی کے لئے بھی ایک علم مخصوص ہے انسان طبعی (جسم) کے لئے علم طبعی ہے اور انسان نفسی (نفس) کے لئے علم معیاری اور انسان عقلانی (روح) کے لئے علمِ آفاقی وربانی (روحانیت) ہے جومحیط بالآفاق ہے۔

علم طبعی سے دنیا جیسی ہے اس کا علم حاصل ہوتا ہے

علوم معیاری دنیا کو جیسا ہونا چاہیے اس سے ان اقدار کا علم حاصل ہوتا ہے علوم ربانی سے عالم نا معلوم مابعد الطبیعات کا جسے نام دیا جاتا ہے ان کا علم حاصل ہوتا ہے یعنی عالم انوار، عالم ارواح جنت آئمہ اور ذات واجب یہ سب علوم ربانی کے دائرے میں آتے ہیں یعنی وہ آفاقی سچائیاں ہیں جو انسان کو اکتساب سے حاصل نہیں ہوتیں یہ تو روح کا عالم ہے جہاں ☆ وَمَا أُوتِيتُم مِّن الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلا کا بورڈ آویزاں ہے انسان عقلانی کی قوت ''عقل'' کا ایک خاصہ ہے جس کا نام ہے ''وہم'' یعنی نا معلوم کو معلوم کرنے کی جستجو کا کام ''وہم'' کے ماتحت ہوتا ہے اس پہ مکمل بحث کتاب عروج السعادة میں دیکھئے میں جگالی کے خلاف ہوں اس لئے ترک کر رہا ہوں باقی ارکان کی طرح انسان عقلانی کی طاقت کا ایک سٹور ہے جس کا نام ہے ضمیر جیسے حدیث قدسی کا فقرہ تھا کہ فی الفواد ضمیر یعنی فواد کے اندر مقام ضمیر ہے جو ہر فعل پہ انسان کو اقدار وشرافت کا آئینہ دکھاتا ہے اس کے پاس علوم واقدار کے نمونے محفوظ ہیں اور یہ ہر عمل پہ انسان کو وہ پیمانہ پیش کرتا ہے جو عمل کی بہتر اور آخری شکل دکھاتا ہے ضمیر صرف آئینہ دکھاتا ہے نفس لوامہ ملامت کرتا ہے کہ یہ عمل اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا یہ ضمیر تو صرف خالص چیز کا نمونہ دکھاتا ہے کہ موازنہ کر لو کیا درست ہے کیا درست نہیں۔

سرسری جائزہ

چاہتا ہوں کہ ایک سرسری جائزہ لیتا چلوں تاکہ اگلی منزل کی طرف چند قدم بڑھائیں

انسان نفسی کیا تھا؟ نفسِ انسان جس کے اعضاء و جوارح متمائز و وضعی نہیں، امتیازی نہیں ہوتے اس کے کسی عضو کی طرف اشارہ نہیں ہوسکتا اس کے قوائے اعضا محدود نہیں ہیں وہ ایک لمحے میں ہزاروں میل تک جا کر واپس آ سکتا ہے یہ وہی انسان ہے جو نیند میں انسان کو سوتا چھوڑ کر پوری کائنات میں غواصیاں کرتا ہے، کبھی اڑتا ہے، کبھی چلتا ہے یہ جسم سے نکل کر ہزاروں کرشمے دکھاتا ہے، کبھی پانی پہ چلتا ہے، کبھی آسمانوں پہ اڑتا ہے اس کی ترقی انسان طبعی سے بدرجہا تیز اور زیادہ ہوتی ہے ہوا میں اڑتا ہے اس کے اعضاء میں بھی گویائی کی قوت ہوتی ہے اور قیامت کے دن اسی سے حساب لیا جانا ہے۔

☆الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ......(یٰسین 65)

کہ جب زبان پر پہرہ ہوگا تو اس کے ہاتھ پاؤں بول رہے ہوں گے

نفس کو جسمانی کثیف و غلیظ مادہ جملہ کمالات سے روکتا ہے یہی کثیف مادہ مانع کمال ہے کہ یہ مجبور ہے کہ جب تک جسم میں رہے جسم کی آنکھ سے دیکھے، جسم کے کانوں سے سنے، جسمانی زبان سے بولے یعنی جسمانی اعضاء کے استعمال پر مجبور ہے جب یہ اس قفس عنصری کی لحم و عظام کی سلاخیں توڑ کر آزاد ہوا تو پھر کوئی چیز مانع نہیں ہوگی اس کے جملہ کمالات بالفعل ہو جائیں گے ہر قسمی مظاہرے کرنے کا حامل ہوگا پھر اس کے ہاتھ پاؤں جلد وغیرہ ناطقے کا کام کر دکھائیں گے اس کا ہر عضو جملہ اعضا کا متبادل ہوگا ہر عضو ہر کام کر سکے گا۔

اس کے بعد ہے انسان عقلی یعنی روح تو اس کا تعلق عالم امر سے ہے اس کا کما حقہ علم

ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ نور مجرد ہے اس کے لئے قرب و بعد مساوی ہے اس کا ہر عضو مکمل روح ہے مکمل انسان ہے یہ خود ایک نور ہے اور اسی نور ہی سے دیکھتا سنتا ہے یعنی جملہ اعمال بجا لاتا ہے یہ لافانی ہے غیر متغیر ہے اس کا ہر فعل بالذات ہے اس کے صفات بالذات ہیں جیسے مادے کے چند صفات بالذات ہوتے ہیں یعنی ابعاد اربعہ طول وعرض وعمق وزمان اسی طرح اس کے صفات بالذات ہیں جیسے پانی کی نمی بالذات ہے ،لوہے کی صلابت بالذات ہے، آگ کی حرارت بالذات ہے کہ حرارت کے بغیر آگ کا تصور محال ہے،نمی کے بغیر پانی کا تصور محال ہے اسی طرح روح کے جملہ افعال وصفات بالذات ہیں۔

نفس کیا ہے؟

دوستو! میری اس کتاب کا بنیادی موضوع یہی ''نفس'' ہے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ''علم عرفانیات'' میں مرکزی حیثیت اسی نفس کے عرفان کی ہوتی ہے کیونکہ جو شخص اپنے خالق کا عرفان حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس کی معرفت بہت ضروری ہے اور ماضی قدیم سے حال تک سارے عرفاء نے اسی عرفان نفس پہ بہت زور دیا ہے اس لئے اس پہ میں قدرے تفصیل سے بات کروں گا کیونکہ سارے عرفاء اسی سوال پہ بحث کرتے ہیں کہ نفس کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں ہمیں سب سے پہلے ان ماخذ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ جہاں جہاں اس کا جواب مل سکتا ہے

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ اس نفس کے لئے اصطلاحات میں پانچ طرحیں رائج ہیں

نمبر 1......اصطلاحِ لغت

نمبر 2......اصطلاحِ کلام

نمبر 3......اصطلاحِ فلسفہ

نمبر 4......اصطلاحِ قرآن

نمبر 5......اصطلاحِ عرفانیات

1-اصطلاحِ لغت

اصطلاح لغت میں ''نفس'' کے معنی ہیں جسم، خون، جان، روح، فرد، قلبِ انسان

2-اصطلاح کلام

اصطلاح کلام میں جناب کمیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جو مشہور حدیث ہے اسی کو پیش کیا جاتا ہے اس میں ہم تفصیل سے بات کریں گے

3-اصطلاح فلسفہ

جب ہم فلسفے کے کتب میں اترتے ہیں تو ہمیں ایک طرح سے مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ''نفس'' کو فلسفے میں بطور ''اصطلاح'' کوئی ایک جامع و مانع تعریف حاصل نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ حقیقتِ نفس آراء کے انبار تلے دبی ہوئی ہے مثلاً

حکماء ''روح'' کو نفسِ ناطقہ کہتے ہیں

جمہور کے نزدیک ''نفس'' عقلِ کل کا نام ہے

اطباء کے نزدیک جب غذا سے خون بن کر دل میں سے لطیف بخار بن کر جگر میں آتا

ہےتو وہی ''نفس ناطقہ'' ہے اسی لئے وہ نفسِ ناطقہ کو'' روحِ طبی'' بھی کہتے ہیں اور
جب یہ لطیف بخارجگر سے اعصاب میں آتا ہے تو ''روحِ نفسانی'' کہلاتا ہے
اعصاب سے بذریعہ شرائن جب یہ خون جسم میں سرایت کرتا ہےتو ''روحِ حیوانی''
کہلاتا ہےاس کا مبدہ دل ہے یہ سب فانی مخلوق ہےصرف روح ربانی انسانی ہے
جوکہ عالم امر سے تعلق رکھتی ہے۔

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آج تک فلاسفہ میں سے فلسفی اس کا حتمی جواب دے
بھی نہیں سکا کیونکہ عرفان نفس ہی میں عرفان رب مضمر ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں
ہے کہ ☆مَن عَرَفَ نَفسَہُ فَقَد عَرَفَ رَبَّہُ کہ جس نے عرفان نفس حاصل کرلیا اس
نے عرفان رب بھی حاصل کرلیا۔

مغربی فلاسفہ کے آراء تو ویسے بھی میں نے اختصار کے ساتھ نقل کئے ہیں کہ ان کی
رائے کیا ہے بہتر ہے کہ پہلے اس پہ تھوڑا سا تبصرہ کرلوں جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے
مغربی فلاسفہ اکثر خلط مبحث کے شکار ہوئے ہیں مثلاً کبھی تو وہ انا (Ego) کونفس کہتے
ہیں،کبھی روح (Soul) کونفس کہہ دیتے ہیں،کبھی عقل کونفس کہتے ہیں،کبھی شعور اور
لاشعور میں خلط ملط ہو جاتے ہیں پھر نفس کی تشریح میں متعلقات نفس کو روح سے یا
عقل سے وابستہ کر دیتے ہیں اور کبھی متعلقات نفس کو روح سے منسوب کرتے ہیں
یعنی وہ نفس اور روح کے مابین خط امتیاز نہیں قائم کر سکے۔

وہ صرف نام ہی میں تخلیط کا شکار نہیں ہوتے بلکہ خاصوں اور افعال میں بھی مرتکب
تخلیط ہو جاتے ہیں یعنی خود انہیں اپنی ناکامی کا احساس بھی ہے کیونکہ کبھی نفس سے
انکار کرتے ہیں،کبھی روح کی نفی کر دیتے ہیں بس دلائل کی تک بازیاں کر رہے ہیں

حتمی فیصلہ کوئی نہیں سنا سکا۔

4-اصطلاح قرآن

قرآن پاک میں ہمیں اس لفظ کا استعمال بہت زیادہ دفعہ ملتا ہے اور زیادہ مقامات پر مکمل انسان کے معانی میں لفظ ''نفس'' آیا ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ کلام پاک جملہ علوم کا سرچشمہ ہدایت ہے اس لئے اس میں ''نفس'' کو سبھی علوم کے اصطلاحات میں بھی استعمال کیا ہے لیکن قرآن پاک کے مترجم حضرات نے اکثر مقامات پر نفس کے لغوی معنی ہی لئے ہیں مثلاً لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا اللہ کسی نفس (انسان) کو اس کی برداشت سے زیادہ پر مکلّف نہیں فرماتا۔

اسی طرح کلام اِلٰہی کے سائنسی مفسرین نے نفس کو جسم کے معنی کے لئے لیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا......(نساء 1)

یعنی انسانوں کو ایک جسم واحدہ سے خلق فرمایا گیا ہے اور جدید سائنسی مفسرین نے یہاں نفس کے معنی جسم کے لئے ہیں یعنی ڈاکٹر لیمارک کی اتباع میں میرے بزرگ اور شفیق قلمی دوست مرحوم ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب نے بھی نفس واحدہ سے مراد ایمیبا لیا ہے جسے آج وائرس کہا جاتا ہے جو ایک سیل کا جاندار ہے وہ جاندار موزوں حالات میں ٹھیک دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور انہوں نے ''خلق منها زوجها'' کی تفسیر بھی اسی طرح کی ہے کہ یہ تقسیم کا عمل اسی واحد کا دو ہونا قرآن سے ثابت ہے میں چارلس ڈارون اور لیمارک کی تھیوریز نہیں لکھنا چاہتا اسی لئے عمداً ترک کر رہا ہوں

کہیں نفس فرد کے لئے آیا ہے مثلاً سورہ آل عمران

☆ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ الله كِتَاباً مُّؤَجَّلاً

یعنی کوئی فرد اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا

دوستو! اصطلاح عرفانیات میں یا اصطلاحات کلام میں لفظ ''نفس'' جن معانی میں آتا ہے اس کا مآخذ بھی قرآن مقدس ہی ہوتا ہے اس لئے ان معانی میں اگرچہ اختلاف ہے مگر وہ اختلاف حقیقی نہیں ہے۔

یارب محمدؐ و آل محمد صل علی محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 5

نفس

(در اصطلاح کلام)

اے جویندگان چشمہ عرفان !

ہم اس سے قبل یہ بیان کر آئے ہیں کہ کن کن اصطلاحات میں نفس کو کس طرح بیان کیا جاتا ہے یہ نفس کیا ہے اس سوال کا جواب ایک عام انسان کیا دے سکتا ہے یہاں منطق و فلسفہ اور استدلال فلسفہ سب بیکار ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ

پائے استدلالیاں چوبیں بود

کہ فلسفہ سے استدلال کرنے والوں کے پاؤں لکڑی کے بنے ہوئے ہیں کہ ان قدموں سے چل کر انسان ماورائے الطبعیات میں داخل نہیں ہوسکتا

صاحبان کلام نے اس سوال کا جواب امیرالمومنین علیہ الصلواۃ والسلام کے اس مشہور خطبے میں دریافت کیا جسے جناب کمیل ابن زیاد رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ حدیث نفس انسانی کے بارے میں نہیں بلکہ اس میں نفس سے مراد پورا انسان ہے اور اس کے اندر جو قوتیں کارفرما ہیں ان کے بارے میں ہمیں آگاہ فرمایا گیا یعنی جس طرح منطقی طور پر ہم نوع کو بیان کرنے کے لئے اس میں جنسی

خاصے، نوعی خاصے اور جنس وفصل کو بیان کرتے ہیں اسی طرح امیرالمومنین علیہ الصلواۃ والسلام نے گویا انسان کا منطقی تجزیہ فرمایا ہے آیئے پہلے اس حدیث کو دیکھ لیتے ہیں امیر کائنات فخر موجودات علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا اے کمیل بن زیاد نفس چار ہیں اور ہر نفس کی پانچ پانچ قوتیں ہیں۔

1 ...... نفس نامیہ نباتیہ کہ اس سے مراد نفس طبعی ہے

2 ...... نفس حسیہ حیوانیہ کہ اس سے مراد نفس حیوانی ہے

3 ...... نفس ناطقہ قدسیہ اس سے مراد نفس انسانی ہے

4 ...... نفس الہیہ ملکوتیہ کلیہ اس سے مراد نفس ربانی ہے

کمیل نے عرض کیا آقا نفس نباتیہ کیا ہے

فرمایا یہ ایک قوت ہے جس کی اصل چار طبائع ہیں

(1) حرارت

(2) برودت

(3) رطوبت

(4) یبوست

نفس نباتیہ کی پانچ قوتیں ہیں

...... ماسکہ Power of Relation

...... جاذبہ

...... ہاضمہ

...... ذائقہ

......مربیہ

اس کے دو خواص ہیں

......گھٹنا

...... بڑھنا

اس کی ایجاد استقرار نطفہ کے وقت ہوتی ہے

اس کا مقام جگر ہے

اس کا مادہ غذاؤں کا جوہر لطیف ہے

اس کے فراق کا سبب ان چیزوں کا اختلاف ہے جو اس کے تولد کا اسباب ہوتی ہیں

جب مفارقت کرتا ہے تو اپنی اصل سے مل جاتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوتا

اس کی تھوڑی سی وضاحت عرض کر دوں

منطق میں یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان میں کچھ چیزیں نباتات کی طرح کی ہیں

انسان میں نشو ونما اور خوراک کی احتیاج وغیرہ جیسے صفات دراصل خاصہ ہائے نباتی ہیں اور ان میں انسان اور نباتات میں اشتراک ہے

نفس نامیہ ونباتیہ

امیر کائنات فخر موجودات علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا کہ پہلا ہے نفس نباتیہ اس کی جمادات سے اضافی صفت نمو اور بڑھنا ہے کیونکہ بڑھنے اور گھٹنے کا تعلق حرارت اور برودت سے ہوتا ہے اس لئے اس کی طبائع میں وہی چار چیزیں گنوائی گئی ہیں جن پر انحصار نمو ہے یعنی حرارت برودت (عدم حرارت) رطوبت (تری) یبوست

(خشکی) ان طبائع کے اعتدال سے نفس نباتیہ درست حال میں رہتا ہے یہی نفس نباتیہ نامیہ کی صحت کا راز ہے کہ ان میں اعتدال ہو۔
نشو ونما کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کچھ قوتیں ہوں جو خارج سے کچھ حاصل کر کے اپنے اندر بھرتی رہیں تا کہ نشو ونما جاری رہے اس لئے نفس نامیہ نباتیہ کو خالق کی طرف سے پانچ قوتیں ودیعت ہوتی ہیں

قوتِ جاذبہ

جاذبہ کا عمل یہ ہے کہ وہ اغذیہ کو خارج سے داخل کرتی ہے غذا کو چوستی ہے غذائیت اخذ کرتی ہے یعنی نباتات کے اندر لے جاتی ہے اگر یہ نہ ہوگی تو نباتات غذائیت سے محروم ہوکر فنا ہو جائیں اور جہاں اس قوت کا کام ختم ہوتا ہے وہیں سے قوت ماسکہ کا کام شروع ہو جاتا ہے

قوتِ ماسکہ

قوتِ ماسکہ کے عمل سے جو غذا اندر پہنچ جاتی ہے اسے محفوظ رکھنا اور ضائع ہونے سے بچانا ''قوتِ ماسکہ'' کا کام ہے یہ غذا کو سٹور رکھتی ہے تا کہ جسم اس سے مکمل غذائیت حاصل کر سکے اگر یہ نہ ہوتو غذا جسم کے لئے مفید اجزا کے حصول میں ناکام ہو جائے یعنی اگر غذائیت کے اخذ کرنے کا عمل سست ہوگا تو غذا ضائع ہو جائے گی تو اس کی تکمیل تک غذا کو ذخیرہ رکھنا یہ ''قوتِ ماسکہ'' کا کام ہے جہاں اس کا کام ختم ہوتا ہے وہاں سے ''قوت ہاضمہ'' کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

قوتِ ہاضمہ

''قوت ہاضمہ'' کا کام یہ ہے کہ سٹور شدہ غذا کو تحلیل کے عمل سے گزار کر اس میں سے غذائیت کا رس نکالنا اور غذا میں موجود ہر چیز کا مفید رس (جوس) نکالنا اور غذا سے غذائیت کو جدا کرنا یہ ''قوتِ ہاضمہ'' کا عمل ہے جہاں اس کا کام ختم ہوتا ہے وہیں سے ''قوتِ مربیہ'' کا کام شروع ہوتا ہے

قوتِ مربیہ

قوتِ مربیہ کا کام حاصل شدہ غذائیت کو جسم کی تربیت کے لئے جسم میں لے جانا ہے یعنی ان اجزا میں سے خون، پانی، شوگر وغیرہ کی تیاری کروانا اور اس میں سے جسم کے لئے ضروری اجزاء کیلوریز Calories وٹامنز Vitamins پروٹین Protien وغیرہ حاصل کرنا ہے اور ان کی تقسیم کا عمل قوت مربیہ کرتی ہے مثلاً انسان ہو یا نباتات اس میں پہنچنے والی غذائیت سے کچھ سے تنا بڑھانا ہے، کچھ سے شاخیں، کچھ سے پھل پھول، کچھ سے جڑوں میں اضافہ کرنا ہے انسان کے جسم میں کچھ سے خون، کچھ سے چربی، کچھ سے دانتوں اور دیگر ہڈیوں کے لئے گودا، کچھ سے بالوں کے لئے رس وغیرہ نکالنا اور اس غذائیت کی درست مقدار میں تقسیم یہ ''قوت مربیہ'' کا کام ہے۔

قوتِ دافعہ

جب غذا سے غذائیت نکالی جا چکی ہے تو فاضل مواد کو جسم سے باہر پھینکنا بھی ضروری

ہے تو یہ کام قوت دافعہ کرتی ہے کیونکہ انسان بھی قویٰ میں نباتات کا شریک ہے اس لئے اس میں بھی یہ پانچوں قوتیں ہوتی ہیں۔

کیونکہ جسم نامیہ کی وجہ سے نباتات وحیوان وانسان تینوں ایک صف میں آتے ہیں اس لئے ان قویٰ کا ہونا ان تینوں میں ناگزیر ہے اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ جسم نامیہ ایک شوگر فیکٹری ہے قوت جاذبہ گنوں کو بیلنے تک لاتی ہے، ماسکہ رس میں سے چینی کے اجزاء نکالتی ہے اور بوائیل کر کے چینی کے قریب لاتی ہے، مربیہ مکمل چینی تیار کر کے باہر بھیجتی ہے اور دافعہ فاضل مواد کو بگاس اور غلیظ رس اور ''پرس'' اور ویسٹ کی طرح باہر نکال پھینکتی ہے اور جو اس مشین کو چلانے والا انجینئر ہے اس کا نام ہے نفس نامیہ نباتیہ اور اس کا مادہ اغذیہ کا جوہر لطیف ہے۔

امیر کائنات فخر موجودات علیہ الصلواۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اس نفس کی ایجاد استقرار نطفہ کے وقت ہوتی ہے یعنی جب اس کا نطفہ قرار پکڑتا ہے تو یہ نفس پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اگر جسم نامیہ کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی نفس سے خالی تصور کر لیا جائے تو پھر وہی سیکنڈ اس کے نمو سے بھی خالی ہوگا کیونکہ اس میں نمو اور نشو ونما نفس نباتیہ نامیہ کی وجہ سے ہے اگر یہ نہ ہوگا تو جسم میں نشو ونما نہ ہوگی۔

نطفہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نطفہ کیا ہے؟ کہ جس کے استقرار کے وقت یہ نفس ایجاد ہوتا ہے؟

تو اس کے لئے بھی ہمیں آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام کے در دولت سے جواب حاصل کرنا

ہو گا

مادیت پرست دنیا کہتی ہے کہ نطفہ انسان کے اندر کی مشین کی تخلیق ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان میں مادہ منویہ اندر سے پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ انسانی نطفہ اغذیہ کا نچوڑ ہوتا ہے یعنی اصل مادہ تولید کو انسان نباتات وحیوانات سے حاصل کرتا ہے۔

مگر پھر بھی ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ آخر نباتات وحیوانات کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ تو پہلی کڑی یہ ہے کہ حیوانات نباتات سے حاصل کرتے ہیں اور انسان بھی ان دونوں سے اور وہ جانور بھی جو vegetarian (سبزی خور) نہیں وہ بھی سبزی خور جانوروں کو کھا کر نطفہ حاصل کرتے ہیں۔

اصل نطفہ وہ ہے جو کائنات میں ریڈی ایٹ Rediate ہونے والی شعائیں ہیں جو یونیورس Universe میں ایٹم Atom کی تخلیق کا عمل کرتی ہیں جس کی ریڈی ایشن Rediation جملہ اجسام پر کیمیائی عمل کر کے جدید سے جدید تر ایٹم کو تخلیق کرتی ہیں جب ان شعاعوں کی روکسی پودے میں دوڑتی ہے تو اس میں منویت پذیر ہوتی ہے مگر یہ مادہ نہیں ہوتا بلکہ ایک غیر مرئی لطافت ہوتی ہے جو درختوں اور سبزیوں میں چارج کی طرح دوڑتی ہے جب انسان میں وہی اغذیہ آتے ہیں تو معدہ جوس نکال کے جگر کو دیتا ہے اور پھر خون اور خون سے جملہ مراحل طے کر کے یہی لطافت و منویت مادہ تولید کا روپ دھار لیتی ہے اس لئے حدیث ہے کہ

☆عَن اَبیِ عَبدِاللّٰه علیه السلام قَالَ النُطفَةَ تَقَعَ بَینَ السَّمَاء وَالَا رضَ ......الخ

یعنی نطفہ اجسام وابدان انسان کا محتاج نہیں بلکہ ارض وسماء کے درمیان واقع ہے اور

جب نباتات اور اثمار و اشجار کو لوگ استعمال کرتے ہیں یا بہائم (حیوانات) تو ان میں جاری ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارض و سماء کے مابین موجود نطفے کا اصل مرکز کہاں ہے کہ جہاں سے نکل کر ارض و سماء کے مابین پھیل جاتا ہے؟

اس کا جواب مادیت کے پاس نہیں بلکہ وحی و الہام کی روشنی کے بغیر اس کا جواب دینا محال ہے تو پھر ہمیں حدیث کا سہارا لینا پڑے گا ارشاد ہے

☆اِنَّ فِی الجَنَّۃِ شَجَرَۃٌ تُسمّیَ المَزَنُ تَسقَطُ مِنھَا قَطرَۃٌ عَلَی النَّبَاتِ وَالبَقوُلِ فَمَا اَکَلَ مِنھَا مُومِنٌ اَو کَافِرٌ اِلَّا خَرَجَ مِن صُلبِہِ مَومِنٌ

جنت میں ایک ''مزن'' نامی شجر ہے اس سے نباتات اور ترکاریوں پر قطرات گرتے ہیں جو ان میں سے کسی سبزی ترکاری وغیرہ کو کھالیتا ہے چاہے وہ کافر ہو یا مومن اس کے صلب سے مومن ہی پیدا ہوتا ہے

یہ سلسلہ بتا رہا ہے کہ جب مومن کے لئے جنت میں شجر موجود ہے تو لازماً غیر کے لئے کسی غیر جگہ پہ ایسا ہی شجر موجود ہوگا جس کی قطروں سے کفار جنم لیتے ہوں گے۔

یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ الفاظ ''شجر'' اور ''مزن'' علامتی طور پر استعمال ہوتے ہیں ورنہ ان کی حقیقت کچھ اور ہوگی کیونکہ لفظ ''شجر'' شجرہ نسب والنسل کے لئے بھی وارد ہوتا ہے پھر لفظ ''مزن'' بمعنی سحاب یعنی بادل بھی استعمال ہوتا ہے اور مزن اور سحاب میں صرف یہی فرق ہے کہ بادل وہ ہے جو ہمیں نظر آتا ہے مگر مزن اس نمی کو کہا جاتا ہے جو فضا میں ہمہ وقت موجود رہتی ہے اور محکمہ موسمیات ہیگر و میٹر سے ہوا میں نمی کا تناسب بھی بتاتا ہے یوں سمجھیں ''مزن'' کی طرح کوئی چیز ایسی ہے جو جنت کی

فضا سے نکل کر کائنات میں نفوذ پذیر ہوتی ہے اور آگے یہ سلسلہ چلتا ہے۔

اگلا مرحلہ یہ ہے کہ یہ نفس ''اختلاف اجزا'' کی وجہ سے مفارق ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سے مل جاتا ہے یعنی اس کی کائنات کا غیر مرئی سلسلہ ہے کہ جس میں یہ شامل ہو جاتا ہے

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان میں اس کی موجودگی سے کیا مراد ہے یعنی نفس نامیہ نباتیہ اور نفس حسیہ حیوانیہ دونوں کا انسان میں لزوم سے کیا مطلب ہے؟ کیا انسان صاحب متعدد نفوس ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''نفس'' نباتات سے لے کر انسان تک ایک ہی ہوتا ہے صرف یہ ریفائین Refine ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے ریفائین Refine ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں قویٰ کا اضافہ ہوتا جاتا ہے ورنہ نفس ایک ہی ہے۔

نفس حسیہ حیوانیہ

جناب کمیل بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام سے دریافت کیا آقا فرمائیں ''نفس حسیہ حیوانیہ'' کیا ہے؟

امیر المومنین علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا ''نفس حسیہ حیوانیہ'' ایک فلکی قوت اور حرارت غریزی ہے۔

اس کی ایجاد ولادت جسمانی کے وقت ہوتی ہے

اس کے افعال

(1) حیات (2) حرکت (3) ظلم (4) غلبہ (5) اکتسابِ مال اور (6) دنیاوی

خواہشات ہیں

اس کی قوتیں

(1) سامعہ،(2) باصرہ،(3) شامہ،(4) لامسہ،(5) ذائقہ ہیں

اس کے خواص

(1) رضا،(2) غضب

اس کا مقام ''قلب'' ہے

اس کے فراق کے اسباب متوالداتی اختلافات ہیں جب یہ مفارقت کرتا ہے تو اپنی اصل سے جا ملتا ہے اس کی صورت مٹ جاتی ہے افعال باطل ہو جاتے ہیں اس کا وجود فنا ہو جاتا ہے ترکیب مضمحل ہو جاتی ہے

دوستو! آپ نے دیکھا یہاں امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان میں حیوانی صفات اور خاصوں کو کس طرح بیان فرمایا ہے یعنی انسان میں ''حیات'' بھی حیوان کی طرح ہے ''حرکت'' اور ''قوت ظلمیہ'' بھی حیوان کی طرح ہے ''خواہش غلبہ'' اور ''اکتساب رزق'' وغیرہ بھی انسان میں حیوانی اشتراک صفات کی علامت ہے۔

حواس، خمسہ رضا و غضب بھی انسان میں صفات حیوانیہ ہی ہیں یعنی انسان صفات نباتاتی اور صفات حیوانی کا مرکب ہے اور یہاں اس میں ان حدود کا تعین وتشریح کی جارہی ہے کہ ان کا کتنا اور کس طرح کا اشتراک ہے۔

دوستو! جو نفس انسان ہے وہ ایک ہے مگر جیسے جیسے وہ آلودگیوں سے پاک ہوتا جاتا ہے اس کے ان مقامات کے حوالے سے اس کے نام بدل جاتے ہیں۔

نفس حسیہ حیوانیہ دراصل نفس نامیہ نباتیہ کی بہتر صورت ہی ہے یعنی جب نفس نامیہ

نباتیہ ترقی کرتا ہے تو اس کی ترقی یافتہ شکل کو نفس حسیہ حیوانیہ کہا جاتا ہے۔
اس کے افعال میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ نفس چشمہ حیات سے سیراب ہوتا ہے یعنی حیات اور شعور اگرچہ کائنات کے ہر ذرے میں ہے جمادات سے لے کر ملکوت تک سبھی حیات سے بہرہ ور ہیں مگر نفس حسیہ حیوانیہ بہتر صورت میں حیات سے استفادہ کرتا ہے۔
یاد رہے کہ حیات اور موت دو مخلوق ہیں اگر مخلوق ہیں تو وجود ہیں عدم نہیں ہیں اور اصل حیات کا سرچشمہ ذات واجب الوجود ہے کہ جو حی و قیوم ہے اور اسی نے اپنی صفتِ حیات سے حیاتِ عالم کو اختراع فرمایا ہے اور حیات اس کائنات میں موجود ہوئی اور ہوا کی طرح موجیں مار رہی ہے بلکہ ہوا تو زمین تک موجود ہے مگر حیات محیط بالآفاق ہے جیسے زمین پر موجود ہوا سے ہر چیز استفادہ کر رہی ہے۔
سارے موجودات ہوا سے استفادہ کر رہے ہیں کچھ محسوس طریقے سے اور کچھ غیر محسوس طریقے سے مگر حیوان اور حیوان ناطق ہوا سے نمایاں انداز سے استفادہ کر رہا ہے اسی طرح نفس حسیہ حیوانیہ واضح طور پر ہوا سے استفادہ کر رہا ہے۔

حیاتِ موجودات

یہاں ایک بات عرض کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سبھی موجوداتِ عالم ذی حیات ہیں مگر ذی روح نہیں ہیں بعض حضرات نے روح کو لازمہ حیات قرار دیا ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ ''نبات'' و ''جماد'' کی حیات مسلم ہے اور یہ بھی ہے کہ جملہ موجودات عالم ذی شعور بھی ہیں اور ان کی Commitment (مکلّف ہونے) سے

بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جزا وسزا کا دارومدار تکلیف پر ہے اور جہاں جہنم کا ذکر ہے وہاں فرمایا گیا ہے کہ وقودہ الناس و الحجارہ یعنی جہنم کو کفار اور پتھروں کے لئے دہکایا گیا ہے اگر پتھروں کو بلا جرم جہنم میں جھونکا جائے تو خلاف عدل ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں۔

اب یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید پتھروں سے مراد وہ اصنام ہوں جنہیں کفار نے خدا بنالیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان پتھروں کا جرم نہیں تھا کہ وہ خدا بن گئے بلکہ جرم تو انسان کا تھا کہ جس نے انہیں خدا مان لیا ورنہ انہوں نے تو کبھی بھی دعوائے الوہیت نہیں کیا تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ جملہ موجودات عالم کے کچھ فرائض ہیں کہ جن سے کوتاہی برتنے پر انہیں سزا ملے گی تو یہی وجہ ہے کہ جملہ موجودات عالم کے لئے یہ کلیہ ناقص ہے کہ ''روح لازمہ حیات ہے''

اگر اسے درست مانیں گے تو ملکوت وخالق ملکوت کی حیات کی کوئی معقول تشریح نہ ہو سکے گی

جمہور نے حیات کی تعریف میں حس وحرکت وارادے کو داخل کیا ہے لیکن یہ تعریف حیات سرچشمہ حیات خالق ممکنات کی قامت موزوں پر پوری نہیں اترتی کیونکہ حرکت تغیر ہے اور ''کُلُّ مُتَغَیِّرٍ حَادِثٌ '' کے تحت خالق خود حادث ہو جائے گا ہر حال میں اتنا ماننا پڑتا ہے کہ روح لازمہ حیات نہیں مگر حیات لازمہ روح ہے ہاں یہ حقیقت ہے کہ حیات کے سمندر سے بصورت احسن واضح طور پر صرف نفس حسیہ حیوانیہ ہی استفادہ کرتا ہے۔

حرکت

نفس حسیہ حیوانیہ کا دوسرا فعل ہے ''حرکت'' اس کے بارے میں اتنا عرض کروں گا کہ ''حرکت'' بھی کائنات کے ہر ذرے میں موجود ہے یہی حرکت ہی ہے کہ جو ارتقاء کے عمل کو جاری رکھے ہوئے ہے ایک ایٹم کے دل یعنی نیوکلس میں الیکٹرون، نیوٹران، پروٹون کی دھڑکنیں اب تو دیکھی اور گنی جاسکتی ہیں جب ایک ایٹم کا دل دھڑک رہا ہے آثار حیات موجود ہیں تو کیا کائنات بے حس و حرکت ہے جب کہ ہر شئے میں ذرے سے سورج تک سلسلہ کہکشاں سے کاہ تک ہر چیز میں حرکت کا وجود نظر آتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ کائنات کا ہر ذرہ حرکت پذیر ہے مگر حرکت کی واضح شکل نفس حسیہ نے پیش کی ہے یعنی وجود حرکت کی نفس حسیہ میں ترقی یافتہ تصویر دیکھی جا سکتی ہے حرکت کے وجود پر مکمل تحقیق کرنا ہو تو ان فلاسفہ اور سائنسدانوں کے کتب دیکھیں جنہوں نے فطرت اور ارتقاء کو مرہون حرکت قرار دیا ہے۔

ظلم

ارتکابِ ظلم کیا ہے؟

ظلم کی تعریف یہ ہے کہ وضع الشی علیٰ غیر محلہ کسی چیز کو اپنے مقام سے اوپر یا نیچے رکھنا یا قرار دینا ظلم ہے۔

ظلم کی پہلی جھلک اور ہلکی سی نمود نباتات میں بھی موجود تھی یعنی اپنی ضرورت پر دوسرے کی زندگی کو قربان کرنا بھی ظلم ہے

ایکالوجی کا نظریہ ہے کہ ہر پروڈیوسر Producer ایک کنزیومر Consumer بھی

ہے نباتات بھی لاشعوری طور پر معدنیات کو غذا بنا کر پل رہے ہیں پھر نباتات میں سے ترقی یافتہ نباتات تو باقاعدہ طور پر حشرات الارض اور دیگر جانداروں کا شکار بھی کرتے ہیں اگرچہ وہ ظلم ہے مگر قابل گرفت نہیں کیونکہ وہاں صرف ''رجحان ظلم'' ہے شعور نہیں جیسے ایک بچہ کسی جاندار کو مار دیتا ہے یہ ظلم تو ہے مگر یہاں حاکم اور شریعت دونوں خاموش ہیں کیونکہ جزا وسزا شعور کے حساب سے ہے۔

ممکن ہے کوئی یہ سمجھے کہ انہیں شعور نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں بالکل شعور نہیں ہے ایسا نہیں ہے بلکہ انہیں خالق اور احکام فطرت کا شعور تو ہے مگر اس باریک ترین ظلم کا شعور نہیں ہے کیونکہ بقائے حیات کے لئے انہیں یہ شعور نہیں دیا گیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جیسے انسان پر کچھ جانوروں کی جان لینا مباح ہے یعنی غذائی ضروریات کے لئے انہیں ذبح کرنا جائز ہے اسی طرح ان پر بھی یہ ظلم مباح ہو۔

دوستو! آپ نے دیکھا کہ ظلم کی واضح تصویر بھی نفس حسیہ میں نظر آتی ہے کہ یہاں ظلم کے ساتھ شعورِ ظلم بھی ہوتا ہے۔

خواہشِ غلبہ

خواہش غلبہ بھی نباتات میں موجود ہے کہ ہر درخت دوسرے درخت پر غالب آنے کی لاشعوری کوشش کرتا ہے اس کی بہت سی مثالیں باٹنیBotny کے اندر موجود ہیں مگر غلبہ پانے کی خواہش بھی اس سے بہتر اور واضح صورت میں نفس حسیہ حیوانیہ میں نظر آتی ہے اور جانوروں کا ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا اور ایک دوسرے کو مغلوب کرنا ہر شخص کا چشم دید ہوگا۔

اکتسابِ مال

مال کے معنی ہیں اپنی طرف بہت زیادہ مائل کرنے والا یعنی جو بھی جس کی طرف مائل ہوتا ہے وہ اس کا مال ہے اس کے پیمانے جدا جدا ہیں ہمارے ہاں تو قیمت کا پیمانہ کمیابی کو قرار دیا جاتا ہے جو چیز کم مقدار میں ملتی ہے وہ قیمتی ہے جیسے سونا، چاندی، ہیرے وغیرہ پھر مال کے جملہ اقسام دیکھیں تو مال کی تعریف میں ہر وہ چیز آئے گی جس سے انسان اپنی کسی بھی قوت کی تشفی کر سکتا ہے اس طرح نباتات بھی جس چیز کو بقائے حیات سمجھتے ہیں اسے وافر مقدار میں جمع کر لینا چاہتے ہیں حالانکہ کسان کو زیادہ خبر ہوتی ہے کہ پیاز کو کب پانی دیں گے تو یہ صحت مند گروتھ کا حامل ہوگا کپاس کو کب اور کتنا پانی مفید ہے یہ کسان اپنی صوابدید پہ پانی وغیرہ دیتا ہے حالانکہ جب کپاس کی فصل کو خشک رکھنا مقصود ہو تو پانی کم سے کم دینا ہوتا ہے ایسے وقت میں کپاس کے پتے اظہار ناراضگی کے لئے مرجھا جاتے ہیں اور بعض جلد باز اور زرد رنج پتے تو ٹہنی سے چھلانگ لگا کر خودکشی بھی کر لیتے ہیں کیونکہ نباتات میں بھی اکتساب مال کا شعور موجود ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ نباتات میں مال کا تصور ضرورت بقا تک محدود ہو وہاں پانی ہی سب سے بڑا مال ہوتا ہے۔

نباتات میں اکتسابِ مال کا شعور موجود ہے مگر ان سے زیادہ حیوانات میں اکتسابِ مال کی تصویر واضح نظر آتی ہے اور پھر حیوان سے کہیں زیادہ روشن تصویر انسان میں دیکھی جا سکتی ہے

خواہشات

نفس حسیہ کا ایک فعل ہے ''خواہش'' جیسا کہ سابقہ بحث سے ثابت ہوتا آرہا ہے کہ نفس حسیہ کے افعال کی ایک جھلک نفس نباتیہ میں بھی موجود ہے مگر واضح تصویر نفس حسیہ حیوانیہ میں ہے اسی طرح خواہشات کا وجود بھی نفس نباتیہ میں موجود ہے یعنی نمو ہوگا تو خواہش نمو بھی ضرور ہوگی احتیاج ہے تو اس کی تشفی کے لئے خواہش کا ہونا بھی لازم ہے۔

خواہش کا دائرہ بقدر ضرورت و استعداد ہوتا ہے نباتات حیوانات کی طرح خواہش نہیں کر سکتے بلکہ اپنی نباتیت کے دائرے میں رہ کر ہی خواہش کر سکتے ہیں حیوان انسان کی طرح کوٹھی، کار، ٹی وی، فریج وغیرہ کی خواہش نہیں کر سکتے۔

انسان کے بھی مختلف طبقات میں خواہش کا ایک دائرہ ہوتا ہے مثلاً ایک دہقان چاند پر گالف کھیلنے کی خواہش نہیں کر سکتا، ایک بھکاری کرسی اقتدار کی خواہش نہیں کر سکتا، ایک لنگڑا تیراک اولمپک ریس میں حصہ لینے کی خواہش نہیں کر سکتا، ایک اندھا کاغان و کالام کی پر کیف وادیوں میں سیر کرنے کی خواہش نہیں کر سکتا یعنی صرف نوع انسان کے دائرے میں بھی خواہش کی مقدار و کمیت یکساں نہیں ہے لہٰذا کسی پست نوع میں خواہش کا وجود اس کی استعداد و صلاحیت پہ منحصر تسلیم کرنا پڑے گا۔

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ جیسے جیسے نوع بلند ہوتی چلی جائے گی خواہش میں وسعت اور بلندی پیدا ہوتی جائے گی اور خواہش کا چہرہ مدھم روشنی سے تیز روشنی میں آتا چلا جائے گا اور پھر نوع اعلیٰ میں اس کے خدوخال زیادہ ظاہر اور نمایاں نظر آئیں گے

اور جس پوائنٹ سے خواہش کا واضح اظہار ملتا ہے وہ ہے نفس حسیہ حیوانیہ۔
''نفس حسیہ میں نفس نامیہ نباتیہ'' سے کچھ اضافی قوتیں بھی موجود ہیں جس سے اس کی استعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے یعنی نفس نامیہ نباتیہ کے جو پانچ قویٰ ہیں وہ بھی اس میں بہتر صورت میں موجود ہیں اور کچھ اضافی قویٰ جو اسے حاصل ہیں ان کی غیر ترقی یافتہ شکل اگر چہ نفس نامیہ نباتیہ میں بھی موجود تھی مگر یہاں وہ ان سے ترقی یافتہ اور زیادہ واضح شکل میں موجود ہیں وہ قویٰ پانچ ہیں جنہیں حواس خمسہ بھی کہا جاتا ہے

قوتِ لامسہ

لامسہ کی قوت جسے انگلش میں Sence of Touch کہتے ہیں یہ بھی نفس نباتیہ میں ہوتی ہے مگر اتنی کم کہ دیکھی نہیں جاسکتی مگر اس کا وجود تجربات سے ثابت ہو جاتا ہے کچھ نباتات میں اس کی واضح جھلک بھی موجود ہوتی ہے جیسے لاجونتی جس کے بارے میں مشہور ہے It is a sensitive plant mimasa puotica کہ اگر انسان اسے ہاتھ لگاتا ہے تو اس کے پتے کچھ وقت کے لئے سمٹ جاتے ہیں اسی وجہ سے اسے شرم بوٹی یا ''چھوئی موئی'' بھی کہتے ہیں یعنی اس میں لمس کو محسوس کرنے کی مکمل صلاحیت موجود ہے تو اسی طرح باقی نباتات میں بھی ایسی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ لامسہ کا وجود نفس نامیہ نباتیہ میں بھی ہے مگر اس قوت کو بطور قوت کے نفس حسیہ حیوانیہ میں مقام ملا ہے حیوان میں لامسہ کی وجہ سے بہت سے افعال پیدا ہوتے ہیں یعنی بیسیوں افعال وہ ہیں کہ جن کی محرک یہی قوتِ لامسہ ہے۔

انسان محبت کی حرارت بھی لمس کی قوت سے ہی منتقل کرتا ہے مثلاً جب بچوں کو پیار کرتا ہے ہونٹ جب بچے کو چھوتے ہیں تو اس لمس سے وہ پیار محسوس کرتا ہے پھر انسان اور حیوان دونوں کا سلسلہ توالد وتناسل بھی لامسہ ہی کا مرہون منت ہے کہ اگر اس قوت کے لئے لذت والم کا وجود نہ ہوتا تو انسان کی نسل نہ بڑھتی اسی طرح لامسہ کے ماتحت جملہ افعال دیکھے جاسکتے ہیں۔

قوتِ سامعہ

The facality of hearing (یعنی سننے کی قوت)

اس کی اہمیت کے لئے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ناطقہ بھی اسی کا مرہون منت ہے انسان کو کتنے حوادث سے صرف یہی قوت بچاتی ہے جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ نباتات میں بھی سامعہ کی خفیف ہی قوت موجود ہے مگر حیوان میں یہ قوت ترقی یافتہ شکل میں موجود ہے پھر حیوانات میں بھی اس کی مقدار میں فرق ہے کچھ زیادہ حساس ہوتے ہیں کچھ غیر حساس اور کچھ انتہائی کمزور قوتِ سامعہ کے حامل ہوتے ہیں مگر نفس حسیہ حیوانیہ میں یہ قوت ضرور ہوتی ہے۔

یہ قوت ایک طرف حیوان کو دشمن سے بچاتی ہے اور شکار سے بھی آگاہ کرتی ہے پھر ایک دوسرے کو آپس میں مربوط بھی کرتی ہے اور اسی قوت کی وجہ سے اقسام حیوانات میں Understanding بھی ہوتی ہے بہر حال اگر ہم اس کی افادیت اور مکمل Work پر لکھیں تو بحث طویل ہو جائے گی۔

قوتِ باصرہ

Power of vision (یعنی دیکھنے کی قوت)

اس کی افادیت سے پوری دنیا آگاہ ہے، آشنا ہے۔ امیر کائنات فخر موجودات علیہ الصلواۃ والسلام کے فرمان کے مطابق یہ قوت نفس حسیہ حیوانیہ میں ہونا لازمی ہے کیونکہ حرکت کے لئے ضروری ہے کہ ہر قدم غیر ارادی طور پر نہ اٹھے بلکہ راستہ دیکھا جائے بقا کے لئے آنکھ کا ہونا لازمی ہے یعنی تلاش معاش و خوراک کے لئے بھی بصارت کا ہونا لازمی ہے۔

کچھ حیوان ایسے ہوتے ہیں جن کی بصارت کمزور ہوتی ہے تو وہ حیوان قوت شامہ سے کام لے کر اس کمی کو پورا کرتے ہیں۔

قوتِ شامہ

Sence of smelling (یعنی سونگھنے کی قوت)

اس کی مکمل تفصیل قوائے انسانی کے ضمن میں آئے گی یہاں صرف اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ شامہ یعنی سونگھنے کی قوت اور ذائقہ جو چکھنے کی قوت ہے ان کے احساسات ملتے جلتے ہیں یعنی جو چیز جانور چکھتا ہے وہ سونگھتا بھی ہے یہ عمل ناک کے پیچھے منہ اور ناک کے خلا Nosal cavity کی وجہ سے ہوتا ہے اور قدیم زمانے میں انسان کے لئے اور موجودہ دور میں حیوان کے لئے یہ حفاظتی حواس ہیں یعنی ہر جاندار دشمن کی بو کو پہچان لیتا ہے جیسے ہرن شیر کی بو کو کئی سو گز سے محسوس کر لیتا ہے اور بھاگ جاتا ہے اسی طرح ہر حیوان میں شامہ بہت سے افعال کی محرک ہوتی ہے۔

قوتِ ذائقہ Sence of Taste (یعنی چکھنے کی قوت)

یہ قوت بھی نفس نباتیہ میں موجود ہوتی ہے مگر اس کی واضح نشان دہی حیوان میں ہوتی ہے
اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ نفس حسیہ حیوانیہ کے خواص ہیں ''غضب'' اور ''رضا''
یعنی اس کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں یا تو وہ غضب ناک ہوتا ہے اور یا راضی ہوتا ہے
یعنی جب اس کے خواہشات سے کوئی متصادم ہوتا ہے تو یہ غضبناک ہو جاتا ہے
چاہے وہ بقائے حیات کی خواہش ہو یا خواہش خوراک و آب ہو۔خواہش آرام ہو یا
خواہش اختلاط زوجین غرض جو بھی اس کی راہ میں آئے گا روڑا اٹکائے گا حیوانیت کا
تقاضہ ہے غضب۔

غضب

،،جلبِ منفعت،، میں مانع و حائل پہ حیوانیت غضبناک ہوتی ہے اور دفع ضرر کے
لئے بھی اور ہر وہ چیز جس سے تکمیل خواہشات وابستہ ہے اس پر راضی ہوتی ہے یعنی
اس کی مکمل کائنات خود اس کی اپنی ذات ہوتی ہے۔

اس نفس حسیہ حیوانیہ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ ایک فلکی قوت ہے اور
حرارت عزیزی ہے اس کی ایجاد ولادتِ جسمانی کے وقت ہوتی ہے یعنی اس کا فلکی
ہونا تو نطفہ کی بحث میں آچکا ہے۔

حرارت عزیزی خود جسم کے اندر ایک فعال الیکٹرک کا نام ہے جس کا سرچشمہ دل
ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی مفارقت بھی متولدات کے اختلاف سے ہوتی ہے۔

موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

حواس ودماغ کاتعلق

اب ضروری ہے کہ حواس اور دماغ کا جو رشتہ ہے اسے واضح کیا جائے جدید سائنس نے کہا ہے کہ جسم کے حسی اعضاء (Receptors) سے تمام معلومات اعصاب کے ذریعے براہ راست دماغ تک پہنچتی ہیں یہ معلومات برقی توانائی کے چھوٹے چھوٹے پٹاخوں کی شکل میں جو ایک خلیے (Sell) تک اچھلتے جاتے ہیں لے جائے جاتے ہیں یہ دماغ میں خفیہ پیغام کی شکل میں پہنچتے ہیں جسے چھانٹنا اور سمجھنا دماغ کا کام ہے تمام حسوں سے جن میں آنکھوں اور کانوں کی ''حسیں'' بھی شامل ہیں ان کے معلومات دماغ کے ایک چھوٹے سے حصے تک پہنچتے ہیں جسے تھلیمس (Thalmus) کہتے ہیں صرف سونگھنے کے اعضاء کی معلومات دماغ کے سامنے والے حصہ میں داخل ہوتے ہیں تھلیمس جوتقریباً دماغ کے درمیانی حصہ میں ہوتا ہے آنے والی معلومات کو چھانٹتا ہے اورانہیں کارٹیکس (Cartex) یا دماغ کی سطح کی طرف بھیجتا ہے کارٹیکس میں گہری سلوٹیں ہوتی ہیں جس سے اس کا سطحی رقبہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے اس طرح وہ وصول شدہ تمام معلومات سے بخوبی نمٹ سکتا ہے۔

کارٹیکس کے مختلف حصے ''حسی اعضاء'' کے ہر سیٹ سے معلومات حاصل کرتے ہیں یہ حصے دماغ کی سطح کے آر پار سنگترے کی پھانکوں کی طرح ہوتے ہیں کارٹیکس کے رقبہ کی جسامت ''حس'' کی اہمیت کے تناسب سے ہوتی ہے شامہ (سونگھنے کی حس) دماغ کے ایک طرف چھوٹے سے رقبے میں محدود ہوتی ہے اور حس ذائقہ تھوڑا سا رقبہ گھیرتی ہے لیکن ''حس لامسہ'' دماغ کے آر پار ایک چوڑی پٹی پر محیط ہوتی ہے

جب کہ جسم کے حساس حصے جیسے ہاتھ اور ہونٹ کارٹیکس کا بہت بڑا حصہ گھیرتے ہیں کارٹیکس کے یہ تمام حصے عصبی ریشوں (Nerve fileres) کے ذریعے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور جسم کو مجموعی احساس دلاتے ہیں۔

قوت شامہ کے بارے میں جدید تحقیق بتاتی ہے کہ ہر خوشبو 50 ملین یا اس سے بھی زیادہ ''اعضائے حاسہ'' کے خلیوں میں تحریک پیدا کرتی ہے یہ سوال ابھی تک حل نہیں ہوا کہ اعضائے حاسہ بو کو کیسے پہچانتے ہیں میرا خیال ہے کہ اعضائے حاسہ انہی اشیاء کی وجہ سے عمل کرتے ہیں جن کے مالیکیولز کی شکل اور جسامت ان اعضاء کے مطابق صحیح ہوتی ہے یہ اشیاء اعضائے حاسہ میں اس طرح فٹ بیٹھتی ہیں جیسے تالے میں چابی اور بعض اشیاء کی بو میں یکسانیت بھی مالیکیولز کی صوری یکسانیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اصل بنیادی بوئیں چودہ ہیں اور باقی بوئیں انہی کے امتزاج سے بنتی ہیں جیسے بنیادی رنگ تین ہیں اور باقی ہزاروں رنگ انہی کی آمیزش کی ترتیب و ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں

تقریباً آٹھ 8 مالیکیولز ایک عصبی تحریک شروع کر دیتے ہیں لیکن دماغ کے نوٹس میں چالیس سے کم تعداد نہیں آتی لیکن پھر بھی چالیس کا نوٹس نہیں لیتے تاہم سانس کے راستے سے آنے والی ہوا کے پچاس ہزار 50000 مالیکیولز میں اگر مرکپٹان Mercaptan نامی شئے کا صرف ایک مالیکیول بھی ہو تو ہم پہچان لیتے ہیں اس کی بو گندے انڈے کی طرح ہوتی ہے۔

اسی طرح ذائقہ ہے تو اس کے اعضائے حاسہ بھی تب تحریک پاتے ہیں جب کوئی چیز

ان سے چھوتی ہے ذائقے کے اعضائے حاسہ ذائقے کے شگوفے Taste Busd کہلاتے ہیں یہ زبان کی بالائی سطح نرم تالوSoft Palateاور منہ کی پشت پر گچھوں کی شکل میں ہوتے ہیں ایک بالغ آدمی میں تقریباً دس ہزار10000 اور شیر خوار بچے میں ان کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ یہ گالوں کے اندرونی حصے کو بھی گھیر لیتے ہیں بالغ آدمی کے یہ شگوفے صرف زبان کے کناروں اور نرم تالو پر ہوتے ہیں اوران شگوفوں کی شکل انڈے جیسی ہوتی ہے اور یہ ایک باریک مسام کے ذریعے زبان کی سطح پر کھلتے ہیں اور یہ شگوفے ''پے پلے'Papillae' نامی اجسام میں گروہوں کی شکل میں ہوتے ہیں میٹھا اور نمکین ذائقہ زبان کی نوک کے قریب محسوس ہوتا ہے ترش یا کھٹا ذائقہ زبان کے کناروں پر محسوس ہوتا ہے اور تلخ ذائقے کو محسوس کرنے والا حصہ زبان کے آخر میں''کوا'' کے قریب ہوتا ہے اس لئے تلخی نگلنے کے قریب محسوس ہوتی ہے۔

پھر ذائقے درجہ حرارت سے بھی گھٹتے یا بڑھتے ہیں مثلاً مٹھاس گرم ہوکر زیادہ لگتا ہے اور کڑواپن سرد ہوکر زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

اب اگر ایک ایک حس یا قوت پر مکمل بحث کی جائے تو پوری جدید طب سامنے آجائے مگر میں صرف ناگزیر چیزیں بیان کررہا ہوں۔

آگے کا مرحلہ یہ ہے کہ یہ حواس اپنی معلومات ''حسِ مشترک'' کو دیتے ہیں اور حس مشترک(Spinal Card)حرام مغز کو دیتی ہے اور انسان یا حیوان کا لاشعوری طور پر عمل اکثر اسی سپائنل کارڈ کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی ریفلیکس ایکشن Reflex Actionافعال معکوسہ وہ افعال ہوتے ہیں جو ہماری مرضی اور شعور کی حدود میں

آئے بغیر محرک کی تحریک سے فوراً ہو جاتے ہیں یہ افعال انسان کی مرضی و شعور کے تابع نہیں ہوتے اس کے لئے پانچ چیزیں ضروری ہیں

1......حسی عضو

2......سنسری نروز Sensery Nerves

3......سپائنل کارڈ Spinal Card

4......موٹر نروز Moter Nerves

5......عصبے یا گلینڈز Glandes

ان سب کا مرکز سپائنل کارڈ ہوتا ہے سپائنل کارڈ ہی سے معلومات دماغ اور شعور تک جاتے ہیں اور غیر شعوری افعال کا صدور بھی سپائنل کارڈ ہی کرواتا ہے مثلاً کسی عضو پر سگریٹ لگ جائے تو سوچنے سے پہلے ہاتھ وہاں پہنچ جاتا ہے یا دھما کہ ہوتا ہے اور آدمی اچھل پڑتا ہے یہ سب سپائنل کارڈ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ افعال معکوسہ سپائنل کارڈ سے صادر ہوتے ہیں تو اس کا جواب سائنس نے اس طرح دیا ہے کہ ایک مینڈک کا سر کاٹ کر فوراً اس کے پاؤں پر تیزاب ڈالا گیا تو اس نے فوراً پاؤں پیچھے کھینچ لیا یعنی اگرچہ دماغ کا حصہ جدا ہو چکا تھا مگر سپائنل کارڈ کے حصے کو باقی رکھا گیا تو افعال معکوسہ کا صدور ہوا تو اس طرح ثابت ہوا کہ عمل اور ردعمل میں اکثر یہی سپائنل کارڈ ہی کارفرما ہوتا ہے یہاں تک انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں یعنی یہاں اصل حکومت نفسِ حسیہ حیوانیہ کی ہوتی ہے۔

نقطۂ اعتدال

دوستو یاد رکھیں کہ نفسِ حسیہ حیوانیہ اور نفسِ ناطقہ قدسیہ کے درمیان ایک ''نقطہ اعتدال'' ہوتا ہے۔

نقطہ اعتدال نفس کی نارمل حالت ہے یا یوں سمجھ لیں کہ یہ نفس کا زیرو پوائنٹ ہے۔

آپ نے موسم کا ٹمپریچر یا درجہ حرارت بتانے والے آلے بیرومیٹر کو دیکھا ہوگا اس کے اندر نمبر لگے ہوتے ہیں درمیان سے کچھ نیچے صفر (زیرو) لگی ہوتی ہے صفر سے اوپر بھی ایک دو تین لکھے ہوتے ہیں اور نیچے بھی درجات لگے ہوتے ہیں موسم جس قدر گرم ہوگا الکحل کا سرخ نشان صفر سے اوپر چڑھتا جائے گا اور سردی جتنی زیادہ ہوگی سرخ نشان صفر سے نیچے گرتا چلا جائے گا یعنی سرخ نشان جتنا جتنا نیچے گرتا چلا جائے گا وہ نقطہ اعتدال سے گرتا جائے گا

اب انسان ہی کو لیں تو یہاں نفس انسانیہ میں بھی ایک نقطہ اعتدال ہے انسان لباس بشر میں رہ کر اعتدال سے گر بھی سکتا ہے اور بلند بھی ہوسکتا ہے یہ نقطہ اعتدال ایک نارمل انسان کا پتہ دیتا ہے جو اخلاق ذمیمہ حیوانیہ سے بلند ہوتا ہے اس نقطہ اعتدال کا نام ہے انسانیت اور بقول غالب

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

کیونکہ انسان اگر نقطہ اعتدال سے گر جائے تو انسانیت نہ رہے گی یعنی وہ انسانیت سے گر جائے گا اور حیوانیت میں داخل ہو جائے گا کیونکہ حیوانات میں بھی عقل وشعور کے مدارج ہیں بعض بہت زیادہ ذہین ہیں اور بعض کند ذہن ہوتے ہیں بعینہ اسی

طرح ایک زیرک انسان سے سیدھے سادھے آدمی تک بہت سے مدارجِ عقل ہیں لیکن جب انسان انسانیت کے نقطہ اعتدال سے گرتا ہے تو وہ زیرک ترین جانور بن جاتا ہے کیونکہ اس میں سوچ اور فکر کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے یہ حیوان بنے گا تو حیوانیت کے لحاظ سے سب سے زیادہ ذہین حیوان ہوگا اور اس طرح اس میں مکر و ذلالت اور درندگی وعیاری بے پناہ ہوگی اور یہ حیوان سے بھی بدترین حیوان ہوگا اسی لئے خالق نے نقطہ اعتدال سے گرنے والوں کے لئے فرمایا ہے کہ

☆ أُولَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ……(اعراف179)

یہی لوگ حیوان کالانعام ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں بدرجہا بدتر ہیں۔

نفس حسیہ حیوانیہ کے خواص رضا و غضب ہیں یعنی راضی نہیں تو غضبناک ہے اور غضبناک نہیں تو راضی ہے یعنی جو آدمی نقطہ اعتدال سے نیچے ہوتا ہے وہ جانور کی طرح ہوتا ہے Eat and Sleep کے گرد اس کی تمام زندگی گھومتی ہے جو بھی اس کی خواہشات کے ہجوم سے ٹکراتا ہے اس پر غضبناک ہو جاتا ہے اور جو اس کی خواہشات کی تکمیل کا سبب ہو یا تکمیل میں معاون ہو اس سے راضی ہوتا ہے یہ حقیقت ہے کہ خطرناک سے خطرناک جانور کو اس کی ضروریات فراہم کر کے راضی کیا جا سکتا ہے مگر انسان جب گر جاتا ہے تو اسے راضی نہیں کیا جا سکتا۔

National Geografic Society والوں نے ایک وڈیو کیسٹ دکھائی ہے Love from Africa اس میں افریقہ کے جملہ جانوروں کو ایک نیشنل پارک میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اگر ان تمام جانوروں کے مسائل حل کر دیئے جائیں تو یہ ایک دوسرے سے لڑنے کی بجائے پیار

محبت سے رہنا اور ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنا پسند کرتے ہیں اصل اختلافات ان جانوروں میں نہیں بلکہ ان کے مفادات وخواہشات کے تصادم سے پیدا ہوتے ہیں اس میں دکھایا گیا ہے کہ ایک کنگرو، ایک شیر، ایک چیتا، ایک ریچھ، ایک کتا، ایک بھیڑیا اور ایک چیمپنزی (بندر) آپس میں کھیل رہے ہیں یعنی ان کے اصل مسائل ان کی اپنی ذات کے گرد گھومتے ہیں اگر کوئی ان کے مفادات اور خواہشات میں حائل نہ ہوتو پھر یہ کبھی ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتے یعنی جب مسائل حل ہو جاتے ہیں خواہشات پورے ہو جاتے ہیں تو پھر رضا غالب آ جاتی ہے انس پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن ایک جانور اور ایک انسان کے مفادات اور خواہشات کے دائرے میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے حیوان کا دائرہ مفادات اور اس کے خواہشات کا حدود اربعہ بہت چھوٹا ہوتا ہے جب کہ انسان سب سے زیادہ حریص اور وسیع المفادات ہوتا ہے اس کی خواہشات لامحدود ہوتی ہیں کہ اگر اسے خدا بھی مان لیا جائے تو پھر بھی یہ راضی نہیں ہوتا اس لئے یہ جانوروں سے کہیں زیادہ مکار اور خودغرض ہوتا ہے اس کی خواہشات کی انتہا نہیں ہوتی اور خواہشات بھی ایسے کہ ''ہر خواہش پہ دم نکلے'' والی بات صادق آتی ہے اس لئے اس کا دائرہ غضب ونفرت جہاں بہت وسیع ہوتا ہے وہاں خطرناک بھی ہوتا ہے اور قوتِ غضبیہ جب انسان میں آ جاتی ہے تو بہت سے متعلقات کو بھی اپنے ساتھ لاتی ہے یعنی انسان کے اختیار وارادہ اور شعور وفہم وغیرہ کی وجہ سے اس میں Sharpness (چترائی) بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

غضب

مکروہ ومحبوب کے جو دو اقسام دیئے گئے ہیں یعنی مہلکات ومنجیات ان میں دس چیزوں کو مہلکات کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے اور یہ مہلکات ومنجیات دراصل قوائے نفسی کے منفی اور مثبت پہلو ہیں یعنی نفس کی کسی قوت کا کوئی پہلو جب بھی نقطہ اعتدال سے اوپر نیچے جاتا ہے تو پھر اس پر حکم لگتا ہے ورنہ نفس کی کوئی قوت بذات خود اچھی یا بری نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف اور صرف نفس کی قوت ہوتی ہے۔

آپ قوت غصبیہ ہی کو دیکھ لیں یہ نفس انسان کو دفع ضرر کے لئے دی گئی ہے اور یہی قوت نفس حیوانی میں بھی سادہ شکل میں موجود ہوتی ہے یعنی ایک معمولی سے معمولی حیوان کو بھی جب تنگ کیا جاتا ہے تو وہ ضرور غضبناک ہو جاتا ہے تو اس سے ثابت ہوا کے غضب دراصل خاصہ جنسی ہے نہ کہ نوعی۔

بعض اخلاقیین نے غضب کو داخل قوائے اربعہ قرار دیا ہے مگر میرے خیال میں یہ صرف خاصہ جنسی ونفسی ہے اور یہ نفس کے اندر بہت سے فسادات کا موجب بھی ہے کیونکہ غضب کے اندر تندی وتیزی بیبا کی وشرارت کشتن زدن شکستن ظلم ایذا بغض عداوت یہ سب چیزیں بھری ہوئی ہیں مگر اس کا اصلی کام ہے دفع ضرر یعنی ہر وہ چیز جو بقائے انا کے خلاف سامنے آئے اسے دفع کرنا۔

باقی قویٰ کی طرح اس میں بھی لذت والم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے کیونکہ غضب کے پاس جو سرمایہ قہر وانتقام ہے اسے فتح غلبہ تسلط وغیرہ سے لذت حاصل ہوتی ہے اور شکست کھانے یا مغلوب ہونے میں اسے الم ہوتا ہے یہاں تک تو انسان ایک عام

حیوان کے ساتھ صفت مشترک کا حامل رہتا ہے مگر اب اس میں بھی انسانیت کو خالق نے ممیّز فرمایا ہے یعنی اس کے ماتحت دو صفات رکھے ہیں۔

1......حلم

2......جلال

حلم اور جلال قوت غضبیہ کے ماتحت ہوتے ہیں حلم ایک نقطہ اعتدال کا نام ہے اور اعتدال سے بلند ہونے پر یہ صبر و برداشت کا مظاہرہ کرتا ہے اور اعتدال سے گر جانے پر بے صبری و جلد بازی ظاہر کرتا ہے اسی طرح جلال بھی ایک نقطہ اعتدال کا نام ہے جب یہ نقطہ اعتدال سے بلند ہوتا ہے تو صفت شجاعت کا حامل ہوتا ہے اور جب یہ اعتدال سے گرتا ہے تو بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

شجاعت کے چوبیس 24 اقسام میں سے ایک ہے ''تہور'' جو شجاعت کے معنی میں آتا ہے لیکن شجاعت اور تہور میں یہ فرق ہے کہ شجاعت عقل کے ماتحت ہوتی ہے مگر تہور ہوتا ہے بلا سوچے سمجھے خطرات میں کود جانا یہ صفت اچھے صفات میں شمار نہیں کی جاتی

قوتِ غضبیہ اور گونا گونیت

عام انسانی معاشرے میں اکثر گہما گہمیاں صرف قوت غضبیہ سے قائم ہیں یعنی جہاں بھی Competition مقابلے کی فضا نظر آئے سمجھ لیں کہ وہاں قوت غضبیہ کارفرما ہے کیونکہ اسے غلبہ اور فتح میں لذت حاصل ہوتی ہے اب جہاں ہار جیت کا معاملہ ہوگا تو وہاں لازماً نفس اپنی قوت غضبیہ کی تسکین کا سامان کر رہا ہوگا اب ہار جیت کو انسان پوری دنیا میں تلاش کر سکتا ہے

کھیلوں کی دنیا میں جھانک کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس دنیا کا یہ ایک وسیع ترین شعبہ ہے اولمپکس ورلڈ مقابلے گولڈ میڈل شیلڈز ورلڈ کپ وغیرہ جیسے الفاظ سے موجودہ دور کا ہر فرد آشنا ہے۔

قوت غصبیہ کو فتح اور غلبے سے لذت حاصل ہوتی ہے اس لئے دنیا کا ہر فرد اس قوت غصبیہ کی تسکین زندگی میں کبھی نہ کبھی ضرور کرتا رہتا ہے کوئی علاقائی لیول پر تو کوئی انٹرنیشنل لیول پر۔

اس کی تسکین کے لئے انسان کو بہت محنت کرنا پڑتی ہے اپنی زندگی کا ایک طویل پیریڈ جب انسان کسی کھیل کو دیتا ہے تو تب اسے کہیں فتح نصیب ہوتی ہے اور اس لمحاتی فتح میں نفس کی قوت غصبیہ کی اتنی شدید تسکین ہوتی ہے کہ آدمی مخمور ہو جاتا ہے بعض اوقات فتح پر اتنا خوش ہوتا ہے کہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح انسان نفس کی تسکین کا آخری سامان بھی کر لیتا ہے۔

مشہور باکسر محمد علی کلے نے ایک مرتبہ کہا تھا شکست تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے اگر شکست نہ ہو تو انسان فرعون کی طرح خدا بن بیٹھتا ہے۔

پہلے زمانے میں لوگ جنگ کرتے تھے اور قوت غصبیہ کی تسکین کرتے تھے اس کی مثالیں تاریخِ عالم میں تلاش کی جا سکتی ہیں مثلاً گوبی ڈیزرٹ کے منگولوں کے حملے پہلی جنگ عظیم دوسری جنگ عظیم وغیرہ یہ سب عالمی سطح پر قوت غصبیہ کی تسکین کے سامان نظر آتے ہیں۔

پھر چھوٹے لیول پہ غنڈہ گردی، چاقو چھری کی وارداتیں یہ سب قوت غصبیہ کی تسکین کے سامان ہیں۔

جو لوگ خود کسی مقابلے کے قابل نہیں ہوتے لیکن ان میں قوت غصبیہ تو موجود ہوتی ہی ہے وہ مر تو نہیں جاتی ان میں وہ اپنی شکل ضرور تبدیل کر لیتی ہے پھر انسان خود مقابلے پر نہیں اترتا بلکہ جانوروں کو مقابلے میں کھڑا کر دیتا ہے اور کبھی مرغے لڑاتا ہے، بٹیر لڑاتا ہے، کتے لڑاتا ہے، بیل، بھینسے، اونٹ وغیرہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے جانور کو آپس میں لڑا کر اپنی قوت غصبیہ کی تسکین کرتا ہے جیسا کہ چین میں جھینگر بھی لڑائے جاتے ہیں حالانکہ یہ حشرات الارض میں شامل ہیں مگر انسان کے اندر کی قوت غصبیہ اسے کسی نہ کسی میدان میں ضرور دیکھنا چاہتی ہے کیونکہ اس کی تسکین فتح اور غلبے سے ہوتی ہے۔

جو لوگ معزز اور باشعور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں وہ لوگ بھی قوت غصبیہ کی تسکین کرتے ہیں کبھی مباحثے ہوتے ہیں بحث میں ہار جیت کو شامل کر لیا جاتا ہے کبھی مناظرے ہوتے ہیں کبھی مشاعرے ہوتے ہیں شعروں کی رزم گاہ بنا دی جاتی ہے تو یہ وہ علمی ذرائع ہیں کہ جن سے قوت غصبیہ کی تسکین ہوتی ہے۔

میدان سیاست تو اس کی تسکین کا ایک اہم ترین مقام ہے کہ چھوٹے لیول سے لے کر بڑے لیول تک لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں کچھ لوگ اپنی ذات کی فتح دیکھنا چاہتے ہیں کچھ لوگ خود کسی کام کے نہیں ہوتے تو وہ پارٹی کی فتح کو اپنی فتح سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔

گویا دنیا کی ہزاروں ہنگامہ آرائیاں اور رونقیں صرف قوت غصبیہ کی مرہون کرم ہیں اگر اسے دنیا سے نکال دیا جائے تو گویا پوری دنیا پر ایک سکوت طاری ہو جائے گا فتح کی لذت بہت مسحور کن ہوتی ہے اس کا نشہ شراب سے زیادہ سخت اور دیرپا اثر ہوتا

ہے لیکن نفس انسانی بہت شاطر مزاج سیاست دان کی طرح ہوتا ہے۔ جب یہ خیال کرتا ہے کہ جیت کے سو فی صد امکان نہیں تو پھر یہ کبھی بھی انسان کو میدان میں نہیں لاتا

قوت غصبیہ کے عطا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ انسان بقائے نفس کے لئے لڑ سکے مگر خود انسان اسے کئی شعبوں میں استعمال کرتا ہے تو یہ صرف نفس کا کارنامہ ہوتا ہے نفس انسانی اسے خوراک ونسل کی بقا کے علاوہ بھی استعمال کرتا ہے یعنی عزت نفس کی بقا ہو یا بقائے نام ونمود یہ ہر شعبے میں قوت غصبیہ کا ناجائز استعمال جائز سمجھتا ہے اور انسان کو باور کراتا ہے کہ تو ہی بڑا ہے اور اسی سے تکبر جنم لیتا ہے۔

عام حالات میں جب غصہ آتا ہے تو انسان مشتعل ہو جاتا ہے اس کی وجہ تکبر ہوتا ہے اور جہاں انسان کے تکبر کو ٹھیس پہنچتی ہے تو بغض وعداوت پیدا ہوتے ہیں کیونکہ بغض وعداوت ہمیشہ Competition یعنی مقابلے ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور جب نفس کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوتا تو عداوت اور بغض کا نام ہے ''کینہ''

اسی لئے فرمان ہے کہ کینہ ور کبھی سکون سے نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کے اندر بارود کا ایک ذخیرہ ہمہ وقت موجود رہتا ہے اور وہ کسی وقت بھی دھماکے سے پھٹ سکتا ہے لہٰذا کینہ توز آدمی ہمہ وقت خطرے میں رہتا ہے یعنی دنیا اور عقبیٰ کی ہلاکتیں ہمہ وقت اس کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں۔

قوت غصبیہ ہر شخص میں جدا جدا ہوتی ہے کسی میں نقطہ اعتدال سے زیادہ کسی میں کم ہوتی ہے اس کا حسن شجاعت ہے قبح بزدلی ہے افراط تہور ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اس کا استعمال کہاں جائز ہے اور کہاں نہیں؟ کمزور کو مغلوب کر

لینا، بے بس پر فتح حاصل کر لینا، ضعیف اور ناچار پر تسلط حاصل کر لینا کیا یہ سب چیزیں مستحسن ہوسکتی ہیں؟ شجاعت ایک حسن صحیح ہے مگر کیا اس کا مظاہرہ اہل حق کے مقابلے میں کرنا باعث افتخار ہوسکتا ہے؟

کیا ولید بن عتبہ شجاع نہیں تھا؟ کیا عتبہ اور ابو جہل بہادر نہ تھے کہ بدر کے میدان میں بے جگری سے لڑ کر قتل ہو گئے؟ کیا نہروانی خوارج شجاعت میں کسی سے کم تھے؟ کیا عمرو ابن عبدود کم شجاع تھا؟

تو ظاہر ہوا کہ شجاعت ایک تلوار کی طرح ہے اگر مظلوم پہ چلے گی تو ظلم ہوگا اور ظالم پر چلے گی تو عدل ہوگا یعنی موقعہ کی مناسبت سے شجاعت پر بھی حکم خیر و شر لگایا جائے گا اسی لئے میں شجاعت کو بھی ملکاتِ نفس میں داخل سمجھتا ہوں جیسا کہ بعض متقدمین نے بھی اسے ملکاتِ نفس کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

جب نفس میں ملکہ شجاعت کا فقدان ہوتا ہے تو بزدلی کہلاتا ہے جب بزدلی پیدا ہوتی ہے تو نفس مکار اور فریبی ہو جاتا ہے ظاہر ہو کر لڑنے سے گریز کرتا ہے اور عقل کو ناجائز استعمال کر کے نئی نئی چالیں سوچتا ہے فریب دیتا ہے اور اسی بزدلی سے منافقت جنم لیتی ہے ظاہراً دوستی اور باطن میں دشمنی منافقت ہے یعنی جب بھی ظاہر سے باطن خراب ہوتا ہے تو منافق بنا دیتا ہے۔

اسی لئے فرمان ہے کہ مومن وہ ہے کہ اگر اس کے باطن کو ظاہر کر دیا جائے تو اس کے لئے باعث شرم وندامت نہ ہو یعنی ظاہر سے بھی باطن اچھا ہے تو مومن ہے ورنہ نہیں اگر قوت غضبیہ میں کمی ہوگی تو آدمی دماغ کو استعمال کرے گا اس لئے ہر بزدل مکار ہوتا ہے اگر یہ قوت بڑھ جائے تو پھر عقل جاتی رہتی ہے اسی لئے مغلوب الغضب

انسان کو بے عقل اور احمق سمجھا جاتا ہے اور فرمان ہے کہ غصہ عقل کا دشمن ہے اب اسی طرح اس کی شاخیں پھلتی جاتی ہیں اور نفسیات کا ایک طویل باب شروع ہو جاتا ہے

مذہبِ عقل (اخلاقیات)

نقطہ اعتدال پہ پہنچ کر انسان عقل کے ماتحت ہو جاتا ہے یعنی اس کا دین عقلی ہوتا ہے یہ عقل فطرت کو دیکھ کر اچھے برے میں خط تمیز کھینچتا ہے پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ مذہب عقل میں وہ بڑی بڑی چیزیں داخل ہیں جنہیں جملہ مذاہب نے حلال یا حرام کیا ہے جناب موسیٰ علیہ السلام کے دس احکام ہی دیکھ لیں جناب عیسی علیہ السلام کے فرمودات پہ نگاہ کر لیں یا پھر لا مذہب اخلاقیین کے وہ اصول جو انہوں نے بہترین معاشرے کی تشکیل کے ضمن میں وضع کئے ہیں یہ سب مذہب عقل کے دائرے میں آتے ہیں چوری، زنا، جھوٹ، فریب، دھوکہ، ظلم یہ سب عقلاً برے ہیں کیونکہ ان کی ترویج سے معاشرہ پرسکون صورت میں تشکیل نہیں پا سکتا اگر ہر انسان جھوٹ بولنا شروع کر دے یا ہر آدمی ظلم کرنا شروع کر دے تو معاشرہ فاسد ہو کر بکھر جائے گا انسان فنا ہو جائے گا ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جائے گی اور آخر میں بڑی مچھلیوں کو کھانے کے لئے کچھ نہ ملے گا تو خود بھی بھوک سے مر جائیں گی اس طرح کنزیومر Consumer اور پروڈیوسر Producer میں توازن پیدا کرنے کے لئے اور معاشرے کی اچھی نشو و نما کے لئے جملہ ممالک نے معتدل معاشرت کے قوانین وضع کئے ہیں

ان قوانین پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی قوانین کو انہوں نے اپنے لب و لہجہ یں بیان کیا ہے یعنی وہ لا مذہب مما لک ہی کیوں نہ ہوں مگر انسانیت کی گراں قدر اقدار کو پہچانتے ہیں اور انہیں بھی یہ یقین ہے کہ جو باتیں مذہبی لوگوں نے مذہب کے نام پر دی ہیں ان میں اگر کوئی اور خوبی نہ بھی ہو تو معاشرے میں اعتدال پیدا کرنے کی ان میں مکمل صلاحیت موجود ہے۔

نفس ناطقہ قدسیہ

جناب کمیل بن زیاد نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ خطبے میں تھا کہ انہوں نے پھر سوال کیا آقا ''نفس ناطقہ قدسیہ'' کیا ہے۔

امام علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا ''نفس ناطقہ قدسیہ'' ایک لاہوتی قوت کا نام ہے اس کی ایجاد ولادت دینی کے وقت ہوتی ہے۔

تشریح

دوستو! انسان کی دو ولادتیں ہوتی ہیں ایک وہ ولادت ہے جسے عرف عام میں ولادت کہا جاتا ہے اور ایک وہ ولادت ہوتی ہے جو اس وقت ہوتی ہے جب انسان دین حق کو اختیار کرتا ہے اس طرح گویا اس زندگی ہی میں انسان کو دوسرا جنم ملتا ہے ایک بادشاہ نے ایک عارف سے پوچھا تھا کہ تمہاری عمر کیا ہے؟ تو اس نے کہا بیس سال اس پر بادشاہ نے کہا مجھے تو تم ساٹھ سال کے لگتے ہو تو انہوں نے کہا بادشاہ واقعی ظاہری عمر میری ساٹھ کے قریب ہے مگر ہم اپنی زندگی کو دین میں داخل ہونے سے گننا شروع کرتے ہیں اس لئے میری عمر بیس سال ہے کہ بیس سال سے میں نے

دین حق کو اپنایا ہوا ہے۔

جناب کمیل سے امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''نفس ناطقہ قدسیہ'' کا مقام علوم وحقیقتِ دینیہ ہیں۔

اس کا مادہ تائیدات عقلیہ ہیں

اس کا فعل معارف ربانی ہے۔

اس کی پانچ قوتیں ہیں

(1) فکر، (2) ذکر، (3) علم، (4) حلم، (5) نباہت (بزرگی بندگی)

اس کے دو خواص ہیں

1......زہد

2......حکمت

یہ مقام و احساس سے منزہ ہے یہ عالم ملکوت سے مائل ایک قوت ہے اور نفوس ملکیہ سے مشابہہ ترین شئے ہے۔

اس کی جدائی کا سبب آلاتِ تحلیل ہیں جب مفارقت کرتا ہے تو اپنی اصل کی طرف عود کر جاتا ہے مگر نہ اس طرح کہ اس میں مل جائے بلکہ اس کی مجاورت کرتا ہے اس کے لئے انبعاث (بعثت) ہیں۔

اس نفس کی تشریح میں امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسان کے اپنے خواص وصفات و حدود سے آگاہ فرمایا ہے یعنی جو اس میں داخل نہیں وہ کالانعام ہے انسان نہیں حیوان ہے اور یہاں یہ بھی فرما دیا ہے کہ یہی وہ صفات وخواص ہیں جو خالصتاً انسانی ہیں اور یہی صفات وخواص ہی انسان کا طرہ امتیاز ہیں۔

نفس اِلٰہیہ ملکوتیہ کلیہ

اس کے بعد جناب کمیل نے عرض کیا آقا ''نفس اِلٰہیہ ملکوتیہ کلیہ'' کیا ہے؟

فرمایا نفس اِلٰہیہ ایک لاہوتی قوت ہے اور جوہر بسیط ہے جو حی بالذات ہے
اس کا اصل عقل (یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے یہ نفس نبویہ عامیہ ہے، ہادیان و انبیاء ورسل کے ارواح مقدس اسی نفس کے حامل ہوتے ہیں کہ جنہیں نور اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ نوری سے ایجاد فرمایا گیا ہے۔

اس کا مبدا اللہ تعالیٰ اور عقل ہے یعنی نور اول سے اس کا صدور ہوتا ہے کیونکہ نور اول کا صدور نور ہویت اِلٰہیہ سے ہوا تھا اس لئے اس کا بلا واسطہ مبدہ نور اول ہوتا ہے اور بالواسطہ مبدہ (جس سے اس کی ابتدا ہوتی ہے) وہ اللہ جل جلالہ ہوتا ہے
یہ اسی کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس کی طرف دلالت اور اشارہ کرتا ہے اور جب یہ اپنے کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اسی نور اول کی طرف عود کرتا ہے کیونکہ تمام موجود کی ابتدا عقل سے ہوتی ہے اور تمام چیزیں کمال کے حصول کے بعد اس کی طرف عود کر جاتی ہیں

اس کی پانچ قوتیں ہیں

1......فنا میں بقائیت

2......شدت میں خوشی

3......ذلت میں عبرت

4......تونگری میں فقر

5 ...... بلا پر صبر

اس کے دو خواص ہیں

(1)...... تسلیم

(2)...... رضا

یہ نفس ''ذات علیا'' ہے ''شجرہ طوبیٰ'' و ''سدرۃ المنتہیٰ'' و ''جنت الماویٰ'' ہے جس نے اسے پہچان لیا وہ شقاوت سے بچ گیا اور سرنگوں نہ ہوا اور جو اس سے جاہل رہا اس کی تمام کوششیں باطل ہوگئیں اور وہ گمراہ ہوگیا اس نفس کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔

ارشاد قدرت ہے و نفخت فیہ من روحی یعنی جناب آدم علیہ السلام میں جس روح کو نفخ کیا گیا تھا وہ یہی حقیقت نوریہ تھی۔

پھر فرمایا ہے

☆يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ......(فجر 28)

کیونکہ یہی وہ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں کہ جو مقام تسلیم و رضا پر فائز ہوتے ہیں اس لئے انہیں اطمینان کا حصول ہوتا ہے انہی سے فرمایا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ اب اپنے مربی و رب یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجعت فرمالے کیونکہ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اس سے راضی ہے۔

اللہ کے نور اول نے اپنے اسی مقام کے بیان میں فرمایا تھا انا عرب بلا عین یعنی میں عرب ہوں مگر اس میں عین نہیں ہے یعنی مجھے میرے رب نے رب الانبیاء و الرسل کا مقام بخشا ہے۔

امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ان نفوس کے درمیان عقل واسطہ ہے

پھر جناب کمیل نے عرض کیا آقا عقل کیا ہے؟

اس پر فرمایا عقل ایک جوہر ہے جو مدرکِ کامل ہے تمام پر ہر جہت سے محیط ہے اور ہر شئے سے اس کی ایجاد وتکوین سے قبل عالم ہے پس یہی علت موجودات اور انتہائے مطالب ہے۔

حدیث صحیح میں فرمایا گیا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی پھر فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ العَقلَ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان کا مقصد ایک ہی ہے یعنی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ''عقل'' ہے اور تکوین سے قبل عالم ہے اور علت موجودات ہے اور منتہائے مطالب بھی ہے

اس حدیث میں جن معانی میں نفوس کو لایا گیا ہے وہ ''عرفانیاتی نفس'' کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ یہ ایک علیحدہ علم سے متعلق حدیث تھی کیونکہ اسے عام طور پر عرفانیاتی نفس کی تشریح میں لایا جاتا تھا۔

عرفانیاتی نفس اور اسے ایک سمجھنے سے ہزاروں مفاسد پر مبنی نظریات پیدا ہونے کا امکان تھا اس لئے میں نے اسے یہاں نقل کر کے اپنے ناقص شعور کے مطابق اس کی تشریح کر دی ہے تا کہ ہماری کتابوں میں جو خلط مبحث بنتا ہے اس میں سمجھوتا ہو جائے

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 6

اصطلاحِ عرفانیات

اے جویندگانِ گوہرِ عرفان !

اصطلاح عرفانیات میں نفس کی پانچ حالتیں بیان ہوئی ہیں مگر سب سے پہلے اس کے اس مقام کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے کہ جو اسے بدن و روح کے مابین حاصل ہے یہاں اس کے اقسام میں سے کسی قسم پہ بحث سے قبل نفس مطلقہ کے بارے عرض کررہا ہوں اسے ہم نفس ناطقہ کہیں گے

نفسِ ناطقہ

سوال یہ ہے کہ یہ نفسِ ناطقہ کیا ہے؟

دوستو! ماضی کے مفکرین کا مسلمہ ہے کہ ''وجودِ شئے'' کی دو اقسام ہیں

پہلی قسم ہے

☆وُجُودُ الشَّيِ فِی نَفسِهِ لِنَفسِهِ

یعنی جس شئے کی ہستی کسی دوسری شئے پر قائم نہ ہو جیسے کاغذ پر تحریر ہے کاغذ کا وجود اپنے آپ پر قائم ہے یہ بذاتہ قائم ہے قائم بالذات ہے جیسے جواہرِ

مفارقہ وغیرہ

دوسری قسم ہے

☆وُجُوُد الشَّیِ فِی نَفسِہِ لِغَیرِہِ

یعنی جو قائم بالغیر ہوں جیسے اعراض وصورِ مادیہ، جیسے آگ ہے، روشنی ہے کہ جن کا وجود قیام کے لئے کسی دوسری چیزوں کا محتاج ہو۔

لکڑی نہ ہو تو آگ نہ ہو، آگ غیر جنس سے مل کر اپنے وجود کی نمائش کرتی ہے (فی زمانہ نایہ تصور کہ آگ اور روشنی عرض ہیں رد ہو چکا ہے)

ان علماء کا کہنا ہے کہ جواہرِ مفارقہ پر کبھی کبھی وجودِ نسبی بھی عارض ہو جاتا ہے جیسے نفس ناطقہ ہے۔

نفس ناطقہ کے دو وجود ہیں

ایک اس کا حقیقی وجود ہے دوسرا نسبی وجود ہے جو بدن کے لئے ہے یعنی نفسیتِ نفس کہ جس سے وہ مدبر جسم کہلاتا ہے اس لئے اگر اس کا وجود نسبی انقطاع رابطہ کی وجہ سے جسم سے زائل ہو بھی جائے تو وجود حقیقی قائم رہتا ہے اس کی ذات اور حقیقت پھر بھی رہ جاتی ہے کیونکہ مفکرین جدید نے تسلیم کیا ہے کہ مادہ فنا نہیں ہوتا نہ ہی فنا ہو سکتا ہے کیونکہ صورۃِ مجردہ فاسد نہیں ہو سکتے کائنہ فاسدہ ہی فنا ہوتے ہیں اور تبدیلی شکل ثبوت فنا وعدم نہیں ہو سکتی جیسے سکتہ کی مرض سے تدبرِ نفس ختم ہوتا ہے

ان کا کہنا تھا کہ اعراض اور صور کا وجودِ حقیقی ہی وجودِ نسبی ہوا کرتا ہے اس لئے اگر اعراض وصور اپنے موضوعات ومواد سے زائل ہوں تو ان کا وجود ہی زائل ہو جاتا ہے

اکوانِ ثلاثہ

اصل بات یہ ہے کہ نفس ناطقہ کی تین اکوان ہیں ان اکوان کو بھی دیکھ لیں

پہلی کون ہے......قبل الطبعیته

دوسری کون ہے......عند الطبعیته یا مع الطبعیات

تیسری کون ہے......ما بعد الطبعیته

قبل الطبعیته وہ ''کون'' ہے کہ جب یہ علمِ توحید کے خزائن میں ہوتا ہے

دوسری ''کون'' وہ ہے کہ جب وہ مدبرِ بدن ہوتا ہے اسے عند الطبعیته کہیں گے

تیسری ''کون'' وہ ہے کہ جب وہ بعد از استکمال بدنِ انسانی کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کے جملہ کمالات بالفعل ہو جاتے ہیں

کچھ فلاسفر اسے روح کہہ دیتے ہیں حالانکہ نفس نفس ہی رہتا ہے چاہے جس ''کون'' میں بھی ہو۔

موجودات جوہریہ کی بھی تین اقسام ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے

نمبر 1 ......اعلیٰ جوہر وہ ہوتا ہے جو وجود واستکمال میں ذات واجب کے سوا کسی کی احتیاج نہیں رکھتا۔

نمبر 2 ...... یہ وہ جوہر ہے کہ جو وجود میں تو ذات واجب کے سوا کسی کی احتیاج نہیں رکھتا مگر استکمال میں محتاج غیر ہوتا ہے۔

نمبر 3 ......وہ جوہر ہے کہ جو وجود اور استکمال دونوں میں محتاج غیر ہوتا ہے۔

جوہرِ اعلیٰ روح ہے کہ یہ وجود واستکمال دونوں میں سوائے ذات واجب کے کسی کا

محتاج نہیں ہے۔

جوہرِ اوسط نفس ہے کہ یہ وجود میں تو ذات واجب کا محتاج ہے مگر استکمال میں محتاج غیر ہے۔

جوہرِ ادنیٰ جسم ہے اور جسم وجود اور استکمال دونوں میں محتاج غیر ہے یعنی وجود میں یہ عناصر و اجزا و ترکیب و وسائط و وسائل و تولید و تناسل و توارد و تنازل کا محتاج ہوتا ہے اور استکمال میں یہ ورزش و تربیت و روح و تزکیات و اغذیہ کا محتاج ہوتا ہے۔

نفس ہے تو اس کو ''کونِ عندالطبعیۃ'' میں جو وجودِ نسبی عارض رہتا ہے وہ اس کا وجودِ حقیقی نہیں ہوسکتا کیونکہ تدبر جسم اس کو عارض ہوتا ہے اس لئے اس کا یہ وجود حقیقی نہیں ہوتا ورنہ دیگر ''اکوان'' میں بھی تدبر جسم اس کے ساتھ رہتا۔

وسیلہِ اتصال نفس ہے

دوستو! میں روح کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ سراسر بلندی ہے اور بدن سراسر پستی۔ یہ دو ضدیں انسان میں جمع ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان متضاد چیزوں کا ایک دوسرے سے رشتہ جڑنا محال ہے جیسے آگ اور پانی یکجا نہیں ہو سکتے اسی طرح ان کا آپس میں تعلق پیدا ہونا ناممکن ہے جیسے پانی آگ سے بلاواسطہ استفادہ حرارت کرنے سے قاصر ہے اسی طرح ان کا ایک دوسرے سے استفادہ بلاواسطہ و وسیلہ محال ہے۔

اگر درمیان میں ایک واسطہ ہو تو پھر ممکن ہے مگر واسطے کے لئے اور وسیلے کے لئے لازم ہے وہ ایک طرف بلندی سے استفادہ کرے اور پستی کو استفادہ پہنچائے جیسے

آگ پر ایک لوہے کا برتن رکھ دیں تو یہ واسطہ بن جائے گا آگ سے حرارت لے گا اور پانی میں منتقل کر دے گا۔

بلا واسطہ اجتماع ضدین محال ہوتا ہے اگر انہیں آپس میں ملانا ہو تو پھر ایک تیسری چیز کی ضرورت ہوگی جو ان کے مابین رابطہ بنے۔

ادھر جسم فنائے محض ہے ادھر روح بقائے محض ہے، جسم عین پستی ہے روح عین بلندی ہے اب اس فنا و بقا کے مابین ایک چیز کی ضرورت ہے جو دونوں کے صفات کو اپنانے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہو یعنی جب بلندی سے متصل ہو تو عین بلندی نظر آئے اور جب پستی سے متصل ہو تو عین پستی نظر آئے یعنی ایسی چیز ہو جو دونوں کے جذب و وصول کی استعداد کی حامل ہو اس چیز کا نام ہے ''نفس''

گویا ''نفس ناطقہ'' ایک ایسا ٹوچین ہے جس کا ایک سرا بلندی سے منسلک ہے دوسرا سرا پستی سے جڑا ہوا ہے۔

آپ اس پہ غور کریں انسان کی موت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو جسم مرتا ہے اور نہ روح کیونکہ روح بقائے محض ہے اس پر موت کا اطلاق ہو نہیں سکتا اور جسم فنائے محض ہے۔

قرآنی نظریہ موت ہے کہ جسم و روح کبھی نہیں مرتے کیونکہ قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے کہ۔

☆کل روح ذائقة الموت (یا) کل جسم ذائقة الموت

بلکہ جہاں بھی آیا ہے فرمان ہے

☆کل نفس ذائقة الموت

کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے موت کا اطلاق صرف نفس پر ہوتا ہے یہی ٹوچین ٹوٹ جاتا ہے جسم بلاکم وکاست موجود رہتا ہے روح پرواز کر جاتی ہے جسم میں سے کوئی مادی چیز کم نہیں ہوتی نہ روح میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے بلکہ ''نفس میاں'' فنا ہو جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ روح پر موت نہیں کیونکہ اس کا تعلق عالم امر سے ہے۔

دو متضاد و مختلف الاصل چیزیں بلا واسطہ ایک دوسرے سے استفادہ نہیں کر سکتیں اس کے لئے ایک حسی مثال پیش کرتا ہوں مثلاً آپ سلور کا ایک برتن لیں اس میں سوڈا کاسٹک اور پانی ملا کر آگ پر چڑھا دیں اب آگ اور پانی دو متضاد چیزیں ہیں پانی بلا واسطہ آگ سے حرارت کا استفادہ کر نہیں سکتا یہ درمیان میں ایک برتن ہے تو آگ سے حرارت وصول کر کے پانی میں منتقل کر رہا ہے جونہی سوڈا کاسٹک نے برتن کو سوراخ لگا دیا تو پانی سیدھا آگ پر گرا۔

پانی چاہے کتنا ہی گرم کیوں نہ ہو مگر آگ کی تو موت ہے اب یہ بلا واسطہ حرارت لینے آیا تو ''بیبی آگ'' رخصت ہوگئی یعنی رابطے کا ٹوٹنا ہی موجب فنا ہوا ہے یہی قانونِ خالق و قانونِ فطرت ہے کہ دو متضاد چیزوں کو مربوط کرنے کے لئے ایک وسیلہ بنایا جاتا ہے جو دونوں سے مناسبت رکھتا ہے جیسے محولہ بالا مثال میں سلور کا برتن ہے۔

اسی طرح خالق نے نفسِ ناطقہ کو روح و بدن کے مابین رابطہ بنایا ہے خود انسان کے جسم میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔

آپ دیکھیں انسان کا بدن بنیادی طور پر تین چیزوں سے مرکب ہے یعنی گوشت اعصاب اور ہڈیوں سے۔

گوشت کیا ہے؟ پلپلاہٹ نرمی ہی نرمی اور ہڈیاں کیا ہیں؟ ایک صلابت اور سختی اب ان دونوں سے کام لینے کے لئے ایک ایسی چیز کی ضرورت ہے جو دونوں سے مناسبت رکھتی ہو سختی سے ملے تو اس کے صفات اوڑھ لے تو خالق نے درمیان میں اعصاب کو رکھا ہے تا کہ جسم فعال بن سکے۔

یہ اعصاب (پٹھے) اگر جسم سے نکال دو تو جسم بیکار محض ہو جائے بلکہ انہیں نکالنا تو علیحدہ بات ہے صرف اعصاب ڈھیلے پڑ جائیں یا ان کی گرفت کم ہو جائے تو جسم لوتھڑا بننا شروع ہو جاتا ہے جسم میں گوشت کی کپکپاہٹ آ جاتی ہے اور انسان ہاتھ ہلانے کی قدرت بھی نہیں رکھتا اعصاب باوجود کمزوری کے سر کو تھامتے تو ہیں مگر پھر بھی کانپنے کا عمل جاری رہتا ہے۔

یہی ہے وہ قانون اِلٰہی کہ ایک طرف وہ ذات قدیم ہے جو محیط کل ہے، ارفع واعلیٰ ہے اسے نور بھی کہتے ہیں (اس کی وجہ یہ ہے کہ لغتِ عالم میں نور سے بڑا لفظ موجود نہیں ہے) دوسری طرف یہ مخلوقِ عالم ہے جو سراسر پستی ہے محدود و حادث ہے یہ ایک دوسرے کی ضدیں ہیں اب ایک وسیلے کی ضرورت ہے کہ جو ان کے درمیان میں واسطہ بن سکے اب ایسے وسیلے کی ضرورت ہے کہ جو ادھر مخلوق میں شامل ہو ادھر توحید سے واصل ہو دونوں کے صفات اعلیٰ کا حامل ہو مخلوق کی صف میں کھڑا ہو تو مخلوق نظر آئے جب اللہ کے حضور میں ہو تو عین وحدت نظر آئے پوری مخلوق نہیں تو کم از کم کوئی ایک فرقہ تو ایسا ہی ہو جو اسے اللہ مان لے۔

بس اسی نظام کی طرح نفس کو روح و بدن کے مابین وسیلہ اور رابطہ قرار دیا گیا ہے یہ جب بدن سے اتصال کرتا ہے تو عین صفات عناصر کی جھلکیاں دیتا ہے اور جب

روح سے متصل ہوتا ہے تو عالم امر کی مخلوق نظر آتا ہے یہ دونوں کے صفات کو اپنانے کی صلاحیت رکھتا ہے دونوں کا ترجمان ہے دونوں کا مشترک مظہر ہے اسی کو نفس ناطقہ کہتے ہیں

متصوفین میں سے کچھ نے کہا ہے کہ انسان دس لطائف کا مرکب ہے پانچ کا تعلق ''عالمِ خلق'' سے ہے جو کہ مٹی پانی ہوا آگ نفس حیوانی ہیں اور پانچ کا تعلق ''عالمِ امر'' سے ہے جو کہ قلب و روح و سر و خفی و اخفیٰ ہیں اور نفسِ ناطقہ ان کے مابین ایک ایسے آئینے کا کام دیتا ہے جو دونوں کو ایک دوسرے کے عکس دکھاتا ہے اور ایک دوسرے کے مابین یہ ایک ترجمان کا کام کرتا ہے اگرچہ امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اربعہ عناصر کے نظریے کو رد فرما دیا تھا بلکہ انہوں نے پانی اور ہوا وغیرہ کو بھی عناصر سے مرکب بتایا تھا اس کے باوجود سمجھانے کے لئے متصوفین نے ایک اچھی مثال دی ہے۔

ضروریاتِ ارکانِ ثلاثہ

دوستو! انسان بدن و نفس و روح کا مرکب ہے انہیں ارکان ثلاثہ کہا جاتا ہے یہاں یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ ان ارکان کے اپنے اپنے ضروریات ہوتے ہیں یعنی کچھ بدن کے ضروریات ہوتے ہیں کچھ روح کے مگر ان دونوں کے مابین قاصد یا پیغام رسان یہ نفس ہی ہوتا ہے۔

آپ نے بدن کے ضروریات کو دیکھا ہے کہ اس کے ضروریات بے رنگ و روغن اور صرف جسمانی بقا کی ضروریات پر مبنی ہیں اسے صرف اپنی بقا سے غرض ہے اور اس کی بقا وٹامنز (حیاتین) اور پروٹینز (لحمیات) کیلوریز (حرارے) وغیرہ ہیں

اسے یہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ حلال ہے یا یہ حرام ہے اسے اپنی غذا جہاں سے بھی میسر آئے گی وہ حاصل کرلے گا اسے حواس خمسہ وعشرہ کی لذات سے کوئی تعلق نہیں مثلاً اسے گوشت کی ضرورت ہے کہ اس میں سے وہ اپنی بقا کی ضرورت اخذ کر سکے اس کا مدعا ہے کہ گوشت معدے میں پہنچے چاہے وہ کتے اور خنزیر ہی کا کیوں نہ ہو، اسے دودھ کی ضرورت ہے چاہے کیسے ہی جانور کا کیوں نہ ہو کیونکہ اسے مذہب اور اخلاق کو سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اسے اچھائی اور برائی یا اپنے ہی نفع اور نقصان تک کا شعور نہیں ہے کیونکہ جسم خاکی شعور سے عاری ہے مثلاً معدے میں اگر زہر پہنچا دیا جائے تو وہ کوشش کرے گا کہ اس سے بھی کوئی قوت ضرور حاصل کرلے چاہے وہ خود اسے فنا ہی کیوں نہ کردے۔ انسانی بدن ایک نوزائیدہ معصوم بچے کی طرح ہے جسے چوسنے کی خواہش ہوتی ہے چاہے وہ نپل ہو یا بھینس کا تھن ہو یا کوئی دوسری چیز ہو وہ تو ہر وہ چیز جو اسے میسر آئے گی اسے دودھ سے معمور سمجھ کر اسے چوسے گا چاہے سانپ کا سر ہی اسے تھما دیں وہ فوراً منہ میں ڈال کر اسے چوسنا شروع کردے گا کیونکہ وہ عرفان سے عاری ہے۔

دوسرا رکن ہے ''روح'' یہ انسان کے ارکان میں سے سب سے بلند رکن ہے اس کے بھی اپنی خواہشات ہیں اسے بھی غذا کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مادی رکن نہیں ہے بلکہ لطیف ترین رکن ہے اس لئے اس کی غذا مادی نہیں بلکہ اس کی غذا علم الاخلاق ہے کیونکہ جب اس کے بارے میں سوال ہوا تو خالق کائنات نے فرمایا کہ قل الروح من امر ربی کہ فرمادو روح میرے رب کے امر سے تعلق رکھتی ہے کہ جس کا تعلق امر اللہ سے ہوگا اس کی اصلی غذا بھی رضائے اللہ کو ہونا چاہیے کیونکہ خاکی پیکر

کے اسباب حیات خاک سے جنم لیتے ہیں اور خاک ہی کی طرف اس کی رجعت ہے تو جس کے پیکر امری کا تعلق امر رب سے ہے تو اس کے اسباب حیات بھی اوامرِ رب سے ہی اگ سکتے ہیں اور پھر اسی کی طرف اس کی رجعت ہونا چاہیے کیونکہ مسلمہ ہے کہ

☆کُلُّ شَيٍّ یَرجَعُ اِلٰی اَصلِهٖ

کہ ہر شیئ کی رجعت اپنی اصل کی طرف ہے گو روح پر موت نہیں ہے مگر غذا کی ضرورت تو اسے بھی ہے بقول شخصے ''موسیقی روح کی غذا ہے'' دراصل یہ قول ان مذاہب کا ہے کہ موسیقی جن کے مذاہب میں شامل ہے جیسے ہندودھرم، عیسائیت کہ ان کی عبادت بھی آلات غنا سے مرتب ہے اگر موسیقی روح کی غذا ہوتی تو بڑے بڑے پنڈت اور خانصاحبان ماہرین موسیقی علمائے ربانی ہوتے اور علم موسیقی سے نابلد علماء روحانیت سے خالی ہوتے یہ امکان تھا تان سین نعوذ باللہ کوئی نبی ہوتا اسی لئے ماننا پڑتا ہے کہ روح کی غذا اطاعت امر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق ہی عالم امر رب سے ہے۔

روح کی غذا عرفان ہے اور عرفان ایک ''بیانی'' ہوتا ہے اور دوسرا ''حصولی'' ہوتا ہے روح کے لئے جو عرفان ہے وہ بیانِ کیفیت کی طرح نہیں ہوتا بلکہ حصولِ کیفیت کی طرح ہوتا ہے اور یہی اس کی حقیقی غذا ہے۔

دین حق جو بھی ہوگا جس دور میں بھی ہوگا وہ انسانی فطرت کے مطابق ہوگا اور اس کا مقصد عرفان ہی ہوگا

یہ مسلمہ ہے کہ ہر دین عین فطرت سے ترتیب پایا ہے یہ اور بات ہے کہ کسی مذہب

کے راہنما نے فطرت شناسی میں غلطی کی ہو مگر فطرت کے خلاف مذہب کا اعلان نہیں کیا ہوگا اسی لئے تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام دین فطرت ہے اور یہ بھی فرمایا کہ

☆كُلُّ مَولُودٍ يُولَدُ عَلىٰ فِطرَتِ الِاسلَام

یہ اعلان فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والا اسلام کی فطرت پہ جنم لیتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ فطرت پر اسلام بنا ہے بلکہ فرمان سے ثابت ہے کہ اسلام پہلے تھا اور اسلامی بنیادوں پر انسان کی فطرت کو بنایا گیا۔

جب انجینئر ایک ماڈل دیتا ہے اس پر تعمیر ہوتی ہے اسی طرح اسلام کے ماڈل پر فطرت کو تعمیر کیا گیا ہے یعنی اسلام دین فطرت نہیں بلکہ فطرت دین اسلام ہے اس سے ثابت ہوا کہ روح کی غذا ''معارف'' ہی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان کے ارکان ثلاثہ اپنے معاملے میں خود غرض ہوتے ہیں اس لئے روح بھی بحیثیت رکن خود غرض ہوتی ہے اور اپنے اغراض سے دست بردار نہیں ہوسکتی یہ کہتی ہے کہ مسٹر انسان میری خواہشات پر بدن اور نفس کی خواہشات کو قربان کردو جسم پر مجھے حکمران مطلق العنان بنادو جو میں چاہوں نفس اور بدن وہی کریں میرے لئے نفس اور بدن کو قربان کردو۔

یہ بھی خواہشات جسم ونفس پہ ڈاکہ ڈالنا چاہتی ہے اور انسان کو سمجھاتی ہے کہ او احمق انسان تم ہر چیز مجھ پر قربان کردو کل داورِ روز جزا کے سامنے تمہاری طرف سے مجھے جواب دینا ہوگا تمہاری نمائندہ بن کر مالک یوم الدین کے حضور مجھے پیش ہونا ہے اور جب جواب دہ میں ہوں تو اختیار بھی مجھے ہونا چاہیے بات تو معقول ہے مگر خود

غرض انسان یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ جو مملکت جسم میں ایک بٹہ تین 1/3 کی مالک ہے وہی مختیار کل بن جائے جس طرح روح کے خواہشات ہیں اسی طرح نفس کے علیحدہ خواہشات ہیں کیونکہ انسان کی ہر چیز خود غرض ہے اس لئے یہ ارکان بھی خود غرض ہیں۔

خود غرضی کیا ہے؟ خود غرضی ہوتی ہے اپنی خواہشات کو ترجیح دینا اپنی ذات پر دوسروں کی ضرورت کو قربان کرنا اپنی ہر خواہش کی تکمیل چاہنا اس میں چاہے دوسرے کی موت ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ بدن و روح کے ضروریات کی ترجمانی ''میاں نفس'' کرتے ہیں کیونکہ یہ جسم اور روح کے درمیان رابطہ ہے اور چونکہ اس کا دونوں سے رابطہ ہے یہ دونوں کا ترجمان ہے اس لئے یہ دونوں کی ضروریات میں ٹانگ اڑانے کا عادی ہے یہ ضروریات بدن میں بھی اپنے مفادات اور خواہشات کو داخل کردیتا ہے اور ضروریات روح میں بھی۔

اصل بات یہ ہے کہ ارکان ثلاثہ بذات خود اندھے، بہرے، گونگے ہیں یہ کسی چیز کا ادراک نہیں کرسکتے اور ان کے ادراک کے وسائل یہی حواس خمسہ وعشرہ ہیں جو تینوں کے مشترک ہیں مثلاً آنکھ ہے تو روح، بدن اور نفس تینوں نے دیکھنے کا کام صرف اسی سے ہی لینا ہے کان ہیں تو سننے کا کام تینوں نے انہی سے لینا ہے حقیقت یہ ہے کہ کسی کی خواہش پوری نہیں ہوسکتی جب تک ان پر مکمل قبضہ نہ ہوا اگر روح کا قبضہ ہوا تو اس نے اعضاء وجوارح کو مکمل اوامر الٰہیہ پہ چلا دیا، بدن کا قبضہ ہوا تو کھانے پینے کا کام لیا، نفس کا قبضہ ہوا تو اس نے اپنی لذات کے لئے استعمال کیا گویا

یہ حواس و اعضاء ایک تلوار کی طرح ہیں بدن کا ہاتھ قبضے پہ پڑ گیا تو تربوز کاٹ کر کھانے کا اہتمام کرلیا، روح کی گرفت قبضہ پر پڑ گئی تو اطاعت خدا میں کفار پر چلانا شروع کردیا اور اگر شریر نفس کا ہاتھ لگ گیا تو پھر مومنین پر چلادی گویا اعضاء کا کام ہی چلنا ہے اصل قوت وہی ہے جس کی گرفت میں یہ ہیں۔

چونکہ نفس مکار اور عیار ہے اس لئے حواس و اعضاء کو یہ اکثر اپنے قبضے میں رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ روح اور بدن کے مفادات میں اپنے لذات کو داخل کردیتا ہے کیونکہ ہر ضرورت کو پورا تو انہی کے توسط سے ہونا ہوتا ہے اس لئے نفس وسائط کو قبضے میں رکھنے کو عین مصلحت وقت سمجھتا ہے یہ اتنا نک چڑھا ہے کہ اپنی خواہشات کی تکمیل نہ ہونے میں اپنی موت سمجھتا ہے اور یہ اپنی موت سے بچنے کے لئے ہر داؤ استعمال کرتا ہے گویا مملکت جسم میں میکاولی مزاج سیاست دان نفس ہے اور چنگیز خان کی طرح اپنے ہر حکم کی تعمیل چاہتا ہے مگر کبھی چالاکی سے اور کبھی ضد اور سرکشی سے۔

یہ ہر راستہ ہر داؤ جانتا ہے اور انسانی کمزوریوں کو بھی خوب سمجھتا ہے اسی لئے یہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھتا ہے جسم کی خواہشات میں اپنی خواہشات کی تکمیل بھی کرتا ہے اور روح کی ضروریات میں بھی اپنی ہوس کو داخل کرتا رہتا ہے۔

ضروریاتِ بدن میں مداخلت

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ جسم کی خواہشات اور ضروریات میں اپنی خواہشات کو کیسے داخل کرتا ہے مثال دیتا ہوں

مثلاً جسم کو پانی کی ضرورت محسوس ہوئی اس نے پانی طلب کیا نفس نے فوراً اپنی

خواہشات کو شامل کر دیا اعضاء کو حکم دیا مسٹر بدن کو پانی کی ضرورت ہے فوراً پانی پلا دو دیکھو! مٹی کے پیالے کی بجائے شیشے کے گلاس میں لانا

دیکھو! شیشے کا ایک عام سا سفید گلاس پڑا ہے وہ نہیں وہ سامنے جو الماری میں سبز رنگ کا خوب صورت گلاس ہے اس میں لانا چاہے الماری کو تالا ہی کیوں نہیں لگا ہوا ہو

اب خود سوچیۓ کہ جسم کو صرف پانی کی ضرورت ہے جو ہاتھوں کی اوک سے بھی پیا جا سکتا ہے یا مٹی کے پیالے سے بھی پیا جا سکتا ہے کیا شیشے کے خوب صورت گلاس میں پانی کی افادیت بڑھ جاتی ہے؟

کیا سفید گلاس میں پینے سے سبز گلاس میں پینا جسم کے لئے زیادہ مفید ہے؟

نفس کی انہی کارستانیوں کی وجہ سے اسے برا کہا گیا اور یہاں تک فرمایا گیا ہے

☆اَعدیٰ عَدُوُّکَ نَفسُکَ الَّتیِ بَینَ جَنبَیکَ

تمہارا سب سے بڑا دشمن یہی نفس ہے کہ جو تمہارے پہلووں کے درمیان ہے

کیونکہ یہی نفس ہمنوائے ابلیس ہوتا ہے اور مملکت بدن پر مکمل تصرف چاہتا ہے

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ بدن اور روح کے مابین وسیلہ ہے اور بحیثیت وسیلے کے یہ اکثر اوقات ان دونوں کی ترجمانی میں خیانت کرتا ہے اور بہت کچھ اپنی طرف سے داخل کرتا رہتا ہے جو روح و بدن کی ضروریات ہوں ان میں اپنی خواہش کو داخل کرتا رہتا ہے یعنی یہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کا عادی ہوتا ہے کیونکہ نفس و بدن وروح جب تک قید عناصر میں مقید رہتے ہیں اندھے بہرے اور گونگے ہوتے ہیں بالذات کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے یہ تینوں ارکان صرف بدن کے وسائل کو استعمال کر کے کام چلاتے ہیں یعنی یہی انسان کے حواس خمسہ وعشرہ ہیں جو ان تینوں

کے وسائل حصول و وصول ہیں کیونکہ لطیف ارکان مادے کی قید میں رہ کر بالذات کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور ان حواس کے اوپر ایک ''حس مشترک'' ہے جو ان حواس کی نگران اعلیٰ ہوتی ہے اور یہی حس سب سے پہلے نفس تک مدرکات پہنچاتی ہے پھر نفس روح اور بدن تک پہنچاتا ہے یعنی حس مشترک بھی ایک وسیلہ اور رابطہ ہے اور انہی وسائل و وسائط و روابط سے ارکان ثلاثہ بولتے سنتے اور افعال کے مرتکب ہوتے ہیں یعنی آنکھ نے دیکھنا ہے، رویت نے پرکھنا ہے پھر حس مشترک کے ذریعے تصویر نفس تک پہنچتی ہے پھر اس پر ارکان ثلاثہ کی جیوری فیصلہ صادر کرتی ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے مثال دی ہے کہ جسم کو پانی کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ جسم کی ضرورت کا نام ہے ''احتیاج'' یعنی جہاں انسان کا جسم نباتات کی طرح غزائیت کی کمی کو پورا کرنا چاہتا ہے وہاں اس میں نباتاتی اشتراک کی وجہ سے احتیاج پیدا ہوتی ہے اور احتیاج میں رجحان اور غایت دونوں لاشعور میں ہوتے ہیں تو وہاں جسم حیوانات کی طرح ضرورت کو رحجان میں لاتا ہے اور جسم کو ایک خواہش ہوتی ہے جسے ''اشتہا'' کہا جاتا ہے تو بدن کو جب پانی کی کمی محسوس ہوئی تو اس نے احتیاج اور اشتہا کو محسوس کیا تو نفس کو انڈی کیٹ کیا اشارہ دیا کہ جسم کو پانی کی ضرورت ہے اب اس نے اپنی ہوس کی تسکین کو بھی اس میں شامل کر دیا اعضاء کو حکم دیا کہ بدن کو پانی کی ضرورت ہے فوراً پانی لاؤ یہ تو تھی بدن کی ضرورت مگر اس نے اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا کہ مٹی کے پیالے کی بجائے شیشے کے سبز گلاس میں لاؤ عام سفید گلاس بھی نہ ہو بہتر ہے شربت لاؤ اور تھوڑا سا میٹھا بھی ہو تو زیادہ اچھا ہے اور وہاں برف ڈالنا ہرگز نہ بھولنا۔

قارئین! اب خود دیکھیں کہ کیا شیشے کے گلاس میں پانی کی افادیت میں کوئی اضافہ ہو سکتا ہے؟ کیا سبز رنگ کے گلاس میں جسم کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوئی اضافی صلاحیت موجود ہے؟ کیا سونے چاندی کے گلاسوں میں پانی کی قوت بڑھ جاتی ہے؟ سوچیں گے تو جواب نفی میں ملے گا کیونکہ مٹی کے پیالے اور اوک سے پانی پینا اتنا ہی سفید ہے جتنا شیشے یا سونا چاندی کے گلاسوں میں پانی پینا بس جسم کو تو صرف پانی کی ضرورت تھی باقی تمام کاروائی صرف اور صرف حضرت نفس کی تسکین کے لئے تھی۔

حالانکہ انبیاء علیہم السلام نے درختوں کے پتے کھا کر زندگی گزاری ہے نرسلوں کی جھونپڑیوں میں رہے، پیٹ پر پتھر باندھ کر گزارا کیا، ہاتھوں کا پیالہ بنا کر اوک سے پانی پیا تو صاف ظاہر ہے کہ اس طرح سے بھی زندگی گزر تو سکتی ہے۔

پھر یہ مختلف قسم کے واٹر سیٹ، ٹی سیٹ، کوٹھیاں، کاریں، فریج، روم کولر، آئس فیکٹریز، ائر کنڈیشنرز یہ جملہ عیش و عشرت کے سامان و اسباب کس کے پیدا کردہ ہیں؟ تو لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ صرف خواہشات نفس کی تسکین کے سامان ہیں اور ان کی علت غائی صرف تسکین ہوس ہے یعنی جملہ فسادات زر، زن، زمین کے جھگڑے حضرت نفس کی کارستانیاں ہیں۔

ایک اور مثال بھی عرض کردوں تاکہ میری بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ انسان کو بقائے نسل کے لئے اختلاط زوجین کی لذت ودیعت کی گئی ہے کہ، ہر ذی روح اس لذت کے لئے اختلاط کرے گا اور لاشعوری طور پر سلسلہ تولید و تناسل چلتا رہے گا یہ لذت قوت لامسہ کے ماتحت ہے خالق نے یہ لذت ان ویژن ایبل Unvisionable جراثیم سے لے کر بڑے سے بڑے جانور کو عطا

فرمائی ہے حتیٰ کہ کتے اور خنزیر کو بھی اختلاط زوجین سے لذت محسوس ہوتی ہے۔ بدن کے لئے لامسہ کے لحاظ سے ایک خوبصورت اور جواں سال دوشیزہ اور بدصورت جانور برابر ہیں یعنی ان دونوں کا جسمانی لحاظ سے ٹیسٹ Taste ایک ہے یہی وجہ ہے کہ بعض بدبخت لوگ جانوروں سے غیر فطری فعل کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ جسم جانور اور انسان میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

یہ لذت تو بقائے نسل کے لئے عطا ہوئی تھی جب جسم نے بھوک کی طرح اس خواہش کا اظہار کیا تو نفس نے فوراً جوڑا تلاش کیا اور اس خواہش میں بھی ہوس کو داخل کر دیا یعنی ایک عورت میسر آئی، آنکھ سے پوچھا کیسی ہے؟ آنکھ نے حلیہ بتایا کہ رنگ سانولا ہے، ناک چپٹی ہے، جسم قدرے بے ڈول سا ہے، قد بھی چھوٹا ہے مگر بچے پیدا کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے نفس نے فوراً ناک بھوں چڑھا لئے اور کہا اجی چھوڑیئے کیا یہی عورت دنیا میں باقی رہ گئی ہے کیا ساری دنیا کی عورتیں مرگئی ہیں

حالانکہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ اکبر بادشاہ سے کسی نے بیربل وزیر کی لڑکی کی تعریف کی تو اس نے بیربل سے کہا کہ مجھے اپنے گھر دعوت دو وہ اس کی لڑکی کو دیکھنا چاہتا تھا اس بات کو بیربل بھانپ گیا اور لڑکی کو سمجھایا اور دعوت دے دی بادشاہ جب آکر دسترخوان پر بیٹھا تو سامنے سات رنگوں کی علیحدہ علیحدہ ڈشیں رکھیں ہوئی تھیں اکبر نے ہر ڈش کو چکھا تو وہ ایک ہی فیرنی تھی صرف رنگ علیحدہ علیحدہ تھے تو اکبر نے سوال کیا اے لڑکی کیا تجھے دوسرے کھانے تیار کرنا نہیں آتا کہ ایک ہی فیرنی میں کئی رنگ بنا دیئے ہیں تو اس نے جواب دیا۔

بادشاہ کا اقبال سلامت جیسے ان مختلف رنگوں کا ذائقہ ایک ہے اسی طرح ہر عورت کا

لامسہ بھی ایک ہے صرف رنگ جدا جدا ہیں۔
اگرچہ یہ ایک فرضی داستان بھی ہوسکتی ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ ذائقہ کے لحاظ سے ہرعورت ایک ہی فیرنی کی طرح ہے صرف رنگوں کا انتخاب نفس کرتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ اختلاف رنگ سے اختلاف ذائقہ وابستہ نہیں ہے مگر پھر بھی یہ نفس کسی کی منہ پہ تعریف کروا رہا ہے اور کسی کا گلہ اور کسی کو کسی کے پیچھے فرہاد و مجنوں بنا رہا ہے دراصل یہ نفس کے خواہشات ولذات تھے جسے اس نے ضروریات میں گھسیڑ دیا۔

ضروریاتِ روح میں مداخلت

دوستو! یہ نفس جس طرح ضروریاتِ بدن میں اپنے خواہشات کو داخل کرتا رہتا ہے اسی طرح ضروریات روح میں بھی اپنے خواہشات کی تکمیل کے پہلو تلاش کرتا ہے مثلاً روح کی ضروریات رضائے اِلٰہی کے حصول کے اسباب ہیں لیکن جب انسان ان اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو بھی یہ اپنی ٹانگ اڑا دیتا ہے۔
ایک شخص نصف شب کے بعد عبادت کے لئے محراب میں پہنچا بالکل تنہائی میں انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت شروع کردی آنکھ موتی برسانے لگی۔
اعضاء و جوارح روح کے تصرف میں کام کرتے رہے اور مسٹر نفس سوتے رہے یعنی من کے کسی گوشے میں دبکے یہ تماشہ دیکھتے رہے کہ اچانک قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی بس حضرت نفس فوراً چوکنے ہوگئے فوراً جسم کو تنبیہ کی کہ تمہیں معلوم ہے کہ دیکھنے والا آ گیا ہے اب ذرا سنبھل کر عبادت کرو یہ دیکھنے والا لوگوں میں کیا کہتا پھرے گا بس اب جی لگا کر بہترین عبادت کا مظاہرہ کرو بس اسی کے ساتھ جسم کا چارج نفس

نے سنبھال لیا اور روح منہ دیکھتی رہ گئی پھر کیا ہوتا ہے کہ بدن نفس کے تصرت میں ایکسر سائز کرتا رہتا ہے اور روح تڑپ کر دور ہو جاتی ہے یہ ہے وہ طریقہ واردات کہ جس سے نفس روح سے بدن کو چھین کر متصرف ہو جاتا ہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ اور بھی ہے

کوفے کا ایک زاہد تھا وہ ہر رات مسجد حنانہ میں جا کر عبادت کیا کرتا تھا اس وقت یہ مسجد ویرانے میں تھی ہر طرف ایک سکوت طاری ہوتا تھا اس طرح عبادت کا لطف بڑھ جاتا تھا کیونکہ عبادت میں یکسوئی جز و لازم ہے۔

ایک رات وہی صاحب جب مسجد کو روانہ ہوئے تو تاریک رات تھی اور سردی بھی تھی اور بارش بھی گرج چمک کے ساتھ تھی جب وہ عبادت کے لئے مسجد میں پہنچے تو سردی بڑھ گئی اور عبادت کے لئے دل حاضر نہ ہو رہا تھا اور ایک کسالت غالب تھی مگر انہوں نے سجادے پر کھڑا ہونا خود پر واجب کر لیا اور ٹوٹے دل سے عبادت کرنے لگے نصف شب کے بعد دروازے کی سمت سے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی تو زاہد صاحب فوراً سنبھل گئے کہ شاید کوئی دوسرا عبادت گزار آن پہنچا ہے بس پھر تو تھکن جاتی رہی اور باقی رات خوب جی لگا کر عبادت کی جب صبح ہوئی تو سجدہ شکر ادا کیا اور پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنے والا کون تھا تو دیکھا کہ مسجد کے ایک کونے میں ایک بھیگا ہوا کتا مزے کی نیند سو رہا تھا اب زاہد کا شعور بیدار ہوا کہ میں نے کتنی غلطی کی ہے کہ دکھاوے کی عبادت میں رات بسر کی اور مطلب بھی پورا نہیں ہوا۔

دراصل یہ اس زاہد کا قصور نہیں تھا بلکہ وہ مسٹر نفس کی شرارت تھی کہ کوئی بہانہ ملے اور مملکت بدن سے روح کو بے دخل کیا جائے نفس نے کانوں پر اعتماد کرتے ہوئے

دھوکہ تو کھایا ہے کہ شاید کوئی انسان ہوگا مگر اس نے بدن پر تصرف حاصل کرنے کا موقع ایک سکینڈ کے لئے بھی ضائع نہیں کیا اور پوری رات کی عبادت کا ستیاناس کر دیا بس اسی طرح یہ روح کی تسکین کے جملہ اعمال میں اپنی ہوس کی تسکین کے سامان تلاشتا رہتا ہے یہ نفس شریر کی شرارت تھی کہ جس نے روح کی ضرورت میں اپنی خواہشات کو داخل کر دیا مگر وہ زاہد یہ تشخیص نہیں کر سکا کہ اصل معاملہ کیا ہے نفس ہمیشہ روح اور بدن کی ضروریات میں اپنی خواہشات کو داخل کرتا رہتا ہے۔

بعض اوقات یہ بدن کو روح کے پیغامات دیتا ہے یعنی اپنی طرف سے بدن کو روح کے فرضی احکامات بھی دیتا رہتا ہے مثلاً ایک امیر آدمی کو آتے دیکھا نفس نے دیکھا کہ یہ میری فلاں خواہش کی تکمیل کرسکتا ہے فوراً جسم کو حدیث سنا دی کہ انکسار تواضع اور عجز بہت اچھی چیزیں ہیں بدن فوراً امیر آدمی کے قدموں میں جھک گیا روح تڑپ گئی احمق یہ کیا غضب کر دیا یہ بے موقع حدیث کیوں سنا دی یہاں تو یہ فرمان سنانا تھا کہ ''متکبر کے سامنے تکبر بھی عبادت ہے'' یہ کیا کیا کہ جہاں قیام کی ضرورت تھی وہاں سجود کروا رہے ہو۔

ترجیحاتِ نفس

دوستو! نفس شریر کے سامنے جب لذت و خواہشات کا اجتماع ہوتا ہے تو یہ کوشش کرتا ہے کہ ہر خواہش پوری ہو اگر ان خواہشات میں ایک دوسرے سے تصادم کی فضا پیدا ہو جائے تو یہ پھر مختلف حواس کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھتا ہے اور خود مزے لیتا ہے۔ دیکھئے زبان ہے تو حس ذائقہ سے مملو ہے اس لئے یہ صرف ذائقے کا ادراک کرسکتی

ہے یہ کہتی ہے کہ مجھ تک ہمیشہ میرے پسندیدہ ذائقے ہی پہنچتے رہیں کانوں کو چاہے لاکھ بدترین دشنام ہی کیوں نہ سننے پڑیں۔

کان ہے کہ آوازوں کا ادراک کرسکتا ہے اس لئے یہ چاہتا ہے کہ مجھ تک سرود و ساز کی دل نواز دھنیں پہنچتی رہیں چاہے اللہ کی لعنت ہی کیوں نہ برستی رہے۔

آنکھ ہے تو حسِ جمالیات سے مملو حسن مناظر کا ادراک کرنے والی ہے یہ بھی کہتی ہے مجھے تو میرے پسندیدہ چہرے دکھاتے رہو چاہے محرم کے ہوں یا غیر محرم کے مجھے تو حسن بینی چاہیے چاہے سارا جسم جہنم میں ہی کیوں نہ چلا جائے مگر میں تو گھر پھونک تماشا ضرور دیکھوں گی۔

ناک ہے تو خوشبو کے سوا کچھ نہیں جانتا صرف سونگھ سکتا ہے اسے تو پھول کی خوشبو کی ضرورت ہے چاہے ہاتھ زخمی ہی کیوں نہ ہو جائیں ہاتھوں کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا کر یہ اپنی لذت کی تسکین چاہتا ہے۔

اگر آپ حواس کی حد تک دیکھیں گے تو محسوس کریں گے یہ سارے حواس و اعضاء بہت خود غرض ہیں اور ایسا لگے گا کہ انسان میں خود غرضی کا سمندر موجیں مار رہا ہے یہاں تک کہ ایک ہی جسم کے اعضاء و جوارح ایک دوسرے پر علیٰ الاعلان خود غرضی کررہے ہیں اپنی ذات پر دوسرے کو قربان کرنے پر تلے ہوئے ہیں لیکن یہ اعضاء و حواس کی جنگ نہیں ہے بلکہ یہ تو میاں نفس ہی ہیں جو ان میں اپنے ترجیحات کے مطابق تصادم کروارہے ہیں کیونکہ یہ تو حواس ہی کے ذریعے اپنی ساری خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے اگر حس ہی موجود نہ ہو یا عضو ہی موجود نہ ہو تو یہ کیسے خواہشات کی تکمیل کرسکتا ہے آپ خود سوچیں کسی اندھے کا دماغ خراب ہے کہ وہ مری اور شملہ

کے دلکش مناظر دیکھنے جائے یا نیاگرہ کی آبشار دیکھنے جائے اور گر کر ہلاک ہو جائے یا ٹی وی پر باکسنگ اور فٹ بال کے مقابلے دیکھنے کی سوچے حقیقت یہ ہے کہ جملہ اسباب عیش وطرب اسی حضرت نفس کے پیدا کردہ ہیں۔

ہوائے نفس

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ خواہش نفس کیا چیز ہے جو سارے فسادات کی جڑ ہے دوستو! بحیثیت رکن انسان کے بدن کا خاصہ ''شہوت'' ہے اسی طرح بحیثیت رکن نفس انسان کا خاصہ ''ہوا'' (ہوس) ہے

رب ذوالجلال والاکرم جل جلالہ نے جو احکام فرمائے ہیں اس میں شہوات میں اعتدال کا حکم فرمایا ہے کیونکہ شہوات انسان کی مجبوری ہیں مثلاً بھوک ہے یا پیاس ہے یہ شہوات میں سے ہیں انہیں کچھ حد تک روکا تو جا سکتا ہے مگر بالکل ختم کرنا بنی نوع انسان کے لئے محال نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے اس لئے ان کی افراط (زیادتی) کی مذمت فرمائی گئی ہے مگر انہیں حرام نہیں کیا گیا لیکن ''ہوائے نفس'' کو بالکل ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہی ''ہوائے نفس'' جب حوصلہ افزائی پاتی ہے تو پورے جسم پر اللہ کی طرح حکمران ہو جاتی ہے۔

مالک مطلق جل جلالہ نے اتباع نفس کو سب سے بری بلا فرمایا ہے یعنی یہ انسان کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہے اس آزمائش میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو ہوائے نفس کی سرکوبی کرتا ہے کیونکہ یہ مالک کی رضا کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے

☆فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاء هُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ ...... (القصص50)

اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ لوگ آپ کے اعلان پہ لبیک کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کو معلوم ہی ہے وہ تو اپنی خواہشات نفس (اہوا) کی اتباع میں مصروف ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ''ہوائے نفس'' کی اتباع میں مگن ہے یعنی اتباع ہوائے نفس ہی دین حق کو قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے

اسی طرح سورۃ جاثیہ میں ارشاد ہے

☆أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً ......(الجاثیہ 23)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جس نے اپنا الـــــــہ ''ہوائے نفس'' کو بنا رکھا ہے اور اللہ نے تو اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اس کی سماعت اور قلب پہ مہر لگا دی ہے اور بینائی پہ حجاب ڈال دیئے ہیں۔

اسی طرح بلم باعور کے بارے میں سورہ الاعراف میں آیا ہے کہ

☆ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث......(اعراف176)

یعنی بلم باعور ہوائے نفس کی اتباع میں نکلا تو فرمایا کہ جو بھی اتباع ہوا و ہوس کرتا ہے اس کی مثال کتے کی ہے کہ اس پر بوجھ لادو تو پھر بھی زبان نکالے رہتا ہے اور اگر چھوڑ دو تب بھی اس کی زبان نکلی رہتی ہے۔

یعنی واضح فرمایا جارہا ہے کہ ہوا و ہوس ایک ایسی محبوبہ ہے کہ جس کے جملہ احکام کی

تعمیل میں اگر انسان اپنی زندگی ہی لٹا دے تو وہ کبھی راضی نہیں ہوسکتی، اس کا کاسہ حرص کبھی پر نہیں ہوسکتا، یہ کبھی نہ راضی ہونے والا معشوق ہے کیونکہ جب انسان زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے لئے وقف کر دیتا ہے تو آخر کو یہی کہنا پڑتا ہے

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

شہوت بدن کی ضروریات کا اور اس کے مطالبوں کا نام ہے اور ''ہوائے نفس'' خود میاں نفس کی پیدا کردہ خواہشات ہوتے ہیں۔

نفس ہمیشہ بنیادی شہوات کے ساتھ اپنی ''ہوائے نفس'' کو نتھی کر دیتا ہے اور انسان اسے بھی بنیادی ضروریات میں سے سمجھتا ہے اور دھوکہ کھا جاتا ہے مثلاً زندگی کی ضروریات کے ساتھ جب طولِ امل (لمبی امید) ناطہ جوڑ لیتی ہے تو ان خواہشات کو بھی زہر آلود کر دیتی ہے۔

یا لذتِ بدن سے حبِ نسا و اولاد وابستہ ہو جاتی ہے تو فتنہ آفرینیاں کرتی ہے یا شکم کی ضروریات سے حبِ جاہ و جاہت شامل ہو جاتی ہے

نفس کا مشیر اعلیٰ ابلیس ہوتا ہے تو یہ بھی اسے نئے نئے مشورے دیتا ہے کیونکہ اسے بھی اجازت حاصل ہے کہ اولاد آدم علیہ السلام کو بہکاؤ بس یہ دونوں مل جاتے ہیں اور ابلیس لمبی لمبی سوچیں دلاتا ہے، مستقبل کے فقر و فاقے سے ڈراتا ہے اور دولت جمع کرنے کے احکام صادر کرتا ہے اور جب روح کہتی ہے کہ راہ حق پہ خرچ کرو تو یہ اپنی چال چلتا ہے انہ یعید کم الفقر کہ شیطان فقر سے ڈراتا ہے اور ذخیرہ اندوزی جیسی اخلاقی برائی کا مرتکب کرتا ہے کوٹھی، کار، زمین، جائیداد، دولت وغیرہ پر اکساتا ہے

تو خالق کائنات نے اپنی کتاب مجید میں ارشاد فرمایا

☆زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا...... (آل عمران 14)

سب سے اول عورتوں کی محبت اور بیٹوں کی محبت کو حبِ شہوت کے ماتحت بیان فرمایا گیا ہے پھر سونے چاندی کے سکوں کو حبِ شہوت قرار دیا گیا ہے پھر سواریوں کا تذکرہ ہے پہلے زمانے میں گھوڑے کو سواری کا معراج تصور کیا جاتا تھا اب خیل کو موجودہ دور کی سواریوں کے لئے علامتی طور پر تصور کر لیں تو اس طرح بہترین سواریوں کی خواہش کو حبِ شہوت قرار دیا جا سکتا ہے پھر باقی جانوروں کے گلوں کو اور کھیتی باڑی زمین و جائیداد کو شہوت کی محبت میں لایا گیا ہے اور آخر میں فرمایا یہی چیزیں ہیں جو گھٹیا دنیا کی متاع حیات و کل کائنات ہیں

عورتوں اور بچوں کو فطری بقائے نسل کے حیوانی تقاضوں کے پیش نظر بیان فرمایا ہے سونے چاندی کے سکوں کو خوراک کی فطری ڈیمانڈ کے اعتدال سے تجاوز کرنے کی صورت میں لایا گیا ہے زمین و جائیداد کو خوراک کی طلب میں شدت کے معنی میں بیان فرمایا ہے دنیا کا لفظ ''دنو'' سے مشتق ہے یعنی گھٹیا تو یہ گھٹیا زندگی کی منظر کشی ہے اگر یہی کائنات ہی انسان کی معراج سعادت ہے تو پھر کفر کیا ہے؟

ہوائے نفس پہ عارف ربانی جناب ادیم نقوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوبصورت کتب لکھے ہیں تفصیل کے لئے ان کے کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے

دوستو! ہوائے نفس کو اللہ جل جلالہ نے ایک معبود باطل قرار دیا اور معبود کے ایک معنی یہ

بھی ہیں کہ جس کے احکام کی بلا سوچے سمجھے تعمیل کی جائے اور انسان اپنے خواہشات نفس کی تکمیل ہمیشہ بلا سوچے سمجھے کرتا ہے اس لئے اسے بھی معبود قرار دیا اور لا الہ الا اللہ کا عرفانی مطلب یہ ہے کہ خواہش نفس بھی معبود نہیں اور جہاں بھی کوئی خواہش حکم الٰہی سے متصادم ہوئی وہاں اس کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی حب دنیا میں جو چھ چیزیں شامل ہیں وہ ساری کی ساری ہوائے نفس کے دائرے میں آتی ہیں اس لئے اس کے خاتمے کے بغیر انسان اپنی منزل عرفان کو نہیں پا سکتا۔

دوستو! آپ ہوا و ہوس کے معنی کچھ نہ کچھ سمجھ گئے ہوں گے یعنی نفس کا خاصہ ہے ہوا و ہوس، جذبات خارجی کیونکہ یہ مجمولات جو ہر یہ سیکنڈ کلاس جو ہر ہے اس لئے افعال کمالیہ میں سے یہ فہم کا حامل ہوتا ہے جس کا حاصل فن ہے اس کا حاصل فہم ہے یعنی جسے عرف عام میں علم کہا جاتا ہے (Normative Science) یہ علم جو واقفیت پر مبنی ہوتا ہے یعنی اگر علم عملی ہو تو فن ہے اگر غیر عملی ہو تو علم معیاری ہے جس کا کام یہ ہے کہ ہر چیز کی قدر و قیمت کا تعین کرے یعنی اشیاء کے بارے میں تعین کرے کہ انہیں کیسا ہونا چاہیے اور یہ کئی علوم ہیں مثلاً جمالیات، علم الاخلاق، معاشرتی علوم وغیرہ یہ اچھے برے کا حکم لگانے والا علم ہے خوب و زشت کے تعینات وضع کرتا ہے یہ معیاری علم ''فہم'' سے ماخذ ہے فہم کے معنی ہیں سمجھنا اور نفس کا عمل ہے سمجھنا جسم کا عمل ہے کرنا اور انسان نفسی جب کمال کو پہنچ جاتا ہے تو سمجھنے کے عمل میں سرعت اور سلجھاؤ اور صفائی آجاتی ہے۔

تخیل اور تصور ارتکاز و یکسوئی اسی ''فہم'' کے صفات ہیں اور فہم اور شعور کے امتزاج سے جو معلومات کا ذخیرہ بنتا ہے اس کا نام ہے ''عرفان'' یعنی حسیات کا علم ہو تو

عرفان کہتے ہیں عرفان کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آثار سے موثر کو سمجھنا، نقش قدم سے راہی کے وجود پہ استدلال کرنا، تصویر کو دیکھ کر مصور کے وجود پہ دلیل لانا اسی لئے عرفان کی ضد انکار کو قرار دیا گیا ہے یعنی علم اور عرفان میں یہی فرق ہے کہ علم کی ضد جہل (لاعلمی) ہے اور عرفان کی ضد جاہلیت (یعنی انکار) ہے۔ خالق کائنات نے کہیں بھی اپنے اور انبیاء و آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام کے بارے علم کی تاکید نہیں فرمائی بلکہ عرفان کی تاکید فرمائی ہے جیسے فرمایا

☆مَن مَاتَ وَلَم یَعرِف اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَد مَاتَ مِیتَۃَ الجَاھِلِیَّہ

کہ جس نے امام وقت کا عرفان حاصل نہ کیا گویا وہ جاہلیت یعنی انکار کی موت مرگیا کیونکہ شواہد کائنات کسی کے وجود کا پتہ دے رہے ہیں اور انہیں دیکھ کر کوئی کسی پوشیدہ ذات کے وجود پہ استدلال قائم نہیں کرسکتا تو وہ لاعلم نہیں بلکہ منکر ہے پروردگار عالم کما حقہ معرفت بشریت کے افہام و ادراک سے ماوریٰ ہے لیکن یہ کارخانہ کائنات بھی تو ایک صانع کی صنعت گری کا منہ بولتا ثبوت ہے اب اس سے بھی انکار کرے ''تو جاہل نہیں'' کیونکہ جانتا تو سب کچھ ہے مگر ماننا نہیں چاہتا یعنی منکر ہے۔

میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں انسان نفسی ایک مکمل انسان ہے جس کے ذخیرہ علم کا نام ہے عرفان اور اسے جو ادراکِ حقائق کی قوت بخشی گئی ہے اس کا نام ہے ''فواد''

یہ بھی ہے کہ اس انسان کے اعضاء و جوارح غیر وصفی و غیر متبادل ہیں جن سے یہ کام کرتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ جہاں ''انسان طبعی'' (جسم) کی انتہا ہے وہیں سے نفس کی ابتدا ہے اور متعلقات جسمانی کیفیات نفسی کے اظہار کے لئے ناکافی ہیں جسم کے بس

کا روگ نہیں کہ وہ کیفیات نفس بیان کر سکے مثلاً
محبت ،نفرت ،غم ،خوشی ،غصہ ، پیار ، درد ،فکر ،تخیل ،احساس انسان کہاں کہاں نفس کی ترجمانی کر سکتا ہے زبان کے پاس عربی کے ستائیس 27 حروف کی قبا ہے جو احساسات نفس کی قامت موزوں کے لئے موزوں نہیں اور اردو کے کل ہندی حروف ملا کر 48 حروف کا لباس ہے جو کیفیات کے سر ڈھانپنے کے لئے نا کافی ہے کیونکہ جسم کی جہاں انتہا وہیں سے نفس کی ابتداء ہے اس پہ دیباچے میں بھی بحث ہو چکی ہے پھر جس طرح جسم کے سٹور کا نام اعصاب ہے اسی طرح نفس کے خزانے کا نام ہے لاشعور یعنی جو کچھ یہ جمع کرتا ہے اسے لاشعور میں محفوظ رکھتا ہے اور لاشعور میں مختلف کیفیات ولذات وآلام واصوات ونقوش ذائقے خوشبوئیں وغیرہ بس یوں سمجھ لیں لاشعور نفس کا مال گودام ہے یا کیفیات کا کباڑ خانہ ہے جہاں مدرکات نفس کے ہر قسمی سمپل Sample موجود ہیں

شعور

استکمال کی منازل میں جو علمی مواد نفس کو ملتا ہے اس کا نام ہے ''شعور''
بدن کی قوت کا نام ہے طاقت اور نفس کی قوت کا نام ہے ''شعور'' ماہرین نفسیات کی کتب شعور و لاشعور ،تحت الشعور وفوق الشعور کے موضاعات سے چھلک رہی ہیں مگر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ شعور نفس کے علمی ڈیٹا کو محفوظ رکھنے والی طاقت و قوت کا نام ہے اور نفس اپنے ریاضات کے نتائج سے حاصل ہونے والے مواد کو جس قوت میں ذخیرہ کرتا رہتا ہے اسی کو شعور کہتے ہیں یہ بھی ہے کہ شعور کا تعلق

حسیات سے ہے یعنی شعور یا تو ٹھوکر کھانے سے آتا ہے یا توجہ دلانے سے پیدا ہوتا ہے شعور گویا صرف محسوسات سے حاصل ہونے والی علمی قوت کا نام ہے اور غیر محسوس کا ادراک اس کے بس کی بات نہیں ہے بدن جس کا ادراک کرتا ہے شعور اس سے کیفیات و اثرات ونقوش واصوات کو اخذ کرتا رہتا ہے یعنی یہ حیات ہی سے خزائن جمع کرتا ہے نفس اپنی قوت کے بل بوتے پر کچھ چیزیں تعمیر کرتا رہتا ہے اگر کوئی دیکھی ہوئی چیز دوبارہ بنانا چاہے اور بنا کر اپنے آئینہ خانے میں سجا دے تو اسے کہتے ہیں ''تصور'' اب اس نے تاج محل دیکھا، شاہی مسجد دیکھی، کوئی قلعہ دیکھا تو جب بھی اس کا جی چاہا تصور میں چند سیکنڈ میں ویسا بنالیا تو ثابت ہوا کہ یہ تعمیر کا بادشاہ ہے لیکن اس کی تعمیر گویا وہ فوٹو گرافی ہے جو اس نے وہاں جا کر کی تھی یا ایک وی سی آر کیسٹ یہ وہاں سے ریکارڈ کر کے لایا تھا جب جی چاہا تصور کی سکرین پہ وہی کیسٹ چلا دی اور وہی متحرک ہجوم اور جامد عمارتیں دیکھ لیں۔

جب اسے کسی نئی چیز کی خواہش ہوئی تو پھر تخیل کا کارخانہ چلا دیا گویا تخیل اور تصور شعور کے دو شعبے ہیں اور قوت متخیلہ ہی ہے جو ایک عام انسان سے شاعر، انجینئر، سائنسدان وغیرہ کو علیحدہ کرتی ہے کہ یہ قوت نئی نئی چیزیں بنا کر انسان کو دکھاتی ہے اور انسان انہیں مادی شکل میں لوگوں کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے لیکن شعور غیر محسوس کا ادراک نہیں کرسکتا یہی وجہ ہے کہ خالق نے جب شہید کی حیات سری کا ذکر فرمایا تو فرمایا ''افلا یشعرون'' کہیں فرمایا ''لاتشعرون'' یعنی شعور کی رسائی نہ ہونے کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ عالم غیر محسوس ہے اور کیفیات کو سمجھنا نہ جسم کا کام ہے نہ روح کا بلکہ کیفیات شعور سے متعلق ہیں۔ دکھ سکھ، غم و خوشی، درد و الم ولذات وغیرہ ان

کیفیات کا تعلق شعور سے ہے۔ محبت، نفرت، احساسات لطیف سبھی نفس سے اور شعور سے متعلق ہیں اور شعور کے خزانہ نتائج کا نام ہے عرفان۔

تعطل

دوستو! جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ نفس کو بدن پر جو تصرف و تدبر یا اختیار حاصل ہے یہ اس کا وجود نسبی ہے حقیقی نہیں ہے جیسے کسی انسان کو کچھ وقت کے لئے کسی ملک کا صدر منتخب کر لیا جاتا ہے اور وہ ملک کا حکمران بن جاتا ہے مگر جب وہ معزول ہوتا ہے تو اس کی ذات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے منصب میں تبدیلی آتی ہے اسی طرح اس نفس کو مملکت بدن پر تصرف و تدبر ملتا ہے جو اس کا حقیقی نہیں نسبی ہے اور اسے معطل بھی کیا جا سکتا ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اس کے اقتدار میں کیسے تعطل واقع ہو سکتا ہے اس کے جواب میں میں عرض کروں گا کہ آپ ''سکتہ'' کے مریض کو دیکھیں کیا ''سکتہ'' کے مریض کی روح پرواز کر جاتی ہے؟ ہرگز نہیں

کیا ''سکتہ'' کے مریض کا نفس مر کر فنا ہو جاتا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ نفس کی موت ہی انسان کی موت ہے اگر نفس مر جاتا یا فنا ہو جاتا تو پھر دوبارہ زندہ ہونے کا امکان ہی نہ رہتا۔

کیا سکتہ کے مریض کو مردہ کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ نفس کا وجود حقیقی تو جسم میں موجود ہے روح بھی موجود ہے صرف تدبر نفس معطل ہے بظاہر انسان مردہ ہے مگر دراصل ذی حیات ہے، ذی نفس ہے سب کچھ ہے مگر صرف نفس کا نظام حکومت

معطل ہے۔

دوستو! تعطل نفس کی بھی دو اقسام ہیں پہلی قسم ہے ''تعطل فی الکل'' دوسری قسم ہے ''تعطل فی الجز'' پہلے اس سوال پہ غور کرتے ہیں کہ تعطل نفس کیسے ہوتا ہے؟ ذرا اس کیفیت کو سمجھ لیں پھر بات واضح ہوگی

حقیقت یہ ہے کہ نفس کے ماتحت ایک ''حسِ مشترک'' ہے جو تدبر نفس میں فعال رابطہ ہے یعنی تدبرِ نفس ''حسِ مشترک'' کے واسطے سے ہوتا ہے ورنہ نفس کا یہ نسبی وجود اس پر عارض ہو ہی نہیں سکتا۔

اب یوں دیکھئے کہ ایک عظیم شہر میں کروڑں سڑکوں کے اتصال پر ایک چوک یا ایک مرکز ہے اس پر ایک شخص ٹریفک پر نظر رکھے کھڑا ہے اب ایک سڑک ہی بند کر دی جائے تو اس کا رابطہ رکاوٹ کے دوسری پار سے کٹ جائے گا اسی طرح ''حسِ مشترک'' کا داخلہ ممنوع قرار دے کر تدبرِ نفس کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً ایک شخص کو برف میں دبا دیں یا لیکیوڈ نائٹروجن میں فریز کر دیں اور اس کے جسم کے درجہ حرارت کو نقطہ انجماد سے 100 ڈگری سینٹی گریڈ نیچے لایا جائے تو آدمی بظاہر مر جائے گا اس میں نہ ''حس'' ہوگی نہ حرکت ہوگی نہ سانس نہ دھڑکن نہ ارادے نہ آثار حیات کچھ بھی نہ ہوگا مگر وہ مردہ بھی نہیں ہوگا بلکہ اس کا صرف نظام نفس معطل ہوا ہوگا اس لئے اگر Ruber Lungs (مصنوعی پھیپھڑے) سے آکسیجن اس کے پھیپھڑوں میں پہنچائی جائے اور الیکٹرک شاک سے اس کے دل کو چالو کیا جائے تو وہ شخص اٹھ بیٹھے گا بشرطیکہ اس کے کون کو پگھلایا جائے اور باقی ضروری امور بھی انجام دیئے جائیں تب وہ اٹھے گا۔

اگر اسی طرح ہزاروں سال اس آدمی کو برف میں منجمد رکھا جائے تب بھی نہ روح پرواز کرے گی نہ نفس مرے گا نہ ہی فنا ہوگا بلکہ وہ پیکر انسان کے بند کمروں میں اسیر حیات رہیں گے مگر جب بھی انسان دوبارہ اٹھے گا سلسلہ وقت کا آغاز سٹاپ واچ کی طرح رکنے والے وقت سے ہوگا یعنی اگر وہ بیس سال کی عمر میں منجمد کیا جائے اور پھر بیس سال منجمد رہے جب دوبارہ نفس ناطقہ کو چارج ملے گا تو اپنی گنتی بیس سال ہی سے شروع کرے گا ایسے بیسیوں واقعات روس میں ہوئے ہیں۔

روس کے ڈاکٹر فسکی نے ایسے بیسیوں مردے زندہ کئے ہیں مگر درحقیقتاً یہ مردے زندہ نہیں ہوئے بلکہ صرف نفس کو تدبر لوٹایا گیا ہے اور اسی کا نام ہے ''تعطل فی الکل ''اب یہ بھی آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ تعطل ''سن'' کرنے سے پیدا ہوتا ہے اب اگر ایک بازو کو سن کرلیں تو تعطل واقع ہوا اب چاہے ہاتھ کاٹ ہی کیوں نہ لیں نفس کو احساس ہی نہ ہوگا چاہے ایک انگلی سے تدبر نفس ختم کردیں یہی کیفیت ہوگی اسی طرح دماغ کو سن کر کے آپریشن کئے جاتے ہیں مگر یہ تعطل فی الجزو ہے۔

تو اس بحث سے آپ نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ وجودنسبی کا زائل ہونا اور بات ہے اور وجودنسبی کا مفلوج و معطل ہونا اور چیز ہے کیونکہ وجودنسبی زائل ہوا تو موت ہے اور جسے لوگ نفس کی موت سمجھتے ہیں اس کے بارے میں سورہ آل عمران میں ہے کہ

☆ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ الله كِتَاباً مُّؤَجَّلاً ......(آل عمران145)

کہ اس نفس کو موت کا حکم ذات واجب سے ہے اور مکتوب ہے معین شدہ ہے اس لئے قبل از وقت یہ نہیں مرسکتا۔

اسی لئے عقل کل قدیم الاصل ذات سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص

پانی میں ڈوب کر مرا ہوا سے فوراً دفن نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات تم جسے مردہ سمجھتے ہو وہ درحقیقت زندہ ہوتا ہے گویا اشارہ ہے کہ تدبر نفس ختم ہو جاتا ہے اور تم مردہ سمجھ لیتے ہو''سکتہ'' کے مریض اور پانی کے ڈوبے سینکڑوں زندہ دفن ہو جاتے ہیں قسمت اچھی ہوئی تو قبر سے نکل آئے ورنہ قتل خطا و سہو کے مرتکب گھر والے احباب واقرباء ہوئے۔

جناب حافظ رجب علی برسی جو ایک جید عالم تھے انہیں بھی زندہ دفن کر دیا گیا تھا منت مان کر بمشکل نکلے اور کتاب لکھی''مشارق الانوار الیقین''

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تعطل اور ہے فنا اور ہے اسی لئے جو اشغالِ تصوف ہیں جن میں ''انا حی لا یموت ''یا''کل نفس ذائقة الموت ''کے اشغال کیے جاتے ہیں وہاں کئی کئی دن ڈاکٹر دیکھتے رہیں احساس حیات ورمق جاں تلاش ہی نہیں کر سکتے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تدبرِ نفس ریاضت سے بھی معطل کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ

اس دور میں تو مردوں کو زندہ کرنے کا مظاہرہ نہیں ہوا شاید مستقبل میں سائنس یہ کام ضرور کر لے گی کیونکہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث میں اس کی پیشگوئی موجود ہے کہ انسان مردے زندہ کرنا شروع کر دے گا اور یہ آخری زمانے میں ہوگا

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمهم
عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 7

قلب

اے جویندگانِ چشمۂ عرفان !

عرفاء کا کہنا ہے کہ قلب ہی امری عکسوں کی آماجگاہ ہوتا ہے اس لئے لازم ہے کہ ہم بھی یہ دیکھتے چلیں کہ قلب کیا ہے؟ حکماء کے نزدیک عقلِ مستفاد کو قلب کہتے ہیں اہلِ لغت اس گوشت کے لوتھڑے کو قلب کہتے ہیں جو جسمِ انسان میں دورانِ خون کو قائم رکھتا ہے اور جو انسانی مشین میں پمپ کا کام کرتا ہے قلب کو کچھ لوگوں نے ذہن اور کچھ نے دماغ کے معنی میں لیا ہے۔

اکثر لوگوں نے لفظ قلب پر غور ہی نہیں کیا کہ قلب کے معنی کیا ہیں حالانکہ المنجد ہو یا منتھی العرب لغت کی سبھی کتب میں خود باب قلب موجود ہے جسے بروزن ضرب اور نصر بتایا گیا ہے جس کے معنی ہیں

رخ بدلنا، الٹنا، پلٹنا، منقلب ہونا، انقلاب آور فطرت کا مالک، بدلنے والا۔

جیسے کہتے ہیں 'قلب الارض' زمین کو ہل سے الٹ پلٹ دینا کیونکہ قلب کے معنی گھڑی گھڑی بدلنے والا کے بھی ہیں اس لئے اسے قلب کہتے ہیں جیسا کہ کلامِ الٰہی میں بھی انہی معانی میں آیا ہے

☆یَوماً تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوبُ وَالْاَبْصَار

جس دن کہ قلوب اور آنکھوں کو الٹا پلٹا دیا جائے گا فتنقلبوا خاسرین
نقصان اٹھا کر پلٹنے والے

ان آیات سے اتنا تو سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ قلب کے معنی دل کے نہیں ہیں بلکہ قلب کوئی دیگر چیز ہے جو انقلابی فطرت رکھتی ہے بدلتے رہنے کی عادی چیز کا نام ہے ''قلب'' یہ گوشت کا صنوبری لوتھڑا اور چیز ہے ''قلب'' اور چیز ہے

اب دیکھیئے ! یہ ایک مسئلہ ہے کہ زبان کے دو الفاظ ہمہ جہت سے ایک معنی کے حامل نہیں ہوتے

قرآنِ کریم میں دل کے معنی میں ایک اور لفظ بھی وارد ہوا ہے وہ ہے ''فواد'' جیسے سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ

☆السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ أُولـٰئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡؤُولا ......(بنی اسرائیل36)

یعنی ''سمع''،''بصر''اور''فواد'' سے بھی بازپرس ہونا ہے۔

آپ اس آیت پر ذرا غور کریں تو آپ کو تین چیزوں کے نام نظر آئیں گے مگر اس آیت میں ایک اہم نکتہ موجود ہے جس پر شاید مجھ سے پہلے کسی نے غور نہیں کیا ہو گا وہ یہ ہے کہ ''سمع'' کیا ہے؟ ''اذن'' یعنی کان سے متعلق قوت ''بصر'' کیا ہے؟ آنکھ سے متعلق قوت تو اسی حساب سے ''فواد'' کو دیکھیں ''فواد'' کیا ہوا؟ ایک منقلب قوت ہے نہ کہ آلہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعضاء کی بجائے قویٰ کی باز پرس کی بات کی ہے اسی لئے فواد بھی دل نہیں ہے کوئی قوت ہے کیونکہ اذن اور عین کو مسئول قرار دینا خلافِ عدل ہے۔ بعض اوقات آنکھ ہوتی ہے مگر بصارت نہیں ہوتی، کان ہوتے ہیں مگر قوتِ سماعت نہیں ہوتی یعنی اعضائے ظاہری مسئول اور جواب دہ نہیں

ہیں بلکہ ان سے متعلق قوتیں جواب دہ ہیں۔

اب یہ بھی دیکھیں کہ فواد کا کام کیا ہے؟

دوستو! آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ''فواد''، ''قلب'' کی قوت کا نام ہے کلامِ مجید میں ''فواد'' کا لفظ صرف پانچ مرتبہ استعمال ہوا ہے ایک ایک کا حوالہ کیا دوں سورہ النجم میں ہے۔

☆مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَی......(نجم 11)

کہ جو کچھ شہنشاہِ معظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا قوت قلبی نے تصدیق کی۔

اس سے ثابت ہوا اس قوت کا کام ہے ''تشخیصِ حقائق''

اب اتنا تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ''قلب'' اور ''فواد'' دونوں کے معنی دل یعنی اس گوشت کے ٹکڑے کے نہیں ہیں اور یہ دو مختلف چیزیں بھی ہیں تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث قدسی میں فرمایا

☆اِنَّ فِی جَسَدِ آدمَ لَمُضغَةٌ وَفِی المُضغَةِ قَلبٌ وَ فِی القَلبِ فُوَادٌ وَفِی الفُوَادِ ضَمِیرٌ وَفِی الضّمِیر سِرّ وَ فِی السِّرِّ اَنَا

فرمایا جسم آدم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اور اس میں قلب ہے اور قلب میں فواد ہے اور فواد میں ضمیر ہے اور ضمیر میں ایک راز ہے اور اس راز میں میں اللہ ہوں۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے یہ بھی حدیث قدسی ہے۔

☆اِنَّ فِی جَسَدِ آدمَ لَمُضغَةٌ وَفِی المُضغَةِ قَلبٌ وَ فِی القَلبِ فُوَادٌ وَفِی الفُوَادِ رُوحٌ وَفِی الرُّوحِ سِرٌّ وَ فِی السِّرِّ نُورٌ وَفِی النُّورِ اَنَا

اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جسمِ بنی آدم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اس ٹکڑے میں

قلب ہے قلب میں فواد ہے فواد میں روح ہے روح میں راز ہے راز میں نور ہے اور نور میں میں اللہ ہوں۔

یوں تو اس موضوع پہ بہت سے احادیث ہیں لیکن میں انہیں دو پر اکتفیٰ کرتا ہوں آپ نے دیکھا ہے کہ کس طرح واضح فرمان ہے کہ گوشت کا دھڑکنے والا ٹکڑا اور ہے اس میں قلب اور ہے اور قلب میں فواد اور ہے اس طرح ثابت ہوا فواد قلب کی قوت کا نام ہے جیسے آنکھ کی قوت اس کے اندر مضمر ہوتی ہے اسی طرح قلب کی قوت بھی اس کے اندر ہی ہے

اب واپس آجایئے قلب پر تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ انقلابی سیماب صفت چیز کیا ہے؟

دیکھئے آنکھ کیا ہے؟ آلہِ بصارت ہے۔آلہ نہ ہو تو بصارت ہی نہ ہو مگر یہ ہوسکتا ہے کہ آلہ ہو اور بصارت نہ ہو گویا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قلب ہو اور فوادیت نہ ہو۔

ثبوت کے لئے دیکھئے سورہ محمدؐ آیہ 24

☆أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

اس آیت میں قلب کی موجودگی تو تسلیم کی جارہی ہے مگر فوادیت کی نفی ہے کہ دل پر تالا پڑا ہوا ہے۔قلب ہے قوتِ تدبر نہیں ہے ،قوتِ تشخیصِ حقائق نہیں ہے ۔اس گوشت کے لوتھڑے کو قلب اس طرح کہا جاتا ہے جیسے کل پر جزو کا استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس لوتھڑے میں قلب ہے اس لئے اسے قلب کہا جاتا ہے جیسے نفس بدن میں ایک بٹہ تین 1/3 کا مالک ہے مگر اللہ نے اس جزو کو کل کے لئے استعمال فرمایا ہے سورہ لقمان

☆وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَداً

یعنی کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کسب کرے گا یہاں نفس (جزو) بطور کل انسان آیا ہے اسی طرح قلب بطور گوشت کا لوتھڑا (جسے دل کہتے ہیں) استعمال ہوا ہے کیونکہ یہ جسمِ انسان کے وسط میں ہے اس وسط سے بھی استعارہ لے کر اکثر اوقات قلب بمعنی وسط بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قلب الجیش یعنی لشکر کا وہ دستہ جو میمنہ اور میسرہ کے درمیان ہو۔اس سے ثابت ہوا کہ دل اور ہے، قلب اور ہے، فواد اور ہے اسی لئے ارشادِ باری ہے کہ

☆خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِھِم

یعنی اس آلہِ ادراکِ حقائق پر مہر لگا دی گئی ہے جدید دور میں ربڑ کے دل لگا کر انسان کو جِلا یا جا رہا ہے لیکن ادراکِ حقائق میں فرق نہیں آتا یہ سب وسوسے، سوچ بچار، دینی تفکر اگر اس دل سے ہی متعلق ہیں تو ربڑ کا دل تو صرف خون کو پمپ کر سکتا ہے مگر پھر بھی سوچوں میں فرق نہیں آتا

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قلب ایک آلہِ ادراکِ حقائق ہے جو انسان کے نہاں خانوں میں مضمر ہے اور اس کی قوت کا نام فوادیت ہے اور یہ دل جو دھڑک رہا ہے یہ کچھ بھی نہیں ہے اصل وہی ہے جو نہاں خانوں میں مضمر ہے ورنہ بکری کا دل لگا کر جنہیں زندہ رکھا گیا ہے ان کا دل تو گھاس کھانے کی تمنا کرتا مگر ایسا نہیں ہے۔

اب آپ میرے مقصد کو سمجھ گئے ہوں گے

دوستو! دل اور ہے قلب اور ہے اور قلب ایک ایسا آلہِ ادراکِ حقائق ہے جس میں ہمیشہ انقلاب آتے رہتے ہیں اور ہیجان پیدا ہوتے رہتے ہیں، طوفان اٹھتے رہتے

ہیں اور یہ طوفان کبھی نہیں تھمتے ہاں جو کچھ خلاقِ کائنات نے فرمایا ہے کہ

☆تَطۡمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكۡرِ اللّٰهِ أَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوب……(رعد28)

کہ اللہ کے ذکر ہی میں اطمینانِ قلب ہے

''اطمینان'' ہیجان کی ضد ہے قلب مطمئن ہوتا ہے ذکر اللہ سے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ خالقِ کائنات اللہ ہی کا ذکر ہو بلکہ انسان جسے بھی اللہ سمجھے گا اسی کے ذکر میں مطمئن ہوگا۔

یہ بات بھی آپ کو نئی لگی ہوگی اس لئے مناسب ہے کہ دلیل کے ساتھ عرض کروں اپ ہندوستان میں جا کر دیکھیں پتھر کو اللہ سمجھ کر پوجنے والے بت پرست کیا مطمئن نہیں ہیں؟ کیا گرجوں میں عبادت کرنے والے مطمئن نہیں ہیں؟ کیا شمس پرست سورج کو خدا سمجھ کر پوجنے والے مطمئن ہیں؟ اگر اطمینان سے فقط مادی اطمینان لیا جائے تو وہ مسلم اقوام سے زیادہ مطمئن ہیں اگر ذہنی اطمینان لیا جائے تو بغیر اطمینان کے دس بیس سال کی مشقتوں اور ریاضتوں میں اگر مطمئن نہیں ہیں تو کس چیز نے انہیں روکا ہوا ہے کہ وہ ترکِ مذہب نہیں کرتے؟ مادے کو خدا سمجھنے والے جتنے مطمئن ہیں اتنے تو پاکستان یا ہندوستان کے علماء کرام بھی مطمئن نہیں ہیں اگر صرف اللہ عزوجل کے ذکر ہی میں اطمینان ہے تو باقی مذاہب کے لوگوں کی زندگی انتہائی غیر مطمئن ہوتی حالانکہ یہ خلافِ واقعہ ہے۔

خالقِ حقیقی تو الہ الالھہ ہے اس لئے اس نے فرمایا ہے کہ ذکر اللہ میں اطمینان ہے چاہے اللہ کوئی جسے بھی سمجھ لے تو اصل اطمینان معبود کے ذکر میں ہے کیونکہ یہاں لفظ ''اللہ'' سے مراد معبود ہے کہ جس کی عبادت کی جائے اب اگر ایک بت پرست ہے

تو وہ بت پرستی ہی میں سکون اور اطمینان محسوس کرے گا خود اللہ نے واضح فرمایا ہے

☆أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ......(فرقان43)

کہ خواہش نفس بھی معبود ہے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا معبود خواہشِ نفس ہے کہ لوگ جس کی زیادہ عبادت کرتے ہیں۔

یہ بھی ہے کہ مقامِ اطمینان قلب کو کچھ لوگوں نے مقامِ اطمینانِ نفس کے برابر کہہ دیا ہے حالانکہ ان کے مابین ارض وسما کا فرق ہے بعدِ مشرقین ہے بات بڑھتی جارہی ہے اس لئے مناسب ہے کہ صرف نتائج عرض کرتا جاؤں۔

قلب آلہ ادراکِ حقائق ہے اور فواد قوتِ تشخیصِ حقائق ہے، نفس آئینہ ہے لطائف کا وہ قلب پر انعکاس کرتا ہے، قلب ادراک کرتا ہے، فواد تشخیص کر کے عمل میں لاتا ہے کیونکہ قوت سے زیادہ اہم آلہ ہوتا ہے آلہ کے بغیر قوت کا عمل محال ہے اس لئے اولیت آلے کو دی جاتی ہے کیونکہ بصارت قائم بالعین ہے عین نہ ہو تو بصارت ہی ختم ہو جائے یہ نہیں کہ عین قائم بالبصر ہے اسی طرح بصیرتِ قلب کا نام ہے فواد۔

انقلابِ قلب و نفس

عمداً مجھے بہت کچھ چھوڑنا پڑ رہا ہے اگر جملہ پہلوؤں سے اس مضمون کی وضاحت کی جائے تو کئی کتب وجود میں آئیں میں صرف ناگزیر پہلوؤں پہ اجمالی روشنی ڈال رہا ہوں۔ موجوداتِ عقلیہ حسیہ نفسیہ طبیعہ کے واسطے ایک کامل مقرر ہے اور وہ اپنے کمال کا عشق رکھتے ہیں اور اپنے نقص سے نفرت کرتے ہیں یعنی موجودات میں وجودِ عشق ناگزیر ہے۔ عشق تمام موجودات میں جاری وساری ہے مگر شوق کا سبھی

میں پایا جانا ناممکن ہے شوق صرف ان موجودات میں پایا جاتا ہے جو مجرداتِ مخصہ نہیں ہیں ۔عرفاء کے نزدیک جملہ موجودات ذی حیات ہیں حی ہیں ان میں اشتیاق ومیلِ عشق موجود ہے یعنی اپنے کمال کا عشق موجود ہے سبھی موجوداتِ عالم ذی حیات ہیں مگر ذی روح نہیں بعض لوگوں نے روح کو موجبِ حیات بتایا ہے جو حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ حیاتِ نبات و جمادات مسلمہ ہے قرآن نے فرمایا ہے

☆ یُسَبِّحُ لِلَّٰهِ مَا فِیُ السَّمَاوَاتِ وَمَا فِیُ الْأَرْض......(جمعہ1)

کہ زمین وآسمان میں جو کچھ بھی ہے سبھی تسبیح کرتی ہے تو ذی حیات بھی ثابت ہونگی اور ذی شعور بھی کہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے گویا شعورِ خالق اور عرفانِ وحدت بھی موجود ہے خالقِ حقیقی کو پہچانتے بھی ہیں یعنی ذی حیات بھی ہیں اور ذی شعور بھی ۔بعض انبیاءعلیہم السلام نے تو ان کے کلامِ سری کو بالجھر سنا بھی دیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر سنگریزوں کا کلمہ پڑھنا شاہد ہے ، کھجور کے کٹے ہوئے تنے کا گریہ کرنا واضح اور مسلمات میں سے ہے اگر ذی حیات نہیں تو اور کیا ہے؟ ہاں اگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ روح لازمۂ حیات ہے روح کے بغیر زندگی ناممکن ہے تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے انا حی لا یموت کہ میں وہ زندہ ہوں جس پر موت نہیں ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خالق بھی ذی روح ہے؟ کیا اس کے لئے بھی روح لازمۂ حیات ہے؟ جس کا جواب یقیناً نفی میں ہے تو ثابت ہوا کہ روح شرطِ حیات نہیں ہے اعلانِ قدرت ہے کہ

خلق الموت والحیواۃ......الخ

موت بھی مخلوق ہے حیات بھی مخلوق ہے کیا حیات مردہ مخلوق ہے؟ کیا موت مردہ

مخلوق ہے؟ تو کیا موت وحیات کے لئے بھی روح لازمۂ حیات ہے؟ کیا ملکوت بالروح زندہ ہیں؟ ماننا پڑے گا کہ روح لازمۂ حیات وشعور نہیں ہے اور جملہ موجوداتِ عالم زندہ ذی حیات وذی شعور ہیں تو ان کا اپنے نقص سے نفرت اور اپنے کمال سے عشق ضروری ہے۔

جمہور کے نزدیک ''حیات'' نام ہے ''حس'' و''حرکت'' و''ارادے'' کا خود دیکھیں کیا یہ تعریفِ حیات ہر قامت پر موزوں آتی ہے؟ حرکت سے اللہ حادث ہوجائے گا کیونکہ ہر حرکت سے پہلے سکون اور ہر سکون سے پہلے حرکت ہے اس طرح دور لازم آئے گا پھر حرکت میں تغیر ہے اور ''کل متغیر حادث'' کے تحت ہر متغیر حادث ہے اور اللہ حادث نہیں قدیم ہے ماننا پڑے گا یہ تعریفِ حیات غلط ہے کیونکہ یہ بحث میرے مطلوب سے خارج ہے اس لئے چھوڑتا ہوں

میں عرض کررہا تھا کہ استکمال سے عشق اور نقص سے نفرت موجودات میں مسلم ہے

ہر موجود مرکب ہو یا بسیط وہ ذی حیات ہے جب ذی حیات ہے تو عشق کا پایا جانا ضروری ہے اور ہر چیز اپنے نقص سے متنفر ہے کیونکہ نقص مائل بہ عدم ہے حرارت کامل نہیں ہوتی مگر بہ حرارتِ اقویٰ نور کامل نہیں ہوتا مگر بہ نورِ اقویٰ لفظِ نور کا اطلاق بھی درجات سے بدلتا ہے کیونکہ اس سے بڑا لفظ لغتِ عوالم میں نہیں تھا اس لئے ہر مافوق الادراک چیز کو نور کہہ کر سمجھایا گیا ہے گویا علویات کے لئے نور کا لفظ وارد ہوا ہے یہ بھی مسلمہ ہے

☆یَجِبُ اَن یَعتَقِدَ فِی العَلَوِیّاتِ مَا ھُوَ اکرَمُ

واجب ہے کہ علویات میں بھی درجاتِ ادنیٰ واعلیٰ کا عقیدہ رکھا جائے۔

اسی لئے نور کامل ہوتا ہے اپنے اعلیٰ وقوی نور سے۔ ہیولیٰ کامل نہیں ہوتا مگر صورت سے، صورت کامل نہیں ہوتی مگر مصور سے، حسن کامل نہیں ہوتا مگر نفس سے، نفس کامل نہیں ہوتا مگر عقل سے، عقل کامل نہیں ہوتی مگر ذاتِ واجب الوجود سے۔ یہ تمام سلسلہ بتا رہا ہے کہ ہر چیز مشتاقِ استکمال ہے اور ہر چیز کو نقص سے نفرت ہے۔

اب استکمالِ نفس ہے تو عقل سے اور انسان اگر عقل کی طرف بڑھنے کے بجائے رو بہ انحطاط ہوگا تو حیوانات میں داخل ہوگا اب نفس اگر کمالِ نقص کی حد میں داخل ہوگا تو نفسِ امارہ کا نام پائے گا اور قلب میں بھی اس کا اثر مرتب ہوگا تو قلب بھی قلبِ مختوم کا نام پائے گا آلہِ ادراکِ حقائق بھی خراب ہو جائے گا۔

رفع اشتباہ

☆''خَتَمَ اللّٰہُ عَلَی قُلُوبِھم '' سے کچھ نے خیر و شر کو خالق سے منسوب کرنے کا نظریہ نکالا ہے یعنی جب دلوں پہ مہر اللہ نے لگا دی ہے تو انسان خیر کی طرف کیسے آ سکتا ہے؟

یہ سراسر ناسمجھی ہے کیونکہ پہلا کام تو انسان نے خود کیا ہے کہ نفس کو نقطہ اعتدال سے گرایا ہے کیونکہ یہ انسان کے فعل کا ردِعمل ہے اس لئے مجرم انسان ہی ہے مثلاً کوئی شخص جرم کرتا ہے اور اسے سزا دی جاتی ہے سزا دینے والا مجرم کیسے ہوسکتا ہے؟ جیسے قتل کے بدلے قتل کی سزا دینے والا فعل ایک ہے مگر دونوں مجرم نہیں ہیں قاتل کا فعل قتل شمار ہوتا ہے اور حاکم شرع کا فعل ہے تو قتل مگر عدل شمار ہوتا ہے۔

انسان نے اپنے نفس کو نقطہ اعتدال سے گرایا اور حیوان سے بدتر ہو گیا تو اللہ نے سزا

کے طور پر اس کے دل پہ مہر لگا دی کہ اب اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں اب حقائق کو اگر یہ سمجھ بھی گیا تو فساد بڑھے گا کیونکہ اس نے خود کو نا اہل ثابت کر دیا ہے اس لئے نا اہل پر رازوں کا انکشاف موجبِ فساد ہوتا ہے۔

یہ بھی دیکھ لیں کہ مہر لگانے کی ماہیت کیا ہوتی ہے حسی مثالیں پیش کرتا ہوں

ہر شخص سفر کرتا ہے تو کسی نہ کسی مقام پر اس کے تعیناتِ جہات ضرور بگڑ جاتے ہیں مغرب کو مشرق سمجھ لیتا ہے یا مشرق کو جنوب سمجھ لیتا ہے تو سمتیں بگڑ جاتی ہیں اب اس نے دیکھا کہ سورج طلوع ہوا مشرق سے اسے محسوس ہوا کہ آج سورج شمال سے طلوع ہو رہا ہے، مساجد میں گیا مسجد کا رخ دیکھا عقل نے کہا کہ اس کا رخ یقیناً درست ہوگا مگر قلب مطمئن نہیں ہوا شواہدِ کائنات کی مسلسل گواہیاں اس کے من کے چور کو راہِ راست پر نہیں لاسکتیں سب کچھ دیکھ رہا ہے، سمجھ رہا ہے، سن رہا ہے مگر اندر بیٹھا ہوا چور بالکل نہیں مانتا۔

اب ذرا اس مسئلے کو بھی حل کر لیں کہ دین میں تصورِ جہات کیسے بگڑتا ہے؟ جب دین میں تصورِ جہات وحقائق بگڑ جائے تو اسے کہتے ہیں ''خَتَمَ اللّٰہُ عَلَی قُلُوبِھِم'' کہ اللہ نے اس کے دل پر مہر لگا دی ہے بھلا یہ کیسے سمجھے گا سب کچھ دیکھتے ہوئے اندھا ہے، سب کچھ سنتے ہوئے بہرہ ہے

یہ بھی دیکھئے کہ انسان کا تصورِ جہات کا بگڑنا اس کی اپنی غفلت سے ہے یا کسی خارجی وجہ سے ہے؟

جس طرح یہ انسانی غفلت کا ردِعمل ہے اسی طرح دل پر مہر لگنا بھی انسانی غفلت کا ردِعمل ہے اب اس منزل پہ قلب مطمئن نہیں ہوتا اسے مطمئن کرنے کی نفس کے پاس

ایک ہی تدبیر ہے کہ معبود کے ذکر میں لگا دے۔ بس یہ زبان سے اللہ یا اللہ کہلانا شروع کرادے گا اب ذکر اللہ ہوا تو آلہِ ادراکِ حقائق میں پیدا ہونے والا ہیجان ختم ہوگیا مگر یہ اللہ اللہ کرنا سودمند نہیں ہے کیونکہ یہ ذکرِ لسان ہے، زبانی جمع خرچ ہے جیسے خود سے غیر متعلق شخص کا ذکر کیا جارہا ہو اس سے قلب کا ہیجان تو ختم ہو جاتا ہے مگر وہ اس ذکر میں شرکت نہیں کرتا۔

ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کیا ہماری نمازیں عبادات صرف زبانی لقلقہ تو نہیں ہیں؟ کیا ذکر اللہ کے ساتھ دل دھڑک رہا ہے یا نہیں؟ اگر دل ساتھ نہیں دے رہا تو یقیناً ابھی ہم نفسِ امارہ کے ساتھ چل رہے ہیں۔

انقلاباتِ قلبی

یہاں مناسب ہوگا کہ میں قلب کے انقلابات اور اس کی کیفیات اور ان بدلتی حالتوں میں اس کے مختلف ناموں پہ روشنی ڈالوں اور اس کے امراض اور ان کی وجوہات کے بارے میں کچھ عرض کروں۔

سیر وسلوک پہ مبنی جتنے بھی کتب ہیں ان میں قلب کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے اور بڑی تفصیل سے قلب اور وارداتِ قلب پر روشنی ڈالی گئی ہے ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ اس پہ اجمالی نظر ڈالیں

قارئین کائنات کو سمجھنے کے دو ذرائع ہیں

(1)......معروضی

(2)......موضوعی

چونکہ کائنات مرئی بھی ہے اور غیر مرئی بھی اس لئے اسے سمجھنے کے لئے دو ذرائع کا ہونا ضروری تھا۔

معروضی ذرائع آنکھ، کان اور دیگر حواس ہیں اور ان کی قوتوں کا عمل ہے اسی طرح موضوعی ذریعہ قلب ہے۔ خالق نے انسان کے حواسِ خمسہ میں سے بار بار صرف دو چیزوں کا نام لیا ہے سمع اور بصر یعنی سننا اور دیکھنا ہی اصل حواس ہیں کیونکہ سماعت اور بصارت کی افادیت باقی حواس سے علمی نقطہ نگاہ سے کئی ہزار گنا زیادہ ہے یعنی حصولِ علم کے لئے ان دو ذرائع کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی دیگر حس کو حاصل نہیں انسان کا طرہ امتیاز علم ہے اور علم ان دو ذرائع کا مرہونِ کرم ہے۔ لامسہ، شامہ اور ذائقہ میں حصول علم کی صلاحیت محدود ہے اور سماعت و بصارت ہی علم و شعور کے مرکزی ذرائع ہیں اور دوسرا ذریعہ ہے ''قلب''

قلب فعلی اور انفعالی قوتوں کا مقام بھی ہے قلب کے دو پہلو ہیں ایک پہلو دماغ سے متصل اور مربوط ہے جس کا کام تعقل و شعور ہے دوسرا پہلو کیفیات سے متصل ہے جس کا کام ہے اثر پذیری اور اثر آفرینی جب انسان کے احساسات و انفعالات میں اور قوتِ اثر آفرینی میں یگانگت پیدا ہوتی ہے تو فوادیت پیدا ہوتی ہے کسی چیز کا صحیح ادراک اس وقت ہوتا ہے جب موضوع اور معروضی ذرائع میں اشتراکِ کلی پیدا ہوتا ہے یوں سمجھ لیں کہ حواس درست اور صحیح طور پر تب کام کرتے ہیں جب قلب بھی ان کے افعال میں شریک ہوتا ہے مثلاً ایک آدمی کوئی دلچسپ کتاب پڑھ رہا ہے قلب و دماغ بصارت کے ساتھ کتاب میں غرق ہیں کان کھلے ہیں اور قریبی گھر میں ریڈیو چل رہا ہے اس کی آواز کو قبول کرنے میں سماعت ناکام رہے گی بلکہ

کماحقہ سن بھی نہ سکے گی یا پھر ایک آدمی سو رہا ہے کان کھلے ہیں قریب ہی ٹیلی ویژن چل رہا ہے مگر وہ نیند میں سماعت سے محروم ہے یہ آخر کیوں ہے؟ تو اس کا جواب ہوگا کہ قلب و دماغ کا فعلِ سماعت کے ساتھ اشتراک نہیں ہے۔ کچھ آدمی سوتے میں آنکھیں کھلی رکھتے ہیں مگر ان کھلی آنکھوں میں سب کچھ موجود ہونے کے باوجود بصارت نہیں ہوتی تو ثابت ہوا کہ دیکھنے اور سننے کے لئے قلب کا اشتراکِ توجہ ضروری ہے جب قلب وحواس میں اشتراکِ توجہ پیدا ہوتا ہے تو کسی چیز کا عرفان حاصل ہوتا ہے اس لئے دعائے امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام میں ہے کہ

☆اَللّٰھُمَّ نَوِّر ظَاھِرِی بِطَاعَتِكَ وَ بَاطِنی بِمُحَبَّتِكَ وَ قَلبی بِمَعرِفَتِكَ ......الخ

اِلٰہی میرے ظاہر کو اپنی اطاعت سے منور فرما، میرے باطن کو اپنی محبت سے روشن فرما اور میرے قلب کو اپنی معرفت سے نورانی فرما یعنی قلب کا کام معرفت ہے بہ الفاظِ دیگر ''قلب'' کا کام حواس کے مہیا کردہ معلومات کا ادراک کرنا ہے اور اس ادراک کے عمل کو ''تفقہ'' کہا جاتا ہے جیسا کہ سورہ اعراف میں ارشاد ہے۔

☆ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا

یعنی قلوب ادراک کا عمل نہیں کرتے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حاصلِ عمل معرفت ہے اور یہ قلب عملِ 'تفقہ' کیوں نہیں رکھتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب قلب اپنی اعتدالی حالت سے گرتا ہے تو پھر اس میں فسادات پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ تفقہ کرنا صحت مند قلب کا وظیفہ ہے جیسے صحت مند آدمی کی ورک پراگرس مریض انسان سے زیادہ ہوتی ہے اسی طرح صحت مند قلب کی پراگرس بھی مریض قلب سے بہتر ہوتی ہے پھر جس طرح امراضِ جسم

کے درجات ہوتے ہیں یعنی بعض معمولی امراض ہوتے ہیں اور بعض مہلک کہ جن سے آدمی ہل جل بھی نہیں سکتا اسی طرح امراضِ قلب بھی بہت سے ہیں جن میں سے بعض معمولی ہیں اور بعض اتنے مہلک ہوتے ہیں کہ قلب کا ''عملِ تفقہ'' ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے جب قلب بیمار ہوتا ہے تو اس کے فطری عواطف و امیال میں صحت مندی کا فقدان پیدا ہو جاتا ہے۔ ناپاک جذبات اور مکروہ خواہشات غالب آ جاتے ہیں حسن کی بجائے قبح کو پسند کرتا ہے، خیر کی بجائے شر کو محبوب رکھتا ہے۔ باطنی فطرت کی تو علیحدہ بات ہے مریضِ قلب ظاہری فطرت کے معصوم اور پاکیزہ حسن کو بھی بری نگاہ سے دیکھتا ہے اور یہ بیماری وجہِ حرص و ہوس بن جاتی ہے مثلاً ساون کا مہینہ ہے شدید گرمی ہے جس میں اچانک آسمان پر کالی گھٹائیں زلفِ محبوب کی طرح بکھر جاتی ہیں اور سیاہ گھٹاؤں کی مانگ میں سنہری بجلی کی افشاں دمک اٹھتی ہے اور آسمان سے نزولِ رحمت ہوتا ہے، فضائیں درختوں اور وادیوں میں موتی برسانا شروع کر دیتی ہیں، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے شرابور جسموں میں راحت کے معجزات بھرنا شروع کر دیتے ہیں، ہوا میں مستی پا کر درخت جھوم اٹھتے ہیں تو صحت مند قلوب سے ربِ جلیل کی حمد و ثنا کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور لبوں پر زمزمہ ہائے تسبیح مچل جاتے ہیں مگر عین انہی لمحات میں مریضِ قلوب حسنِ فطرت سے منہ موڑ کر معصیت کے نظر فریب نظاروں میں کھو جاتے ہیں اور حرص و ہوا کی لذت اندوزیوں کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں کوئی ساغر و مینا کی سوچتا ہے تو کوئی مطربہِ ہوش ربا کے نغموں کی سرمستیوں میں گم ہو جانا چاہتا ہے بعض مرضِ قلب کے مریض جنسی خواہشات کی تشفی کے لئے عشرت گاہوں کا رخ کرتے ہیں یعنی مریضِ قلوب کی

مرض اس تریاقِ شرافت وحسن سے اور بڑھ جاتی ہے سورہ توبہ میں ارشاد رب العزت ہے کہ

☆وَأَمَّا الَّذِينَ فِيْ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْساً إِلَى رِجْسِهِمْ وَمَاتُواْ وَهُمْ كَافِرُونَ……(توبہ125)

اور جن کے دلوں میں مرض ہوتا ہے تو ان کی نجاست اور رجس میں اور بھی زیادتی ہو جاتی ہے اور وہ مرگئے مگر کافر ہی مرے یعنی کفر ضد ہے شکر کی تو وہ ناشکرے ہی مرنے والے ہوتے ہیں کیونکہ مرض کی حالت میں اچھی اور بہترین غذا بھی زہر بن جاتی ہے اس لئے مریضِ قلوب کے لئے درسِ ہدایت و دعوتِ فطرت بھی درسِ معصیت بن جاتا ہے۔

امراضِ قلب

دوستو! قلب کئی اقسام کے امراض میں مبتلا ہوتا ہے چاہتا ہوں کہ اجمالی صورت میں ان امراض کا ذکر بھی کرتا چلوں۔

1……زیغ

جب انسان قوانینِ فطرت و ہدایت کی عمداً مخالفت کرتا ہے اور حق سے انکار برائے انکار کرتا ہے تو پھر دل میں ایک مرض پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام ہے ’’زیغ قلب‘‘ یعنی قلب ٹیڑھا ہو جاتا ہے اور زیغ کی وجہ خود انسان کی شرارت ہوتی ہے اس لئے جب قومِ موسیٰ علیہ السلام نے اظہارِ حق کے بعد حق کو حق سمجھتے ہوئے انکارِ اتباع کیا تو خالق نے فرمایا

☆فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُم……(الصف5)

کہ جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے قلوب کو ٹیڑھا کر دیا یعنی سزا کے طور پر ان کو زیغِ قلب کے مرض میں مبتلا کر دیا گیا اس مرض کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا قلب مرضِ زیغ میں مبتلا ہوتے ہیں وہ محکم کی بجائے متشابہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں ، واضح کی بجائے مبہم کو اختیار کرتے ہیں ، اصول کے بجائے اختلافی فروعاتی مسائل میں غواصیاں کرتے ہیں جن چیزوں کے بارے میں ان سے باز پرس ہونا ہے ان کی بجائے ان چیزوں میں الجھ جاتے ہیں کہ جن کا ان کی نجات اور حیات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا یہ اصلاح کے نام پر نت نئے مسائل اختراع کرتے رہتے ہیں اور یہ مرض اتنا بڑھتا ہے کہ پھر ارتیابی بن جاتا ہے ہر چیز ہر آیت اور ہر بات کو یہ شک کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے اس کے مریض اپنی ذات اور ذاتِ واجب کو بھی عقلی طور پر سمجھتے سمجھتے شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

2……ارتیابیت

انسان کا قلب جب ٹیڑھے پن کی مرض میں شدید مبتلا ہو جاتا ہے تو وہاں سے ایک اور مرض جنم لیتا ہے جسے ارتیابیت کہتے ہیں اس کے بارے میں خالق فرماتا ہے کہ

☆وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ……(توبہ 45)

کہ ارتیابی قلوب ہمیشہ شک میں سرگرداں پھرتے ہیں اور انسان فطری ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ وظائفِ حیات کو پہچاننا اور عرفان حاصل کرنا قلب کا کام ہے جب قلب ہی ٹیڑھا ہو کر ہر چیز میں شک کرے گا تو پھر وظائفِ حیات کو سمجھنے میں

بھی دھوکہ کھائے گا اور ہر وظیفۂ حیات سے مشکوک ہو جائے گا شیشہ دل میں اترنے والی ہر تصویر اپنی اصل شکل وصورت اور حقیقی حسن سے محروم ہو جائے گی۔
جیسے اگر کسی کیمرے کے لینز LENSES ہی ٹیڑھے ہو جائیں تو کوئی بھی تصویر اصلی شکل میں فلم پر مرتسم نہیں ہو سکے گی یا ان آئینوں کو دیکھیں جن میں کجی ہوتی ہے انسان کو وہاں اپنی شکل بھی ڈراؤنی لگتی ہے تو بالکل اسی طرح زیغِ قلب کا لازمی نتیجہ وظائفِ حیات کی شکل کے مسخ ہونے کی صورت میں سامنے آتا ہے انسان کے علاوہ ہر مخلوق جو ذی روح و ذی حیات ہے اس کی ہدایت کا مبداء ان کے حواس اور جبلتیں ہوتی ہیں اور انہی ذرائع سے وہ اپنے وظیفۂ حیات کو پہچانتے ہیں اور حواس و جبلت کے ماتحت وظائفِ حیات کو انجام دیتے ہیں مگر انسان اس سے مختلف ہے کہ اس میں عقل وشعور کو داخل کر کے وظیفۂ حیات کو پہچاننا خود اس کے سپرد کیا گیا ہے۔

ہدایت کیا ہوتی ہے؟

فاطرِ ہستی ذات کا کسی چیز پر اس کے فطری وظیفۂ حیات کو سرانجام دینے کے لئے علم وعمل کی راہیں کھول دینا ہدایت کہلاتا ہے لیکن جب قلب میں زیغ یا ارتیابیت کا مرض پیدا ہو جاتا ہے تو انسان فطری ہدایت سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور حقائق کی نور پاشیوں سے محروم ہو جاتا ہے اور حق کا آبِ حیات ''قلب'' میں سرایت پذیر نہیں ہو سکتا۔

اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان ساری زندگی حق کا راستہ پوچھتا رہتا

ہے اور منزل کی طرف چلنے کی بجائے راستوں پر شک کرتا رہتا ہے اور کہیں بھی نہیں جا سکتا اس کی کیفیت ایک ایسے مسافر کی ہوتی ہے جو کسی چوک پر کھڑا ہو اور باہر آنے جانے والے سے راستہ پوچھے اور پھر اس کے بیان پر شک کر کے کسی دوسرے کا انتظار کرے اور اسی طرح پوری زندگی راستے پوچھتا رہے۔

یہ ارتیابیت انسان کو کہیں جانے نہیں دیتی جس طرح آنکھ دیکھنے کا عمل ترک کر دیتی ہے اسی طرح قلب ''تفقہ'' کا عمل نہیں کرتا تو خالق اس مرض میں اور اضافہ کر دیتا ہے یعنی عدم ''تفقہ'' کے جرم میں قلب کو پھیر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ

☆صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ……(توبہ 127)

کہ اللہ ان کے دلوں کو صرف اس لئے پھیر دیتا ہے کہ وہ تفقہ نہیں کرتے یعنی آخر وہ چوک والا مسافر کسی ایسے شخص کے کہنے پر ایک راستے پر چل پڑتا ہے جو اسے سزا کے طور پر غلط راستے پہ چلانا چاہتا ہو۔

3……اکنتہ

جب انسان کا قلب تفقہ نہیں کرتا تو وہاں سے ایک اور مرض پیدا ہوتا ہے کہ جس کا نام ہے ''اکنتہ'' جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے قلب پر ایک ہلکا سا پردہ پڑ جاتا ہے اور خالق فرماتا ہے

☆وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ……(انعام25)

کہ ہم ان کے قلوب پر پردہ قرار دے دیتے ہیں اور پھر وہ تفقہ کر ہی نہیں سکتا یعنی حقائق کی اثر آفرینی اس سے اثر پذیر نہیں ہو سکتی اور قلب سخت ہو جاتا ہے۔

4......قساوت

جب انسان کے قلب پر پردہ آجاتا ہے تو اس وقت وہ اثر پذیری کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے اس مرض کو قساوت قلبی کہا جاتا ہے گویا اثر پذیری نہ ہونے کا نام قساوت ہے کہ حق کو ٹھکرانے والا سنگ دل بن جاتا ہے نرمی، ہمدردی، ایثار، قربانی کے جذبات قسی القلب سے کبھی صادر نہیں ہوتے اور انسانیت پر جتنے ظلم ٹوٹے ہیں وہ قلبی قساوت ہی کی وجہ سے ٹوٹے ہیں اسی لئے خالق نے ایسے مریضِ قلوب کے حاملین کے لئے فرمایا ہے۔

☆ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ......(زمر22)

یعنی بربادی وجہنم ہے ان کے لئے جن کے قلب پر قساوت قلبی کی وجہ سے ذکر اللہ بھی اثر پذیر نہیں ہوتا

اب سوال یہ ہے کہ قساوت پیدا کس طرح ہوتی ہے؟

تو اس کا جواب بھی خود خالق کائنات نے مرحمت فرمایا

☆فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ......(مائدہ13)

کیونکہ انسان روزِ الست خالق سے کچھ عہد کر کے آیا تھا جب اس نے اپنے عہد توڑ دیئے تو اللہ نے ان کے قلوب میں قساوت کو مقام دیا اور مرضِ قساوت کے شکار قلوب کو سخت سے سخت تر کر دیا حتیٰ کہ

☆ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ......(بقرہ74)

یعنی ان کے قلوب پتھر سے زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھر میں سے چشمے پھوٹنے کا

امکان رد نہیں کیا جا سکتا مگر قسی القلب سے چشمۂ خیر پھوٹنے کی کوئی توقع نہیں ہوتی ہے اور ابلیس ان پتھر قلوب میں اپنی آتشِ ذات سے حرارت داخل کرتا رہتا ہے

☆لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ......(حج53)

جن کے قلوب میں مرضِ قساوت ہوتی ہے جب ابلیس ان میں کچھ ڈالتا ہے تو خالق اسی حرارتِ ابلیسی کو ان لوگوں کے لئے آزمائش قرار دیتا ہے اور پھر اپنی طرف سے حکم لگاتا ہے کہ ظالمین بعید ترین مخالفت میں ہیں۔ قساوتِ قلب کی ایک اور وجہ بھی ہے جس کی نشاندہی خالق نے فرمائی ہے

☆ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ...... (حدید16)

یعنی ابھی تک ایمان لانے والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ذکرِ الٰہی اور جو حق کے ساتھ نازل ہوا اسے سن کر ان کے قلب نرم ہو جائیں وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں کہ جنہیں ان سے پہلے کتاب سے نوازا گیا تھا پھر ان پر طویل زمانہ گزرا تو ان کے قلوب میں مرض پیدا ہو گیا اور ان میں سے اکثر فاسق ہو گئے۔

یعنی طوالتِ وقت کسی متوقع حساب وموت سے مایوس کر دیتی ہے اور انسان فوری اجر کا پرستار ہو جاتا اور وعدہ فردا پہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا اور پھر ابہام کا شکار ہو جاتا ہے۔

5......غمرۃ

جب قساوتِ قلب کا مرض شدید ہو جاتا ہےتو آدمی پر ایک بے ہوشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے جیسے کوئی مریض کسی مرض کی شدت میں بے ہوش ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ایک بے ہوشی چھا جاتی ہے پھر ذکر اللہ قلوب میں سرایت نہیں کرتا گویا قلوب پر پردہ اور سخت ہو گیا یا یوں سمجھ لیں کہ ظلم و عدوان و معصیت اور سیاہ کاریوں کی کثیف سیاہ گرد جمتے جمتے ایک پردہ بنا اور پھر اس نے قلب پر ایک سخت تہہ چڑھا دی۔ پردہ کی مثال ایسے دی جا سکتی ہے جیسے کسی کیمرہ کے لینز کے سامنے ڈھکنا آجائے کہ جب ڈھکنا آجاتا ہےتو تصویر کا فلم پر مرتسم ہونا محال ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ بھی نقش پزیر نہیں ہو سکتا اور انسان جب قسی القلوب ہو جاتا ہے ہوا و ہوس کے نشے میں سرمست ہو جاتا ہے اور انتہائے نشہ ایک مدہوشی اور غفلت تک پہنچ جاتا ہےتو اس حالت کو ''غمرۃ القلب'' کہتے ہیں۔

☆ وَلَدَيۡنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالۡحَقِّ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ()بَلۡ قُلُوبُهُمۡ فِىۡ غَمۡرَةٍ مِّنۡ هَذَا وَلَهُمۡ أَعۡمَالٌ مِن دُونِ ذَلِكَ هُمۡ لَهَا عَامِلُونَ ...... (مومنون 62)

وہ ایسے بدمست اور غافل ہو جاتے ہیں کہ کتاب بالحق کے فرمودات کو سن بھی نہیں سکتے اور ان کے اعمال بھی غفلت کے شکار ہوتے ہیں کیونکہ وہ لوگ سیدھے راستے سے منزل پر نہیں جانا چاہتے بلکہ چور دروازے سے نجات کی اٹکلیں لڑاتے ہیں اور سوچتے ہیں مگر خالق کا اٹل فیصلہ ہے کہ

☆قُتِلَ الۡخَرَّاصُونَ ()الَّذِينَ هُمۡ فِىۡ غَمۡرَةٍ سَاهُونَ......(زاریات 11)

یعنی اپنی اٹکلیں لڑانے والے ہلاک ہو گئے کیونکہ ان کے قلوب مرضِ غمرہ میں مبتلا ہیں اور وہ غافل از حق و وظائفِ حیات ہیں اور ان کی رضا پر چلنے سے اہل ایمان کو واضح طور پر منع فرمایا گیا ہے۔

☆ وَلَا تُطِعُ مَنُ أَغُفَلُنَا قَلُبَهُ عَن ذِكُرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ......(کہف 28)

یعنی جو ذکر الٰہی سے غافل ہیں اور ہوا و ہوسِ نفس کے پیرو ہیں ان کی اتباع نہ کریں کیونکہ جس طرح اپنی خواہشِ نفس پر چلنا حرام ہے اسی طرح کسی دوسرے کی خواہشِ نفس پر چلنا حرام تر ہے کیونکہ غفلت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور انسان بظاہر دیکھتے ہوئے اندھا ہو جاتا ہے اور حقائق کے عرفان کی صلاحیت سے مکمل طور پر محروم ہو جاتا ہے۔

6......عمی (اندھاپن)

جب غفلت انتہا کو پہنچتی ہے تو پھر قلب اندھا ہو جاتا ہے حقیقت و واقعیت کا مشاہدہ نہیں کرسکتا فعلی اور انفعالی قوتیں مسلوب ہو جاتی ہیں اس لئے ارشادِ قدرت ہے۔

☆أَفَلَمُ يَسِيُرُوا فِيُ الْأَرُضِ فَتَكُونَ لَهُمُ قُلُوبٌ يَعُقِلُونَ بِهَا أَوُ آذَانٌ يَسُمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعُمَى الْأَبُصَارُ وَلَكِن تَعُمَى الْقُلُوبُ الَّتِيُ فِيُ الصُّدُورِ ......(الحج 46)

کیا ان لوگوں نے دنیا میں پھر کر نہیں دیکھا تا کہ ان کے قلوب سمجھنے کے قابل ہو جاتے، کان سماعت کے حامل ہو جاتے حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ قلب اندھے ہو جاتے ہیں جو صدور میں ہوتے ہیں یعنی عقل و بصیرت باقی

نہیں رہتی اور پھر خالق نے یہاں بھی اپنا حکم لگایا ہے کہ

☆وَمَن كَانَ فِى هَـذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِى الآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيْلاً (بنی اسرائیل72)

یعنی جو اس دنیا میں اندھا ہو اوہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا اور وہ گم کردہِ راہِ حق ہے یہاں میں نے چند ایک امراض قلب کا ذکر کیا ہے اور امید ہے یہی اجمال آپ کافی سمجھیں گے

محل موادر

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مناظر کائنات کا محل آنکھ ہوتی ہے اسی طرح بہت سی چیزوں کا محل (جائے نزول و قیام) بھی قلب ہوتا ہے مثلاً محلِ عقل بھی قلب ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

☆فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا...... (حج46)

اسی طرح محل تقویٰ بھی قلب ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى...... (حجرات3)

اسی طرح محل ذکر بھی قلب ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆إِنَّ فِى ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ...... (ق37)

اسی طرح جزا و سزا کا تعلق بھی قلب سے ہے

☆وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُم...... (بقرہ225)

محل ایمان بھی قلب ہے جیسا کہ ارشاد ہے

☆ أُوْلَئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ الْإِيْمَانَ...... (مجادلہ22)

وحی والہام کامحلِ نزول بھی قلب ہے

☆فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ......(بقرہ97)

اسی لئے جملہ خرابیوں کا آغاز اسی کی خرابی سے ہوتا ہے جن وانس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے

☆وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيراً مِّنَ الْجِنِّ وَالإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ......(اعراف179)

اس میں بھی وہی انداز اپنایا گیا ہے کہ عین یعنی آلہ بصارت ہے دیکھتی نہیں، اذن یعنی آلہ سماعت ہے سنتے نہیں قلب، آلہ ادراک حقائق ہے مگر تفقہ نہیں کرتے یعنی جہاں آلات کا ذکر فرمایا ہے تو قلب کا لفظ آیا ہے جہاں قوتوں کا تذکرہ ہے تو فواد کا لفظ آیا ہے

ثابت ہوا قلب آلہ ادراک حقائق ہے اور خالق نے فواد کو جو قوت تشخیص حقائق دی ہے اسے جوابدہ قرار دیا ہے نہ کہ قلب کو کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قلب ہو مگر فوادیت سے محروم ہو اپنی قوت سے محروم ہو

دوستو! میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں قلب کا کام ادراک حقائق ہے اور اسی کی خرابی ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہوتی ہے کیونکہ اس کی فوادیت مر جائے تو کچھ بھی سمجھ نہیں آتا جیسا کہ ارشاد ہے۔

☆أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ......(محمدؐ24)

اس آیت میں قلب کی موجودگی کا اعتراف بھی ہے اور فوادیت کی نفی بھی ہے یعنی

قلب پر تالا پڑا ہوا ہے قلب ہے مگر قوت تدبر سے محروم ہے جس طرح آنکھ (عین) کی قوت یعنی بصارت کا فعل رویت ہے اسی طرح قلب کی قوت کے فعل کا نام ہے تفقہ یعنی قلب تفقہ کرتا ہے جہاں زمین و آسمان کی ہر چیز کے تسبیح کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے وہاں ارشاد ہے

☆وَلَـٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ

کہ تمہارے قلوب ان کی تسبیح کا تفقہ (ادراک) نہیں کر سکتے یعنی قلب کا فعل ہے تفقہ کرنا اور جہاں عوام الناس کے ادراک حقائق کے فقدان کو دیکھا تو جناب موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔

☆رب شرح لی صدری و یسرلی امری واحل العقدة من لسانی یفقهوا قولی

پہلے تو اپنے بارے میں دعا کی پھر فرمایا "یفقهوا قولی" کہ اے اللہ تو لوگوں کے قلوب کو تفقہ عطا فرما تا کہ میری بات کو سمجھ سکیں ادراک حقائق ہوگا تب بات فواد تک پہنچے گی

دوستو! ''فواد'' کے فعل کا نام ہے ''تدبر'' یعنی فواد کا کام ہے تدبر کرنا اسی لئے دلوں پر تالوں کے ثبوت میں تدبر قرآن کا ذکر ہوا ہے کہ وہ لوگ قرآن میں کیا تدبر کریں جن کا ادراکِ حقائق کا آلہ ہی مقفول ہے تالے میں ہے جب آنکھ ہی بند ہو تو بصارت کا عمل کیسے ہوسکتا ہے بصارت سے رویت کیسے عمل میں آسکتی ہے۔

☆خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِم

کہ اللہ نے ان کے دلوں پہ تالے لگا دیئے ہیں اب اگر سوچ بچار کو اس صنوبری

گوشت کے ٹکڑے سے کہ جسے دل کہتے ہیں مخصوص کر دیا جائے تو علم اِلٰہی میں نقص لازم آتا ہے اس دور میں انسان کو ایک مشین سے زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے جدید سرجری اور آپریشن کے ماہرین نے تو اسے معمولی قسم کی مشین بنا دیا ہے جو پرزہ کمزور دیکھا بدل دیا، آئی بنک گواہ ہیں کہ آنکھیں بدلوائی جاسکتی ہیں جیسے کار کی ہیڈ لائٹس بدلوائی جاسکتی ہے، بلڈ بنک گواہ ہیں کہ خون ڈلوایا جاسکتا ہے جیسے پڑول پمپ سے کار کی ٹینکی فل کروالیں، بون بینک گواہ ہیں کہ انسانی ہڈیاں تبدیل ہوسکتی ہیں اور دل کے بائی پاس کے آپریشن ہورہے ہیں، ربڑ کے دل لگا کر جلایا جارہا ہے بون کے دل سے انسان کو زندہ رکھا جارہا ہے تو اس دور میں یہ کہنا کہ سوچوں کا تعلق دل سے ہے مضحکہ خیز بات نظر آتی ہے جس کا دل ربڑ کا لگا ہوتا ہے پہلے جیسی سوچوں کا حامل ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا سوچنے والا قلب یہ نہیں جسے عرف عام میں ''دل'' کہا جاتا ہے یہ قلب انسان میں موجود کسی مخفی پرزے کی حیثیت سے موجود ہے سوچ بچار اور یہ خیالات اسی سے مخصوص ہیں نہ کہ دل سے کیونکہ یہ تو ایک پمپ ہے جو اس انسانی انجن کو پڑول سپلائی کر رہا ہے۔

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

قلب اس دل کا نہیں بلکہ آلہ ادراک حقائق کا نام ہے ورنہ جنہیں بکری کا دل لگا کر زندہ رکھا جاتا ہے ان کا دل گھاس کھانے کو چاہتا امید ہے اب میرا مدعا سمجھ گئے ہوں گے

لب

اب دل اور قلب کے مابین اور قلب اور فواد کے مابین جو فرق ہے وہ تو سمجھ آ گیا ہو گا اس کے بعد ہے انسانِ عقلی تو اس سے بھی ایک قوتِ قلبی متعلق ہے اس کا نام ہے ''لب'' یہ لفظ قرآن مجید میں تقریباً 15 مرتبہ استعمال ہوا ہے ''لب''
انسانِ عقلانی کے لئے قلب کا کام دیتی ہے ''لب'' کے فعل کا نام تذکر ہے یعنی ادراکِ حقائق کے بعد تشخیصِ حقائق کا مرحلہ ہے اس کے بعد ہے تسلیم کی منزل ''لب'' کا کام گویا تسلیمِ حقائق یا قبول حقائق ہے جیسے

☆فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ......(بقرہ197)

منزل مقصود کے لئے بہترین زادِ سفر تقویٰ ہے اے صاحبان ''لب'' تقویٰ اختیار کرو یعنی مقام تقویٰ مقام تسلیم ہے اور اللہ نے فرمایا ہے خالق کے نزدیک وہی مکرم ہے جو متقی ہے یعنی اکرام و تکریم کا پیمانہ خالق نے تقویٰ کو بنایا ہے اور تقویٰ اولو الالباب کی منزل ہے اور کلام اِلٰہی کے بارے میں فرمایا ہے

☆لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ......(یوسف111)

''صاحبانِ لب'' کے لئے قرآن کے قصوں میں عبرت ہے یعنی قصص القرآن میں سے صحیح تعبیر اولی الالباب ہی کر سکتے ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لب کو افعال سے ''جو'' حاصل ہوتا ہے وہ ''عبرت'' ہے یعنی حصولِ نصیحت ہے اور انہی کو درست سبق حاصل ہوتے ہیں اور لب انہیں قبول کر کے عمل میں لاتی ہے خود قرآن پاک کے بارے میں ارشاد ہے۔

☆ أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ ……(رعد19)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ اس کتاب کا نزول جو من اللہ بالحق نہ سمجھے گویا وہ اندھا ہے اور اس میں تو صرف صاحبانِ لب کے لئے تذکر ہے پھر فرمایا

☆ هَـذَا بَلاَغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُواْ بِهِ وَلِيَعْلَمُواْ أَنَّمَا هُوَ إِلَـهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ……(ابراهيم 52)

یہاں انسانوں کی اقسام کے لحاظ سے قرآن پاک کے تین پہلو بیان ہوئے ہیں یعنی جو انسان طبعی کے حامل انسان ہیں ان کے لئے یہ ڈرانے والی کتاب ہے اور جو انسان نفسی ہیں ان کے لئے خدا کی وحدانیت کو ثابت کرنے والی کتاب ہے اور جو صاحبان لب ہیں ان کے لئے تذکر کی حامل کتاب ہے۔

☆ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ (ص29)

یہ کتاب مبارک صاحبانِ فواد کے لئے اس لئے بھیجی گئی ہے کہ وہ آیات پہ تدبر کریں اور صاحبانِ لب کے لئے صرف تذکر کے لئے آئی ہے

یعنی آیات قرآن میں غور فکر کرنے کے لئے، صاحبان لب کے لئے کوئی ضروری بات نہیں اس میں ان کی ضیافت طبع کے لئے تذکر رکھا گیا ہے ہاں ایک منزل اور بھی ہے۔

☆ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُوْلِي الأَلْبَابِ……(آل عمران190)

تخلیقِ ارض و سما اور شب و روز کے اختلاف میں ''صاحبان لب'' کے لئے آیات

موجود ہیں یعنی ان کے لئے صحیفہ حق کائنات ہے جس میں ہر سمت آیات الٰہی پھیلے ہوئے ہیں جیسے جوش فرماتے ہیں

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کے لئے
اگر رسولؐ نہ آتے تو صبح کافی تھی

یعنی شواہدِ کائنات ان کے لئے قرآن کا کام دے سکتے ہیں ان کا وجدان ہی انہیں ہدایت کرتا ہے جیسے جناب سلمان فارسی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ جب انہوں نہ اسلام قبول فرمایا تو لوگوں نے مبارک دی اور عرض کی مبارک ہو کہ تم نے دین حق کو قبول کیا ہے شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے کیوں مبارک دے رہے ہو یہ تو ہمارے اعلانِ نبوت سے سو سال قبل بھی ہمارے دین کی تبلیغ کرتے تھے یعنی دین سابق میں رہ کر دین محمدیؐ کا پرچار کرنا وجدانی علم ہے اکتسابی نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جہاں بھی ''صاحبانِ لب'' کا تزکرہ ہوا ہے تو ذکر قرآن کے ساتھ یا تقوے کے ساتھ ہوا ہے تقریباً ایسا ہی ہوا ہے ایک شہرہ آفاق آیت ہے جو سورہ آلِ عمران میں ہے ارشاد قدرت ہے۔

☆هُوَ الَّذِیَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِی قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ...... (آل عمران 7)

وہی اللہ تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے جس کتابِ مبارک میں کچھ آیات محکمات ہیں جو ام الکتب ہیں (اصلِ کتاب) ہیں اور دوسری آیات

متشابہات ہیں جن کے قلوب (آیاتِ ادراکِ حقائق) بگڑ چکے ہیں وہ ان کی اتباع کرتے ہیں اور اپنی طرف سے تاویل کرتے ہیں اور مقصود تاویل فتنہ وفساد ہے لیکن علمِ تاویل کون جانتا ہے؟ سوائے اللہ کے اور ان اشخاص کے جو راسخون فی العلم کے مصداق ہیں اور جو فرماتے ہیں کہ ہم ایمان لائے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور صاحبان لب کے لئے اس میں تذکرہ ہے۔

پھر صاحبان لب کی علامت کو بیان فرمایا گیا ہے تو ارشاد ہوا۔

☆الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ......(زمر18)

یعنی صاحبانِ لب وہ اشخاص وافراد ہیں جو ہر بات کو سنتے ہیں اور جو اچھی بات ہو اس پر عمل کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کی ہدایت فرمائی ہے اور یہی صاحبانِ لب ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ''لب'' انسانِ عقلانی کا قلب ہے یعنی روح کا دل ہے'' لب''، حکمت وعلم کا تعلق روح سے ہے افعالِ کمالیہ میں سے روح کا فعل کمالِ حکمت ہے

شعور ولاشعور

یہاں عرفانیاتی نقطۂ نگاہ سے شعور و لاشعور کی تشریح پیش کرنا بھی مناسب رہے گا تا کہ کوئی ان اصطلاحات کو سائیکالوجی کے اصطلاحات نہ سمجھ لے۔

دوستو! شعور کے بارے میں تو کچھ نہ کچھ بتایا جا چکا ہے مگر لاشعور کے بارے میں

یہاں عرض کرنا مناسب رہے گا کہ لاشعور انسان کے ایک عظیم سٹور کی طرح ہے مگر اس میں صرف دنیا میں آنے کے بعد والے معلومات و احساسات سٹور نہیں ہوتے بلکہ اس دنیا میں آنے سے قبل کے جو واقعات ہیں وہ بھی اس میں محفوظ ہوتے ہیں شعور کا تعلق نفس سے ہوتا ہے مگر لاشعور کا تعلق روح سے ہوتا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ ایک مکمل انسان کی ہارڈ ڈسک Hard Disk روح میں ہوتی ہے جس میں تکوینِ روح سے موت تک اور موت کے بعد قیامت تک کے احساسات کا ڈیٹا Data محفوظ ہوتا ہے اور شعور انسان کا ڈسپلے یونٹ Display Unit ہوتا ہے یعنی انسان کو ایک کمپیوٹر Computer مانا جائے تو لاشعور ہارڈ ڈسک Hard disk اور شعور ریم Ram یا مونیٹر Monitor پر نظر آنے والی فائل سمجھ لیں۔

ماضیِ ماقبل الوجود کا ڈیٹا Data بھی لاشعور میں محفوظ Save ہوتا ہے اور جب تک انسان دنیا میں کام کرتا رہتا ہے اور اس میں کمپلیکسز Complexes یا محسوسات کے وصول ہونے کا عمل جاری رہتا ہے وہ بھی اسی میں محفوظ ہوتے رہتے ہیں یعنی نفس جو احساسات جمع کرتا ہے انہیں کچھ وقت رننگ آرڈر Runing Order میں شعور میں رکھتا ہے اور جب کوئی دوسری فائل کھولتا ہے تو اسے روح کی ہارڈ ڈسک Hard Disk میں سیو Save کر کے بھول جاتا ہے اس دنیا میں بہت کم لوگ اس انسانی کمپیوٹر Computer کے ایسے کمانڈز Commands جانتے ہیں کہ جس سے وہ لاشعور میں ایٹری بیوٹڈ (Attributed) پوشیدہ فائلوں کو اوپن Open کر سکیں کیونکہ یہ احساسات کی فائلیں روح کے نہاں خانے میں پریزرو Preserve ہو جاتی ہیں

ہاں ایسا بھی ہوتا ہے بعض اوقات انسان اپنے من کے کمپیوٹر Computer سے کھیل رہا ہوتا ہے تو اس کھیل میں اچانک کوئی فائل اوپن Open ہو جاتی ہے ورنہ وہ مخفی ہی رہتی ہیں

دوستو! یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ انسان کے لاشعور کے اس سٹور یا خزانے میں عالم ازل سے لے کر عالم ابد تک کے احساسات کو سٹور کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور جن لوگوں کا شعور کامل ہوتا ہے ان کے شعور کے کامل ہونے کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ ان کا تعلق اپنے لاشعور کے خزانے سے اختیاری طور پر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ جب بھی چاہتا ہے ازل سے حال تک کی کوئی بھی فائل کھول لیتا ہے بلکہ شعور اور لاشعور کا تعلق آٹو اوپن سسٹم Auto Open System جیسا ہو جاتا ہے جب بھی کوئی چیز سامنے آتی ہے تو اس کے ماضی سے تعلق کا سارا بائیوڈیٹا Biodata ایک دم شعور میں آجاتا ہے یہاں تک کہ بعض کامل شعور رکھنے والوں کو ازل میں ''الست بربکم '' کی ندا اور اپنا بلیٰ کہنا تک شعور میں ہوتا ہے بلکہ جناب سلمان پاک کے اور جناب رشید ہجری و جناب میثم تمار کے ایسے واقعات کتب میں موجود ہیں کہ انہوں نے کسی کو دیکھا تو فوراً فرمایا کہ تو فلاں ابن فلاں ہے اور روز میثاق جب ہم نے بلیٰ کہا تھا تو اس وقت تو ہمارے دائیں طرف یا بائیں طرف کھڑا ہوا تھا جیسا کہ جناب سلمان پاک اور حارث بن عمیر کا واقعہ ہے۔

جن لوگوں کا شعور کامل ہوتا ہے انہیں عالم ارواح میں مالک حقیقی کی مقدس محفلوں کی لذت تک کا شعور ہوتا ہے اور اسی دنیا کی طرح یاد ہوتا ہے کہ جیسے وہ اسی دنیا کا ایک واقعہ ہو

دوستو! کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا شعور قدرے طاقتور ہوتا ہے اور وہ کبھی کبھی لاشعور کے خزانے سے ماضی کے امیجز Images اٹھا لیتے ہیں اور انہیں وہ مانوس سی لگتی ہیں وہ انہیں بیان نہیں کر سکتے یہ انہیں اچھی طرح پہچان نہیں سکتے مگر یہ کہتے ہیں کہ انہیں کہیں دیکھا ہوا ہے یا کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی منہ زور راز لاشعور کی تہہ سے نکل کر اچانک شعور کی سطح پر آ جاتا ہے مگر یہ اتفاقی نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی مالک کی طرف سے ہوتا ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ لاشعور دماغ کے کسی حصہ میں نہیں ہوتا بلکہ لاشعور کا سٹور روح ہی میں ہوتا ہے اور دماغ بھی روح کا ٹرانسسٹر Transister ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ماہرینِ تحلیلِ نفس نے ثابت کیا ہے کہ اعمال کا نہ مٹنے والا ریکارڈ انسان کے لاشعور میں محفوظ رہتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہاں محفوظ رہتا ہے یعنی وہ اقرار کرتے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ انسان کا اصلی سٹور کہاں ہے لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دماغ ہی کے کسی گوشے میں ہوتا ہے حالانکہ ان کا یہ نظریہ اس وقت رد ہو جاتا ہے جب ہم کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں کہ جس کا دماغ خراب ہو چکا ہوتا ہے کیونکہ اس کا مشاہدہ کرنے پر ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے دماغ کے خراب ہونے کے باوجود اس کی شخصیت لاشعور میں باقی و محفوظ ہوتی ہے

اسے ایک اور طرح سے بھی ہم رد کر سکتے ہیں وہ یہ کہ نظریہ حیاتیات اور حیات میں ہے کہ انسان کے بارہ سال میں سارے خلیے تبدیل ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ دماغ سمیت سارے بدن کے خلیات بدل جاتے ہیں۔ ماہرین حیاتیات میں خلیات کی

تبدیلی کے عرصہ میں اگر چہ اختلاف ہے مگر تبدیلی میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ بات اب تھیوری نہیں قانون کا درجہ حاصل کر چکی ہے کیونکہ سائنسی تھیوریز بدلتی ہیں اور قانون نہیں بدلتا اور یہ تبدیلیء خلیات کا نظریہ قانون کا درجہ حاصل کر چکا ہے اور خلیات بدلنے کا عرصہ تین سال سے بارہ سال تک کا بتایا جاتا ہے کہ جب انسان پورے کا پورا جسم بدل لیتا ہے

اب خود دیکھیں انسان کا دماغ تو کیا پورا جسم تبدیل ہو جاتا ہے مگر اس میں شعور اور لا شعور وہی رہتا ہے اور اس کی شخصیت نہیں بدلتی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح تو اس کمپیوٹر Computer کی ہارڈ ڈسک Hard Disk ہے سارا ڈیٹا Data اس میں محفوظ رہتا ہے اسی لئے روح کو خود شعوری کا نام بھی دیا جاتا ہے کیونکہ کہتے ہیں خود شعوری انسان سے مربوط رہنے کے باوجود ایک علیحدہ زندگی گزارتی ہے

اب ہم ایک اور طرح سے بات کرتے ہیں دوستو! ہمیں اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے کہ ایک انسان کے اندر تین انسان ہیں اور ان میں سے ہر انسان ایک مکمل انسان ہے یعنی نفس بھی ایک مکمل انسان ہے، بدن بھی اور روح بھی ایک مکمل انسان ہے جس طرح اس بدن میں کچھ اعضا وقویٰ ہیں اسی طرح نفس میں بھی ہیں اور روح میں بھی ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ روح وغیرہ کے اعضاء غیر وضعی ہیں

جب ہم شعور کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں شعور سے لے کر شعور اخفیٰ تک اس کے کئی دائرے نظر آتے ہیں یعنی بدن جو محسوسات کا ذخیرہ جمع کرتا ہے وہ اس بدنی دماغ کے شعور میں جمع ہوتا ہے اور اس کے شعور کے دو حصے ہوتے ہیں ایک میں محسوسات کو حاصل کر کے کچھ وقت کے لئے رننگ آرڈر Runing Order میں رکھتا ہے

جب وہ دیکھتا ہے کہ اب فوری طور پر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو اسے وہ اپنے گودام یعنی لاشعور میں محفوظ کر لیتا ہے اسی طرح نفس بھی ہمہ وقت محسوساتِ نفسی کو جمع کرتا رہتا ہے اس کے شعور کے بھی دو حصے ہوتے ہیں ایک میں محسوساتِ نفسی کو فوق الشعور میں رننگ آرڈر میں رکھتا ہے جب اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تو اسے وہ تحت الشعور کے گودام میں جمع کر دیتا ہے اسی طرح روح کے شعور کے بھی دو حصے ہوتے ہیں

اب روح کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو عالم ازل سے اسی جوان حالت میں موجود ہے اس لئے اس کے بالائے شعور میں جو مواد رننگ حالت میں ہوتا ہے وہ ڈیوائین وائس Divine Voice کی شکل میں ہمیں ملتا رہتا ہے مگر اس کے شعورِ اخفیٰ میں ازل سے حال تک کا سارا مواد موجود ہوتا ہے۔

ازل میں میثاق سے لے کر آج تک کے تمام محسوسات کا ذخیرہ اس روح کے لاشعور یعنی اخفیٰ شعور میں موجود ہوتا ہے جیسے جسم کے سارے محسوسات کا ذخیرہ جسمانی لاشعور میں موجود ہوتا ہے مثلاً انسان کے جملہ حواس جو کچھ حاصل ہوتے ہیں اس کا ایک بیک اپ Backup لاشعور میں محفوظ ہو جاتا ہے جب انسان اس چیز کا ذکر سنتا ہے تو اس کا تصور، اس کا ذائقہ، اس کا لمس، اس کی آواز وغیرہ سب لاشعور سے نکل کر شعور کی سکرین پر آ جاتے ہیں جیسے میں نے پہلے بھی ایک مثال میں سمجھایا تھا کہ آپ جب آم کا نام لیتے ہیں یا لیموں کا نام لیتے ہیں تو اس کا ذائقہ اور رنگ و شکل وغیرہ آپ کے ذہن کی سکرین پر آ جاتا ہے یا یوں سمجھیں اس کا مجموعہء احساسات آپ پر طاری ہو جاتا ہے اور آپ کے منہ میں پانی آ جاتا ہے اسی طرح

عالم ازل کے جملہ محسوسات روح کے لاشعور (شعور اخفیٰ) میں موجود ہوتے ہیں
جب انسان اس خزانہِ محسوسات کا دروازہ کھول لیتا ہے تو وہی احساسات انسان پر
طاری ہوجاتے ہیں

دیکھئے روح جب خلق ہوئی تو اس نے عالم انوار کا مشاہدہ کیا اس نے اقرار کیا خالق
ارواح کی بزم میں حاضر ہوئی اس کی جبروتیت کا مشاہدہ کیا اور جب زیارت کی تو
عصمت اِلٰہی کو دیکھ لیا اور رعب الوہیت سے کانپنے لگی تھی اس کی زیارت کا لطف بھی
اٹھایا اس کے کلام سری یعنی الست بربکم کی دلنواز آواز بھی سنی اس کا لطف بھی محسوس
کیا وہاں تسبیح وتہلیل وعبادات کے لذات کو حاصل کیا اس طرح اس کے وہاں کے
سارے محسوسات اس کے لاشعور یعنی شعور اخفیٰ میں موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ جن
لوگوں نے اس خزانہِ محسوسات تک رسائی حاصل کر لی ہوتی ہے ان کی نمازیں بہت
ہی میٹھی اور لذیذ ہوتی ہیں

آپ نے سنا ہوگا کہ فلاں ولی اللہ کی یہ حالت تھی کہ جب نماز کے لئے وضو کرنا
شروع کرتے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا اور نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ان کا جسم
کانپنے لگ جاتا تھا اس کی وجہ یہی ہے کہ جب وہ روح کی گہرائی سے عبادت کی
طرف توجہ کرتے تھے تو روح عالمِ ذر کی حاضریوں کے محسوسات کو ان پر طاری کر
دیتی تھی

اسی طرح وہاں کے محسوسات کو اپنی ذات پر طاری کیا جاسکتا ہے اور یہ ایک طرح
سے شعورِ اخفیٰ تک رسائی سے ممکن ہے اگر یہ رسائی ہو جائے تو پھر لذتِ زیارت بھی
حاصل ہو جاتی ہے، لذتِ سماعتِ کلام بھی حاصل ہو جاتی ہے، لذت عبادات بھی

حاصل ہو جاتی ہے

لذت عبادت کے بارے میں عرض کرتا چلوں کہ عالم اروح میں انسان کی غذا تسبیح و تہلیل و تمجید تھی یعنی وہاں ہر عبادت کا علیحدہ علیحدہ ذائقہ تھا جیسے ہمارے ہاں ہر غذا کا ذائقہ جدا، خوشبو جدا، رنگ جدا ہوتا ہے اسی طرح وہاں یہ عبادت ہی انسان کی غذا تھی اوران کے بھی ذائقے، رنگ، خوشبوئیں جدا جدا تھیں وہاں بھی انسان یکسانیت کو پسند نہیں کرتا تھا جیسے یہاں ایک کھانا مسلسل پسند نہیں کرتا وہاں بھی یہ اپنی غذاؤں میں تبدیلی کرتا تھا یعنی کبھی ایک تسبیح سے لطف اندوز ہوا کبھی کسی دوسری تسبیح سے اس طرح شعوراخفٰی میں ان تسبیحات کے ذائقوں کا بیک اپ Backup بھی موجود ہے مگر انسان کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی ہاں جولوگ روحانیت کے مراحل کو طے کرتے ہیں وہ اپنے شعوراخفٰی کے خزائن سے ان کے لذات کو اپنی ذات پر طاری کرنے کی قوت پا لیتے ہیں اس سے زیادہ کچھ کہنا نااہل کے سامنے پردہ کھولنے کے برابر ہے اور جو اہل ہے اسے تو صرف ایک زاویہ دکھانا مقصود تھا باقی سفر تو وہ خود طے کرلے گا بشرطیکہ مرشد کی توجہ شامل حال ہو۔

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمهم عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 8

عرفانیاتی نفس

اے مسافرانِ راہِ سلوک!

ہم گزشتہ اوراق میں مختلف اصطلاحات بیان کر چکے ہیں اب وقت ہے کہ ہم ماہرین عرفانیات کے آراء پیش کریں اور عرفانیاتی نفس کا تعارف کروائیں اور یہی ہماری کتاب کا مقصد بھی ہے۔

دوستو! عرفائے قدیم کے نزدیک اعتدالی حالت سے بلندی کی طرف سفر کیا جائے تو نفس کی اقسام پانچ ہیں

(1) نفس مطلقہ (ناطقہ)

(2) نفس امارہ

(3) نفس لوامہ

(4) نفس ملہمہ

(5) نفس مطمئنہ

اگر نفس نقطۂ اعتدال سے گر جائے تو اس حالت میں اسے ایک اور نام دیا جاتا ہے یعنی (6) نفس امارہ یہ نام اوپر آچکا ہے

اس سے پہلے کہ میں ان نفوس خمسہ کے بارے میں کچھ عرض کروں پہلے ایک اشتباہ پیدا ہونے کا امکان ہے اسے یہاں رفع کرتا چلوں کیونکہ میں اقسام نفوس پہ گفتگو کرنے جا رہا ہوں اس سے شاید کوئی یہ سوچے کہ نفس کئی ہیں اور انسان متعدد نفوس کا حامل ہوتا ہے۔

دراصل بہت کم لوگوں نے اقسام کے معنی سمجھے ہیں ہر عام ذہن اقسام سے مراد مختلف الاصل اشیاء لیتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اقسام نفس کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں

یہ ایک مسلمہ ہے کہ مادے کی تین اقسام (حالتیں) ہیں

(1) ٹھوس (2) مائع (3) گیس

آپ پانی ہی کو دیکھ لیں ٹھوس ''برف'' ہے مائع ''پانی'' ہے اور گیس ''بھاپ'' ہے یہ مادے کی تین اقسام یا حالتیں ہیں مگر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ مختلف الااصل اشیاء ہیں پانی اور ہے، برف اور ہے، بھاپ اور ہے بلکہ یہ تو اس کی مختلف حالتیں ہیں جنہیں اقسام کا نام دیا گیا ہے۔

بالکل اسی طرح نفس بنیادی طور پر واحد الاصل حقیقت ہے مگر اس کی کثافت سے لطافت میں بدلنے تک چار حالتیں ہیں، چار درجے ہیں دراصل وہ ایک نفس مطلقہ ہی ہے اور چونکہ ہر حالت میں اس کی کیفیت بدلتی ہے اس لئے نام بھی بدل جاتے ہیں اصل مادہ ایک ہے اشکال و کیفیات کی تبدیلی سے تقسیمِ نفوس کی جاتی ہے۔

نفوسِ خمسہ

دوستو! آپ نے نفوس کے ناموں کے اختلاف کی وجہ تو معلوم کر لی ہے کہ وہ اس کی حالتوں کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کی اصل ذات میں اختلاف ہے آپ کو نفوسِ خمسہ اور ان کے متعلقات کے بارے میں ابتدائی معلومات دینا یہاں بہت ضروری ہے میں یہ تو آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ دراصل نفس ناطقہ ہی ہے جو تبدیلیِ کیفیات سے مختلف نام پاتا ہے جیسے مادہ تبدیلی کیفیات سے واحد الاصل ہونے کے باوجود مختلف نام پاتا ہے مثلاً برف، پانی، بھاپ اور اس کی لطیف چیز ہے ''مزن'' اسی طرح نفس واحد الاصل حقیقت ہے مگر تبدیلیِ کیفیات سے مختلف نام پاتا ہے گویا اس کا وجودِ نسبی جب بدل کر وجودِ حقیقی کو متاثر کرتا ہے تو نام بدل جاتا ہے اور اس کے ساتھ قلب جو ادراک حقائق کا آلہ ہوتا ہے اس کی کیفیت بھی بدلتی ہے اور اس کا اندازِ ذکر بھی بدلتا ہے غرض اس کے جملہ متعلقات میں جو تبدیلی آتی ہے اس سے ان متعلقات کے بھی نام بدلتے ہیں۔

نفسِ امارہ

دوستو! بنیادی طور پر نفس ناطقہ ہے یہ نفس ناطقہ دراصل نفس کی نارمل حالت ہے یعنی نفس کا زیرو پوائنٹ ہے

جب یہ اپنی نارمل حالت سے نیچے گرے گا یا بلند ہو گا تو دونوں صورتوں میں اس کا نام تبدیل ہو جائے گا کیونکہ زیرو پوائنٹ ایک عقلی انسان کا پوائنٹ ہے جو اخلاقِ ذمیمہ یا حیوانیت سے بلند تر انسان کا پتہ دیتا ہے اب ایک درجہ نفس نیچے گرا تو نوعِ

انسان کی پستی کا مظہر ہوگا یعنی انسانیت سے گر گیا تو یہ حیوانیت کا حامل ہو جاتا ہے۔
اب یہ حیوان ہے تو عیار ترین حیوان ہے، مکار ترین حیوان ہے، ذلیل ترین حیوان ہے اور یہ ''یشبھون البھائم'' ہو چکا ہے درندہ صفت وحشی ہو گیا اور ''☆ أُولَـئِكَ كَالأَنعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ " کا مصداق بن گیا کہ یہ حیوان سے زیادہ گمراہ ہو گیا کیونکہ وہ نقطۂ انسانیت سے گر گیا ہے۔
یہاں نفس پر کدورت چھا جاتی ہے اور یہ جسم پر بدترین حاکم بن جاتا ہے اور اس میں اخلاقِ ذمیمہ بھر گئے تو اللہ نے بھی اپنے کلام میں واضح فرما دیا ''ان النفس الاَمارۃ بِسوء'' کہ یہ بکثرت امر کرنے والا ہمیشہ برے احکام صادر کرتا ہے کہ اس کو جسم پر صاحبِ امر بنا دینے والا حیوان سے بھی بدتر ہے۔

قلب مختوم ومقفول

جب حکمِ جسم نفسِ امارہ ہوا تو قلب کی حالت بدلی جب قلب کی حالت بدلی تو نفس امارہ سے متاثر ہونے والا قلب ''قلبِ مختوم'' ہو جاتا ہے
جس کے بارے میں ارشاد ہے ''خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِم'' اللہ نے بھی اسے مہر شدہ قلب کہا اور کہیں قلبِ مقفول کہہ کر فرمایا کہ اس پر تالا بڑ چکا ہے کہ یہ تو نفس امارہ کے تصرفِ کلی میں ہے۔

ذکر لقلقہ

قلب چاہے جو مقام و حالت اختیار کر لے عقل کی طاقت سے باہر نہیں جا سکتا یعنی انسان میں عقل چاہے جتنی کمزور ہی کیوں نہ ہو اس کی روشنی ضرور رہتی ہے اس لئے

قلب عقل کے اطمینان کے لئے کبھی اللہ اللہ کروا دیتا ہے یعنی ذکر کرتا ہے مگر اس ذکر اللہ کو تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے عارفانِ معارف نے ذکر لقلقہ کہہ کر بتا دیا کہ ☆أَنَّهُمۡ يَقُولُونَ مَا لَا يَفۡعَلُونَ کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں صرف زبانی جمع خرچ ہے

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب انسان کے نفس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو اس تبدیلی سے سب سے پہلے ''قلب'' اثر قبول کرتا ہے اس لئے اس مرحلے میں ''قلب'' بھی اپنی متاثرہ حالت میں دیگر نام پاتا ہے جیسا کہ قلب کے بارے میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

یہاں یہ بھی بتا دینا مناسب ہوگا کہ نفس ہمیشہ تدبر عقل سے متاثر ہوتا ہے یعنی جب انسان کے جسم و اعمال پر عقل کو اختیار ملتا ہے اور وہ اس میں تصرف کرنا شروع کر دیتی ہے تو نفس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

جب عقل کو انسان پر تصرف کا موقعہ ملتا ہے تو وہ نفس کو مزید ریفائین Refine کرنے کے طریقے اور اصول وضع کرتی ہے اس لئے ان ذرائع کے نام بھی بدلتے جاتے ہیں۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نفس کی فطرت ہے'' ذکر'' کرنا یہ ہر حال میں مصروفِ ذکر رہتا ہے یعنی کبھی خاموش نہیں رہ سکتا بلکہ نماز میں بھی بولتا رہتا ہے اس لئے اس کے ذکر میں بھی تبدیلی کی مناسبت سے تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے'' اذکار'' کے نام بھی بدلتے ہیں۔

(1) نفسِ مطلقہ

یہ نفس کی اعتدالی حالت کا نام ہے اور یہاں انسان کا نفس نہ ہی اچھا کہا جا سکتا ہے اور نہ برا گویا یہ ایک زیرو پوائنٹ ہے یہاں انسان ایک عام آدمی کی طرح ہوتا ہے اور انسان میں انسانی قسم کے صفات ہوتے ہیں یعنی وہ ایک نارمل انسان ہوتا ہے مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ اس دنیا میں نارمل ''انسان'' بہت کم ہوتے ہیں اور انہیں نارمل انسان بنانے کے لئے کئی جتن کئے جاتے ہیں کیونکہ انسان زیادہ تر نقطہ اعتدال سے نیچے ہی رہتا ہے اس لئے اسے نقطہِ اعتدال تک لایا نہیں جا سکتا جب تک کہ انسان کوئی خاص محنت ومشقت نہ کرے۔

جیسے ایک عام آدمی کے جسم کو مسکولر بنانے کے لئے ایک دستور العمل دیا جاتا ہے پہلوان لوگ ایک چارٹ بناتے ہیں یا جم خانوں میں پورے ہفتے کا ایک چارٹ بنایا جاتا ہے کہ کس دن کیا کرنا کیا کھانا ہے، کون سی ورزش کس دن کتنی مقدار میں کرنا ہے اس چارٹ پر جب تک عمل نہ کیا جائے جسم مسکولر نہیں بن سکتا اسی طرح نفس انسانی کے لئے بھی ایک دستور العمل ہوتا ہے کہ جس پر عمل کرنے سے نفس ریفائین ہوتا ہے اور اس میں لطافت پیدا ہوتی ہے اس دستور العمل کو ''تزکیہ نفس'' کہتے ہیں کیونکہ یہ تزکیہ نفس ہی انسان کے نفس کو نقطہ اعتدال پر لاتا ہے اور انسان کا نفس ''نفس مطلقہ'' بن جاتا ہے۔

تزکیہِ نفس

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس کیا ہے؟

اس کے جواب میں پہلے میں مذاہبِ عالم کے اختلافات سے ہٹ کر مذہب عقل کے نقطہ نگاہ سے بات کرنا چاہوں گا پھر مذہبِ اسلام کے حوالے سے۔

دوستو! اکثر برائیاں ایسی ہیں جنہیں کسی مذہب نے نہیں بلکہ عقل نے برا کہا ہے مثلاً ظلم ہے، ڈکیتی ہے، زنا ہے، چوری ہے یہ سب مذہباً ہی نہیں عقلاً بھی مذموم ہیں اور مذہبِ عقل عقلی تعیناتِ خیر وشر پر مبنی ہوتا ہے۔

آپ مذہب عقل کو تو سمجھ گئے ہوں گے اب دیکھئے کہ تزکیہ نفس کیا ہے اس کے جملہ مذاہب میں تعیناتِ خیر وشر سے معانی بدلیں گے مگر مذہبِ عقل کے لحاظ سے جو معنی ہیں وہی واضح کرنا چاہوں گا کیونکہ یہ ہماری پہلی منزل ہے ہاں کچھ لوگوں نے اس تزکیۂ نفس کو آخری منزل تصور کرلیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ تو پہلی منزل ہے اسی لئے تاجدارانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی بنیادی وجہ بھی یہی بتائی گئی ہے کہ

☆يُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کہ بعثت کی اولین وجہ ''تزکیہ نفس'' ہے پھر تعلیمِ کتاب ہے اور پھر تعلیمِ حکمت ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ''تزکیہ نفس'' ہر مذہب کا ہر فرد کرسکتا ہے یہی تزکیہ نفس ہر مذہب کے متدینین کا تعین کرتا ہے یعنی ہر وہ شخص جو برائی سے نفس کو روک لیتا ہے وہ اپنے مذہب کے اچھے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔

تزکیہ نفس کے معنی ہیں ''نفس کو پاک کرنا'' یعنی ہر وہ چیز جو عقلاً بری ہے، ہر وہ عیب جو عقلاً عیب ہے نفس کو اس سے بچانا ہی تزکیہ نفس ہے۔ مزاجاً نفس مادرزاد آزادی پسند ہوتا ہے یہ کسی قسم کی پابندی کو پسند نہیں کرتا اور تزکیۂ نفس سے اسے عقل کی پابندی میں آنا پڑتا ہے۔

برائی سے نفس کو روکنے میں ایک اور بات بھی ہے کہ جب نفس کو برائی سے روکا جائے گا تو واجبات بھی ادا کرنا پڑتے ہیں اس لئے جملہ مذاہب کے ایسے لوگ اپنے اپنے مذہب کے نقطہ نگاہ سے نیک اور متدین کہلائیں گے جو اس اصول پر عمل پیرا ہوں گے۔

اسلام میں بھی تزکیہ نفس نفس کو نقطۂ اعتدال پر لانے کا ایک مجموعہ اصول ہی مانا جاتا ہے کہ اس سے نفس کی اماریت کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے دیکھئے خود خالقِ کائنات نے فرمایا ہے۔

☆وَمَن تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ......(فاطر18)

یعنی جو پاک ہوا تو گویا یہ اس کے نفس کے لئے ہے یا یوں سمجھئے کہ جو پاک ہوا گویا نفس ہی کی وجہ سے ہوا یعنی جس نے تزکیۂ نفس کیا وہی پاک ہوا اور جو پاک ہوا اس نے تزکیہ نفس کیا فرمایا اصل وہی اللہ کی طرف سے بڑھنے والا ہے۔

شہنشاہ عالمینؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی وجہ بھی یہی بتائی گئی ہے کہ وہ انسانیت کے تزکیہ کے لئے تشریف لائے ہیں یعنی فخرِ موجودات اللہ کا نور ذات جامۂ بشری میں تزکیۂ نفس سکھانے ہی تشریف لایا ہے کہ انسانیت نقطۂ اعتدال پر تو آ جائے اور انسان کا نفس ذلت اور پستیوں کی اتھاہ گہرائیوں سے باہر تو نکل آئے ہاں جب یہ نفس واپس انسانیت میں لوٹ آیا تو گویا زیرو پوائنٹ پر آ گیا پھر اسے آگے بلندی کے راستے دکھائے جائیں گے منزل مقصود کے معارج کی طرف رہنمائی کی جائے گی۔

اسلامی تزکیہِ نفس

اسلام کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو تزکیہِ نفس کی مختصر تعریف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جسے شارع کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واجب قرار دیا ہے (وہ واجب چاہے مشروط ہوں یا غیر مشروط) اس کا بجالانا تزکیہ نفس ہے۔

کیونکہ ترکِ واجب بھی گناہ ہے اس لئے نیکی اگر نہیں کرسکتا تو نہ کرے مگر برائی بھی نہ کرے ترکِ معصیت کا نام ہے تزکیہ نفس۔

تزکیہ نفس کا آغاز تزکیۂ مال سے ہوتا ہے جس نے اپنا مال درست اور پاک کرلیا اس نے گویا ایک اہم قدم اٹھالیا ہے۔

اس کے بعد ہیں نماز پنجگانہ، ماہ مبارک کے روزے، حج بیت اللہ بہ شرط استطاعت ،زکواۃ بہ شرطِ نساب یعنی واجبات کا ادا کرنا اور محرمات کا ترک کرنا انسانیت کا نقطہ اعتدال ہے اور یہ سب کچھ قربتاً الی اللہ کرے یعنی لوجہ اللہ کرے۔

انسانیت کا نقطۂ اعتدال پر آجانا اور ایک مرکز کے ماتحت چلنے کا نام شریعت ہے اور اقالیم اربعہ میں سے پہلی اقلیمِ شریعت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اقالیمِ اربعہ کا تعین بھی شہنشاہِ کائنات تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

☆اَلشَّرِیعَۃُ اَقوَالِی وَالطَّرِیقَۃُ اَحوَالِی وَالحَقِیقَۃُ حَالِی وَالمَعرِفَۃُ اَسرَارِیِ

اور کہیں فرمایا ہے کہ☆ والمعرفة راس المالی کیونکہ دائرہ اطاعت میں انسان آجاتا ہے اپنی خواہشِ نفس کی اتباع کرنے کی بجائے شارع علیہ الصلوات والسلام کی اطاعتِ اوامر ونواہی کرتا ہے اس لئے خالقِ موجودات نے فرمایا ہے کہ

☆النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنفُسِهِمْ……(احزاب6)

کہ مومن وہی ہے جس پر شارع کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نفس سے زیادہ تصرف رکھتے ہیں جہاں بھی احکامِ نفس و شارع متصادم ہوں گے وہ حکم شارع کو اپنائے گا اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مومنین کے جملہ امور میں شارع علیہ الصلوات والسلام خود ان سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں۔

اب تزکیہ نفس سے جب انسان نقطۂ اعتدال پر آ گیا تو یہاں سے ترقی کے راستے نکلتے ہیں مگر ترقی یوں ہی نہیں ہو جاتی کچھ کرنا پڑتا ہے اس دستور العمل اور اس کے مجموعۂ اصول کا نام ہے ''محاسبہ نفس''

(2) نفسِ لوامہ

دوستو! اگر کوئی چاہے کہ زیرو پوائنٹ سے بلندی کی طرف سفر کرے اور نفس کو لطیف کر کے انسانی بلندیوں کی طرف سفر کرے تو اسے نفس کی جلا اور لطافت کے لئے ایک مجموعۂ اصول کو اپنانا پڑتا ہے یعنی یہاں سے اسے بلند کرنے کے کچھ طریقے اپنانا پڑتے ہیں کچھ اصول ہیں اور اس مجموعۂ اصول کا نام ہے ''محاسبہ نفس'' جس سے نفسِ ناطقہ اگلی سیڑھی پر چڑھنا شروع کرتا ہے۔

محاسبہ نفس

محاسبہ نفس کیا ہے؟

دوستو! جب انسان نقطہ ٔ اعتدال پر پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ اپنے نفس کو اپنے برابر کا شریک سمجھتا ہے اسے کہتا ہے کہ تو دنیا و عقبیٰ کے نفع اور نقصان میں برابر کا حصہ دار

ہے اب ذرا سارے دن کا مجھے حساب دے کہ کیا کمایا اور کیا گنوایا ہے یعنی یہاں نفس کو اپنے برابر کھڑا کر کے اس سے سارے دن کا حساب لیا جاتا ہے اس کام کے لئے خالق نے فرمایا ہے کہ اے نقطۂ اعتدال پر پہنچنے والو! یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفس اور کہیں فرمایا ہے یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَهُ وَإِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡر کہ نفوس کو خوفِ خدا دلاؤ اپنے نفس کو اللہ سے ڈراؤ کہیں فرمایا کہ تمہیں ''نفس'' اللہ سے ڈراتا ہے کہ اس کے حضور تمہیں پیش ہونا ہے۔

اس لئے تم محاسبہ نفس کرو ہر شام اپنے نفس سے سارے دن کا حساب لو ممکن ہے تم کہو کہ ہمیں کیا معلوم کہ سارا دن ہمارا نفس کیا کرتا رہا ہے۔

فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ ☆ بَلِ الۡإِنسَانُ عَلَى نَفۡسِهِ بَصِيۡرَةٌ بلکہ ہر انسان اپنے نفس سے خوب واقف ہے اسی لئے حساب کرو شام کو سونے سے پہلے سارے دن کا حساب کرو اگر حساب میں غلطیاں نظر آئیں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں

☆ كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلَى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ أَنَّهُ مَن عَمِلَ مِنكُمۡ سُوءاً بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعۡدِهِ وَأَصۡلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيۡمٌ ......(انعام54)

اللہ یعنی تمہارا پالنے والا تو بہت ہی مہربان ہے اگر حساب میں غلطی نظر آئے اور تم میں سے جس نے بوجہ جہالت کوئی گناہ کر لیا ہے تو توبہ کے دروازے تو کھلے ہیں جس نے توبہ کر لی اور پھر اپنی اصلاح کر لی کہ پھر اس معصیت کا ارتکاب نہ کرے گا اور عہد کر لیا تو اس مربی کائنات جیسا بخشنے والا اور رحمت کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

یہ نفس لاعلمی میں انسان سے بہت کچھ سرزد کروا دیتا ہے اسی لئے محاسبہ نفس کا حکم ہے اور پھر لاعلمی میں سرزد ہونے والی غلطی اگر معلوم ہو جائے تو فوراً توبہ کرو اور آئندہ

نہ کرنے کا عزم صمیم کرو یہ ہے محاسبہ نفس کا مقام۔
دوستو! جب کوئی انسان محاسبہ نفس کرتا ہے تو اس منزل پر پہنچ کر نفس کی حالت بھی بدلتی ہے اور اس میں کچھ نہ کچھ لطافت و نورانیت وملکوتیت آجاتی ہے۔
جب اس میں نورانیت اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے تو یہ نفس انسان کو افعال و اخلاق ذمیمہ یا حیوانی عادات پر ٹوکنا شروع کر دیتا ہے ہر بری بات سے جسم کو منع کرتا ہے۔ اس کی برائی سے روکنے کی ادا خالق کو بہت پسند ہے کیونکہ یہ کام تو انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ برائی سے روکیں اور نیکی کی ترغیب دیں اور جب یہ نفس جسم پر انبیاء علیہم السلام کا چارج سنبھال لیتا ہے تو اس منصب پر فائز ہونے کے بعد یعنی اپنی اس ریفائین شدہ حالت میں اسے ایک دوسرا نام دیا جاتا ہے اور اسے نفس لوامہ کہا جاتا ہے اور یہ اللہ کی محبوبیت کی طرف نفس کے لئے پہلا قدم ہے کیونکہ خالق خود فرماتا ہے
☆ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کہ مجھے نفس لوامہ کی قسم۔
حقیقت مسلمہ یہ ہے کہ قسم ہمیشہ عزیز ومحبوب و پسندیدہ چیز کی اٹھائی جاتی ہے اور خالق فرماتا ہے کہ مجھے نفس لوامہ کی قسم اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نفس لوامہ اللہ کو محبوب ہے۔

قلبِ منیب

یہ تو میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جب انسان کے نفس میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو سب سے پہلے اس کا اثر قلب پر مرتب ہوتا ہے اس طرح جب نفس برائی پر ملامت کرتا ہے تو اس کی سرزنش قلب پر اپنے اثرات مرتب کرتی ہے جس سے قلب کی

حالت بدلتی ہے اب صاف ظاہر ہے کہ قلب کی کیفیت بدلے گی اس میں خوف اِلٰہی داخل ہو جائے گا ہر وقت خدا کا خوف طاری ہوا تو قلب بھی رقیق ہو جائے گا۔

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے اس بدلی ہوئی قلبی حالت کی وجہ سے اسے دوسرے قلوب سے ایک علیحدہ نام دیا ہے اور اس کو قلب منیب کہہ کر پہچان کروائی ہے ارشاد ہے۔

☆مَنْ خَشِيَ الرَّحمَن بِالْغَيْبِ وَجَاء بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَام......(ق33)

یعنی جو اللہ کی معرفت کی وجہ سے لرز گیا اور اس کی بارگاہ قدس میں قلب منیب لے کر حاضر ہوا یعنی رجوع کرنے والا قلب لایا اور اسی کو سلامتی کی نوید دی گئی۔

ذکرِ وسوسہ

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ قلب کی فطرت ذکر ہے اور یہ ہر حال میں ذکر کرتا ہے اب اس کی حالت بدلی تو اسے ذکر اللہ کی اشد ضرورت محسوس ہوئی اسے پھر کیا تھا خوف پہلے اس پر طاری تھا اب ذات کا ذکر کرنے لگا تو قلب نے دھڑک دھڑک کر ذکر اللہ کرنا شروع کر دیا۔

کیونکہ یہ حالتِ ذکر پہلے والی حالت سے مختلف ہے اس لئے اس ذکر کا سابقہ ذکر سے مختلف نام ہونا چاہیے اسی لئے اس ذکر کو ''ذکر وسوسہ'' کہتے ہیں

محاسبہ نفس کیا ہے

دوستو! یہاں اختصار کے ساتھ یہ بھی بتا دوں کہ محاسبہ نفس کیا ہے؟ یہ تو بتا جا چکا ہے کہ اس کا حامل ہے قلبِ منیب کیونکہ محاسبہ نفس سے نفس لوامہ تعمیر ہوتا ہے۔ نفس لوامہ سے قلب منیب اثر پذیر ہوتا ہے محاسبہ نفس کی چار انواع ہیں دو مکروہ ہیں اور دو

محبوب ہیں۔

مکروہ کومہلکات کہتے ہیں اور محبوب کو منجیات کہتے ہیں آگے پھرانہی کی اقسام ہیں مہلکات کی پہلی قسم میں تو دس چیزیں ہیں

1 ...... ''غلبہ شہوت'' یعنی ضروریات حیات میں افراط

2 ...... ''غضب'' یہ تکبر کے ساتھ کئی عوامل کا ردعمل ہوتا ہے

3 ...... ''کبر'' (غرور) اس کی کئی اقسام ہیں

4 ...... ''عجب'' اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھنا یا اپنی کسی اچھی چیز پر غرور کرنا

5 ...... ''ریا'' (دکھاوا) دکھاوے کے لئے اعمال صالحہ کرنا

6 ...... ''حسد'' کسی کی کوئی اچھی چیز دیکھ کر جلنا

7 ...... ''حرصِ غذا'' بھوک سے زیادہ کھانا چاہے حلال ہی کا کیوں نہ ہو نقصان دہ ہے

8 ...... ''بخل'' (کنجوسی) یہ مانع واجبات وحقوق اللہ اور حقوق العباد ہے

9 ...... ''حبِ مال'' مال کو مال اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی طرف بہت زیادہ مائل کرتا ہے

10 ...... ''حبِ جاہ'' یعنی یہ سوچنا کہ میں قوم کا سردار بنوں میرا نام ہو، شہرت ہو، لوگ عزت کریں، قیادت ملے، وقار حاصل ہو۔

یہ دس چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں اس لئے انہیں مہلکات کہا گیا ہے ان سے بچنا لازم ہے

مکروہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ تفصیل وار اپنے جسم کے ہر عضو پر غور کرنا کہ آج اس

سے احکام الٰہی کے خلاف کیا کیا سرزد ہوا ہے۔

محبوب کی پہلی قسم میں دس چیزیں ہیں جنہیں منجیات کہا جاتا ہے

منجیات

1...... گناہ پر ندامت یعنی احساس گناہ ہو جائے اور توبہ تک نوبت آجائے

2...... بلا و مصیبت و آلام پر صبر کرنا

ایک کلیہ ہے کہ جزو پر کوئی مصیبت یا تکلیف وارد نہیں کی جاتی مگر وہ کل کے لئے مفید ہوتی ہے اس لئے ہر مصیبت بذات خود ایک نعمت ہوتی ہے۔

3...... ''رضا بر قضا'' مالک کے کئے پر راضی رہنا چاہے دکھ دے، چاہے سکھ دے، بھوک دے، پیاس دے، آرام دے، تکلیف دے ہر حال میں راضی رہنا حکیمِ مطلق کے ہر حکم میں حکمت سمجھے اور ہر بازی پر راضی رہے۔

4...... شکر نعمت

اس کی بہت سی اقسام ہیں اول جو نعماتِ ظاہری عطا ہوں ان کا شکر کرے، عطا کردہ اشیاء کا درست استعمال بھی شکر ہے مثلاً اللہ عزوجل ایک لاکھ روپے عطا فرمائے تو صرف شکریہ کہہ دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے صحیح مصرف وخرچ سے ہی یہ شکر شمار ہوگا اور اگر یہ عطا کردہ رقم غلط مقام پر خرچ ہوئی تو یہ گویا انسان کے لئے ارتکاب کفران نعمت شمار ہوگا۔

دینے والے ہاتھ کو پہچاننا یعنی وسائل کے در پردہ کس ذات کا دست مبارک ہے جو عطا کر رہا ہے یہ بھی شکریہ کی جز ہے۔

یہ بھی ہے کہ جس نے خلق کا شکریہ ادانہیں کیا گویا اس نے خالق کا شکریہ بھی ادانہیں کیا اس لئے جو عطائے اِلٰہی کا وسیلہ بنے اس کا شکر بھی واجب ہے۔

5......خوف ورجاء کا اعتدال

اگر خوف بڑھے گا تو قنوطیت آجائے گی حالانکہ فرمان ہے کہ لا تقنطو من رحمة الله یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے اور اگر رجا بڑھ گیا تو اعمال واخلاق بگڑ جائیں گے معصیت کی اہمیت کم ہو جائے گی۔

6......زہد فی الدنیا

یعنی مطمع حیات دنیا نہ ہو کیونکہ فرمان ہے کہ ''اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَ طَالِبُھَا کَلَابٌ '' یعنی دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔

7......خلوص اعمال

کہ جو بھی عمل کرو صرف خالق کی خوشنودی ہی مطلوب ہو یہ نہ ہو کہ مالک کے ساتھ مخلوق کو خوش کرنے کی کوشش کی جائے ایک تیر سے دو شکار یہاں نہیں ہو سکتے مالک خیرالشریک ہے وہ اپنے حصہ سے دست بردار ہو جاتا ہے یعنی عبادات میں لالچ شامل نہ ہو کیونکہ لالچ لالچ ہے چاہے جنت ہی کا کیوں نہ ہو اغراض منافی خلوص ہیں

زاہد کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبٰی بھی چھوڑ دے

8......حسن خلق

یعنی دوست دشمن سے اچھی طرح پیش آئے رواداری، رکھ رکھاؤ، آداب وروایات حسنہ کی پابندی۔

9......خوفِ خدا

تنہائی میں سمیع البصیر ذاتِ اقدس کا حیا محسوس کرتے ہوئے استطاعت کے باوجود بھی گناہ سے باز رہنا

10......وفا

یعنی مالک سے عہدِ محبت کو مسلسل استوار رکھنا

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

محبوب کی دوسری قسم بھی اعضاء و جوارح سے متعلق ہے کہ ان پر غور کرنا کہ آج کس عضو سے نیک کام ہوا ہے پھر ہر نیکی کا شکر ادا کرنا۔

یہ تو تھیں محاسبہ نفس کی شاخیں اب دیکھئے محاسبہ کی افادیت کیا ہوتی ہے محاسبہ نفس سے نفس میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے، مادی کثافت آہستہ آہستہ ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے، نفس اپنا محاسبہ کرنا خود شروع کر دیتا ہے پہلے انسان نفس کو ٹوکتا تھا اب مقام محاسبہ نفس پہ پہنچ کر نفس بھی انسان سے حساب لینا شروع کر دیتا ہے اخلاق ذمیمہ حیوانیہ پر یہ خود انسان کو ٹوکتا ہے اور اخلاق حسنہ کی اندر سے تحریک ہونا شروع ہو جاتی ہے خود نفس انسان کو ہر معصیت پر ملام کرتا ہے، خود ہدایت کا چارج سنبھال لیتا ہے کیونکہ برائی سے انسان کو روکنا یا برائی پہ ملام کرنا اصل کام تو انبیاء علیہم السلام کا ہے جب یہ عہدہ نفس سنبھال کر ایک انسان کی ہدایت کرنا شروع کر دیتا ہے تو اس نفس کی سرزنش بھی خالق کو بہت پسند ہے، بہت عزیز ہے کہ چاہے حکومت کی ہی غرض سے کیوں نہ ہو برائی سے تو روک رہا ہے اور اللہ کو یہ ادا بھی اتنی پسند آئی کہ فرمایا

☆ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ......(سورہ قیامت 2)

کہ مجھے ملامت کرنے والے نفس کی قسم کہ جو برائی پہ ملامت کرتا ہے قسم ہمیشہ عزیز چیز کی اٹھائی جاتی ہے تو اللہ نے نفس لوامہ کی قسم اٹھا کر بتایا کہ مجھے یہ کتنا عزیز ہے

☆وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى......(سورہ والنزعت)

ہاں جو خوف خدا کی حدود میں داخل ہوا اور نفس کو ہوس کی پیروی سے روکا اور اس منزل پر پہنچا وہی ہے نفس لوامہ کیونکہ خوف خدا پیدا ہوا ہے اس خوف سے آلہ ادراک حقائق قلب میں بھی تغیر حسن پیدا ہوگا تو اس تغیر زدہ قلب کو خالق نے قلب منیب کا نام دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے کہ

☆مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَن بِالْغَيْبِ وَجَاء بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَام......(ق33)

ہاں سلامتی میں آ گیا وہ کہ رجوع کرنے والا قلب اسے حاصل ہوگیا اور یہ قلب منیب میں منیبیت خشیۃ اللہ سے پیدا ہوئی ہے اقالیم اربعہ میں اس کا تعین جب کیا جاتا ہے تو اس مقام کو ''مقام طریقت'' کہا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ والطریقة احوالی

یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ عربی میں خوف کے لئے کئی الفاظ ہیں مگر سبھی کے معانی دراصل خوف کی مختلف اقسام کے ہیں ''خوف'' خود عربی کا لفظ ہے ''انذار'' ڈرانا یہ بھی استعمال ہوتا ہے ''خشیۃ'' یہ بھی استعمال ہوتا ہے مترجمین سبھی کے معنی ڈرانا ہی کے لیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

کیونکہ ایک خوف ہے امکانِ ضرر کا یعنی نقصان کے خطرے کا جیسے ایک آدمی سانپ کو ڈر کے مارے ہاتھ نہیں لگاتا، ایک خوف ہے جس کے معنی حیا کے ہیں، ایک خوف کے معنی ہیں معرفت کرانے کے یعنی رعب وعظمت کا لفظ خوف احتمالِ نقصان وضرر

کے لئے وارد ہوتا ہے جیسے بارہا کلام مجید میں وارد ہوا ہے کہیں جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ''لا تخف'' اے کلیم اللہ خائف نہ ہو احتمال ضرر نہیں ہے ''لا خوف علیهم'' کہ مومنین پر احتمال ضرر کو ختم کر دیا جائے گا پھر ہے لفظ ''انذار'' یہ اظہار رعب و ہیبت کے لئے وارد ہوتا ہے جیسے ذات باری نے اپنے محبوب سے فرمایا کہ انت منذر ولکل قوم هاد کہ آپ تو رعب و ہیبت کا اظہار کرنے والے ہیں پھر لفظ ہے ''خشیه'' تو یہ خوف خدا یعنی حیا کے معنی میں ہے جیسے خالق نے فرمایا ہے

☆ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

کہ علماء کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ اپنے خالق کا حیا کرتے ہیں۔

خوف کے جو جملہ معنی ہیں ان کا معیار معرفت سے مقرر ہوتا ہے مثلاً کسی نے سانپ کو دیکھا اگر یہ معرفت نہ ہوئی کہ یہ ضرر رساں ہے تو پھر خوف طاری نہ ہوگا جیسے ایک بچے کو یہ شعور نہیں ہوتا اس لئے وہ اس سے کھیلتا ہے کیونکہ عرفان نہیں اسی طرح جنت اور دوزخ کا عرفان ہی خوف دلا سکتا ہے۔

پھر تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''نذیر'' ہونا یعنی ڈرانے والا تو اس کا مطلب ہے عرفان توحید کرانے والا کہ جب اللہ کا عرفان ہوگا تو اس کا رعب و ہیبت طاری ہو کر معصیت سے باز رکھے گا۔

عرفان توحید کی ایک منزل یہ ہے کہ محبت اور عشق پیدا ہو جائے تو انسان احساس کرتا ہے کہ یہ رشتہ الفت منقطع نہ ہو تو اس محبت کے رشتے کی وجہ سے انسان تنہائی میں بھی حیا کرتا ہے یہی خشیۃ اللہ ہے اور اللہ نے فرمایا ہے کہ

☆ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ......(ق 33)

قلب منیب کی صفت یہ ہے کہ وہ غائبانہ طور پر خالق کا حیا کرتا ہے اور یہی سلامتی کا دروازہ ہے اور اس منزل پر قلب ذکر اللہ کرتا ہے اور اس ذکر قلبی کا نام ہے ''وسوسہ'' کہ "ذکر القلب و سوسة" اور وسوسہ یہ ہے کہ جیسے محبوب کی یاد میں دل دھڑکتا ہے محبوب کی آمد کا سن کر ایک سرور پورے جسم پر طاری ہو جاتا ہے بہ دل وجان۔ اس ذکر سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے اس منزل پر جب انسان پہنچتا ہے تو سامنے ایک اور منزل ہوتی ہے وہاں تک جانے کے چند اصول ہیں اس مجموعہ اصول کا نام ہے ''مجاہدہ نفس'' یہ مقام انتہائی مشکل مقام ہے جہاد بالنفس کا مرحلہ انتہائی مشکل ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔

مجاہدہِ نفس

اب جہاد شروع ہوا بڑا خطرناک مقام ہے انسان اس میدان آتش فشاں سے اگر گزر گیا تو یہ جہاد بالنفس اسے ایک اور منزل پر پہنچا دے گا اس جہاد کی وجہ سے نفس میں پہلے سے زیادہ لطافت آجائے گی کثافت نام کو باقی نہ رہے گی اتصال انوار کی قوت پیدا ہونا شروع ہو جائے گی چہرے کی آنکھوں کے ساتھ دل کی آنکھیں بھی کام کرنا شروع کر دیں گی جذب وقبض کی کیفیت پیدا ہونا شروع ہو جائے گی۔

اس مقام پر کیونکہ جسم بھی نفس کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے اس لئے اس منزل پہ نفس کے ساتھ جسم کو ایک مقام اعلیٰ ملتا ہے آپ نے دیکھا تھا کہ سابقہ منزل پر اللہ جل جلالہ نے صرف نفس لوامہ کی قسم کھائی تھی صاحبِ نفس کی نہیں مگر یہاں خالق فرماتا ہے۔ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا تسویہ سے ہے یعنی مساوی کرنا مجاہدہ اپنے برابر والے سے کیا

جاتا ہے (چاہے فتح وشکست تک نوبت ہی نہ پہنچے) فرمایا کہ مجھے اس نفس کی اور اسے برابر کرنے والے کی قسم ہے پھر فرمایا فَـأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا اور قسم ہے اسے الہام کرنے والے کی کہ جس نے اسے فجور وتقویٰ میں حدِ فاصل بتا دی ہے

مجاہدہ ءنفس کا دائرہ تزکیہ ءنفس سے بھی تنگ ہے یہاں نفس سے جنگ کرنا پڑتی ہے یعنی جہاد بالنفس ہے یہاں ایثار قربانی اور تواضع کی اہمیت بڑھ جاتی ہے تزکیہ ءنفس میں تو یہ تھا کہ ذرائع آمدنی عقلاً مذموم نہ ہوں پھر اس آمدنی سے جیسا بھی چاہے کھاؤ ، پیو، پہنو مگر یہاں خود بھوکا رہ کر دوسرے کو کھلانا ،خود برہنہ رہ کر دوسرے کو پہنانا ،خود پیاسہ رہ کر دوسرے کو پلانا پڑتا ہے حلال کی کمائی سے بھی عیش جائز نہیں ہے یعنی تزکیہ ءنفس کے بعد نفس چاہتا ہے کہ چلو مالِ حلال ہی سہی مگر تکمیلِ خواہشات تو ہے لیکن مجاہدہ ءنفس یہ ہے کہ نفس کی ہر خواہش کو رد کر دینا ،نفس کی ایک نہ ماننا ،اس کی خواہشات کو ٹھکرا دینا اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک نفس ہتھیار نہیں ڈالتا انسان مصروفِ پیکار رہتا ہے اس منزل کو مجاہدءنفس کہتے ہیں یہ بڑی سخت اور کٹھن منزل ہے۔

یہ منزل ایسی ہے کہ نہ یہاں نفس جیت سکتا ہے نہ ہی انسان بلکہ ایک جنگ جاری رہتی ہے کیونکہ انسان جنگ برابر کر کے یہاں تک آتا ہے اس لئے ''وَمَا سَوَّاهَا '' کا لفظ آیا ہے مگر جب ''فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا'' کی منزل آتی ہے تو نفس اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہے اور وہ قوانینِ خالق اور اصولِ روحانیت کو درست مان لیتا ہے جب نفس یہ قوانین درست مان لیتا ہے تو مزید ریفائین ہو جاتا ہے اور نفس کی اس ریفائین شدہ حالت کو اللہ نے ''نفس ملھمه '' کا نام عطا فرمایا ہے یہاں اس پر

الہام کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نفس خود انسان کے قدموں پہ جھکنا شروع کر دیتا ہے یہاں دل کی آنکھیں ہر بات دکھا دیتی ہیں اور بصیرتِ قلب میں اضافہ ہو جاتا ہے جب یہاں تک بات پہنچتی ہے تو نفس کی اس کیفیت کا اثر فوراً قلب پر مرتب ہوتا ہے اس کی حالت بھی بدل جاتی ہے تو اللہ قلب کی اس بدلی ہوئی حالت کو دیکھ کر اسے علیحدہ نام عطا فرماتا ہے اسے ''قلبِ شہید'' کا نام عطا فرماتا ہے۔

قلبِ شہید

یہ وہ منزل ہے کہ نفس سے جنگ جاری ہے ہار جیت کا فیصلہ نہیں ہوا مگر اس جنگ میں انسان کو بہت سا مالِ غنیمت ملتا ہے جو باطنی قوتوں کا خزانہ ہوتا ہے سب سے پہلے اسے جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ ہے ''قلبِ شہید'' یعنی وہ قلب ملتا ہے کہ جو حاملِ مشاہدہ ہوتا ہے شاہد اور شہید میں بھی فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے پچاسویں سورہ ق میں فرمایا ہے

☆إِنَّ فِیْ ذَلِكَ لَذِکْرَی لِمَن کَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ......(ق37)

یعنی اس میں ایک خاص بات ہے کہ جسے قلبِ شہید کا حصول ہوا اور اسے سماعت القاء ہوئی ہے یعنی ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سماعت القاء ہوتی ہے کیونکہ اب یہ سراپا محبوب خالق ہے جیسے حدیث قدسی کا ایک فقرہ ہے

☆حَتَّی اَحبَبتُهُ فَاِذَا اَحبَبتُهُ کُنتُ سَمعُهُ الَّذِیِ یَسمَعُ بِهِ وَ بَصَرُهُ الَّذِیِ یَبصُرُبِهِ

یعنی تا اینکہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جسے میں اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پھر میں

اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں کہ جس سے وہ دیکھتا ہے تا اینکہ فرمایا

☆فَبِي يَسمَعُ وَ بِي يَبصُرُ وَ بِي يَبطَشُ وَ بِي يَنطِقُ وَ بِي يَمشِي

یعنی وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے پکڑتا ہے، مجھ سے بولتا ہے، مجھ سے چلتا ہے۔ القائے سماعت اور قلب شہید گویا لازم وملزوم ہیں اس سے ثابت ہوا کہ قلب شہید کا لازمہ ہے ''رفع حجاب''یعنی آنکھوں سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اخبارِغیب اور غیبِ خلق کا وہ مشاہدہ کرتا ہے☆انك فی ذالك لذكری سے ثابت ہے کہ یہاں ذکر سے مراد مشاہدہ ہے کیونکہ ذکر سے مراد صرف زبان سے یاد کرنا نہیں ہے بلکہ ارتکاز توجہ کا نام ہے ذکر جیسے فرمان ہے کہ فاذكر الله كثيراً اللہ کو بہت کثرت سے یاد کرو گویا صرف یا اللہ ہی نہیں کہنا بلکہ افعال میں بھی اس کی خوشنودی کو سامنے رکھو جملہ امور کا محرک وہی ہو اگر ذکر سے مراد صرف زبانی جاپ ہو تو پھر فاذكرونی اذكركم کا کیا ترجمہ ہوگا کہ تم اللہ کو یاد کرو زبان سے اور وہ تمہیں یاد کرے زبان سے کیا اللہ مخلوق کا ذکر جاپ سے کرتا ہے؟ تو ثابت ہوا کہ اصل ذکر ہے ارتکازِ توجہ۔ توجہ ہو اور زبان اگر نہ بھی چل رہی ہو تو تب بھی ذکر شمار ہوتا ہے اسی لئے فرمان ہے کہ الذكر الروح مشاهدة کہ روح کا ذکر مشاہدہ ہے دوست کے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھنا اور توجہ کو اس کی جانب مرتکز رکھنا یہ بھی ذکر ہی ہے مگر ذکرِ مشاہدہ ہے۔

یہ بھی ہے کہ جب مشاہدہ ہوگا تو آنکھوں سے نہیں قلب کی آنکھوں سے کیونکہ جب قلب کو آنکھیں مل گئیں تو نام ہوا قلب شہید اور مالک حقیقی فرماتا ہے کہ ان فی

ذالك لذکری کہ اس قلب میں ایک ذکر موجود ہے اور اسی کا نام ہے مقامِ حقیقت کہ نور قدیم الاصل نے فرمایا کہ والحقیقة حالی یہاں موجوادات کی حقیقت کھل جاتی ہے حقائق اشیاء سامنے آجاتے ہیں، راز ہائے حق منکشف ہو جاتے ہیں، نفس کی کشمکش ختم ہو جاتی ہے، یہ قدموں میں جھک جاتا ہے، جنگ کا فیصلہ ہو جاتا ہے نفس نے گویا ہتھیار ڈال دیئے بڑی قیامت خیز جنگ کے بعد کچھ سکون ہوا مگر کب ☆لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّی تُنفِقُون کہ جب تک اپنی سب سے پیاری چیز قربان نہ کی جائے یہ منزل حاصل نہیں ہوتی یہ ہے تسخیر نفس کی منزل مگر یہ آخری منزل نہیں کیونکہ اس منزل تک مسلسل ہیجان، طوفان، مدوجزر موجود ہیں خیالات، وساوس، مانعات ،خطرات ساتھ ساتھ رہے ہیں مگر اس سے اگلی منزل بہت بڑی منزل ہے اہم منزل ہے جہاں جملہ ہیجان دم توڑ دیتے ہیں اس کے بعد جو منزل ہے وہ ہے قتل نفس کی منزل۔

اس منزل کے بیان سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ نے اس آیت میں واضح فرمایا ہے کہ یہاں قلب کو بصیرت کے ساتھ ساعت بھی مل جاتی ہے یعنی انسان قلب کی آنکھوں سے دیکھتا بھی ہے اور قلب کے کانوں سے سنتا بھی ہے اس میں جملہ حواس خمسہ کی قوتیں ڈال دی جاتی ہیں اسی مقام کی طرف ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ

☆اِتَّقُوا بِفَرَاسَتِ المُومِنُ وَ هُوَ يَنظُرُ بِنُورِ رَبِّهِ

یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے تمہارے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں آکر ''تسخیرِ نفس'' حاصل ہوتی ہے نفس قدموں میں

جھک جاتا ہے۔

تسخیرِ نفس طالبانِ دنیا کی آخری منزل ہے اور طالبانِ مولیٰ کی یہ آخری منزل نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ایک اہم منزل ہے جہاں آکر جملہ ہیجان ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ اب تک جتنی منازل آئی ہیں ہیجان نفس ساتھ ساتھ آیا تھا مگر یہاں تو آنے والی منزل ایسی ہے جہاں ہیجان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ مجاہدہ نفس سے قتل نفس تک ایک لمبا میدان ہے اس میں ایک جنگ ہوتی ہے اس میں نفس تسخیر ہو جاتا ہے اس کے بعد اسے قتل کیا جاتا ہے مگر یہ سارا عمل ایک طرح سے مجاہدہ نفس ہی کا حصہ ہوتا ہے یعنی انسان کا عمل تو مجاہدہ ہوتا ہے اور نفس کبھی زخمی حریف کی طرح لڑتا ہے، کبھی نڈھال ہو کر گر جاتا ہے اور کبھی نیل ڈاؤن ہو جاتا ہے اور آخر میں مرد مجاہد اسے قتل کر کے ''اطمینان قلب'' کے مقام پہ آتا ہے اور یہ اطمینان قلب کے علاوہ ایک اعلیٰ مقام ہے یہاں نفس لطیف سے الطف ہو جاتا ہے نفسانیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے روحانیت کے جذب وقبض کی کامل استعداد پیدا ہو جاتی ہے اس منزل پر نفس کی جو کیفیت ہوتی ہے اسے خالق کائنات اپنے لب و لہجے میں اس طرح بیان فرماتا ہے

☆يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ......(فجر28)

اے نفس مطمئنہ اب وقت ہے کہ تو اپنے رب کی طرف رجعت کر لے کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی کہ رضائے الٰہی کا حصول قریب تر ہے اس منزل پر جب نفس آتا ہے تو یہ اس کی آخری منزل ہے اس سے آگے نفس کی کوئی منزل نہیں ہے نفس کی حد یہاں پر ختم ہو جاتی ہے آگے روح کے منازل ہیں مگر انسان کو یہ آخری منزل نہیں

سمجھنا چاہیے کیونکہ اس کے بعد اتصال روح و جسم کی منزل ہے مگر نفس مطمئنہ کی منزل پر آ کر جو نقوش و اثرات قلب پر مرتب ہوتے ہیں اس سے اس کی کیفیت بھی بدل جاتی ہے اس لئے اس قلبی کیفیت کو دیکھ کر خالق نے اسے قلب سلیم کا نام دیا ہے اور فرمایا ہے کہ

☆يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ( ) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ...... (شعراء 89)

نہ مال نفع بخش ہے نہ اولاد ہاں منافع میں وہی ہے جو بارگاہ رالعزت میں قلبِ سلیم لایا ہے۔

یہاں مال اور اولاد کا ذکر قابل غور ہے کیونکہ دنیا میں مال اور اولاد کو ترک کرنا آسان ہے مگر خواہشات نفس کو "سلیمیت" کے ساتھ چھوڑنا انتہائی مشکل کام ہے بعض لوگوں نے جانی مالی اور اولاد کی قربانیاں دی مگر اس مقام کو نہیں پایا کیونکہ اس مقام کے حصول کے لئے مال اور اولاد کی قربانیاں اور ان کا ترک کرنا ناکافی ہے بلکہ یہاں خواہشاتِ نفس کو ترک کرنا بھی ہے اس میں سلیمیت بھی ہو۔

ایک مرتبہ ہم اپنے مرشد پاک دام ظلہ تعالیٰ و دامت برکاتہ کی بزم قدسی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ کمال ترک کا کونسا مرحلہ سب سے زیادہ مشکل ہے؟ میں نے ان کے کرم سے ان کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ترک میں سلیمیت کا لانا مشکل ترین کام ہے یعنی تعمیل حکم میں انسان ہر پسندیدہ چیز کو چھوڑ دیتا ہے مگر اس کے دل میں ایک ناگوار تنگی ضرور محسوس ہوتی ہے یعنی دل میں ایک گھٹن کا احساس ہوتا ہے لیکن جب اس سے بہتر حالت ہوتی ہے تو انسان کو پسندیدہ چیز کے ترک کرنے پر گھٹن اور ضیق صدر کا احساس نہیں ہوتا لیکن اس پر خوشی بھی نہیں ہوتی اور سلیمیت یہ

ہے کہ پسندیدہ چیز کو حکم کی تعمیل میں یا راہ محبوب میں ترک کرنے سے خوشی ہوتی ہے۔
پہلی صورت جو ہے وہ روحانی طور پر طفولیت کی علامت ہوتی ہے جیسے کسی بچے کا دل ہو کہ وہ کوئی کام کرے مگر والدین روک دیں تو وہ کام کرتا تو نہیں مگر اس کا ترک کرنا اس کے دل پر بوجھ بن جاتا ہے۔
جب شعور مزید کامل ہوتا ہے تو انسان والدین کے مشورے پر عمل کرتا ہے تو اسے نہ کوئی غم ہوتا ہے نہ خوشی۔
اور سلیمیت اس طرح ہوتی ہے کہ جیسے کوئی آدمی کسی کاروبار میں مسلسل نقصان اٹھا رہا ہو پھر وہ کوئی اہم قدم اٹھانا چاہتا ہو اور اس وقت اسے کوئی محبوب دوست مشورہ دے کہ بھائی یہ کام اگر اس طرح کر لو تو منافع لاکھوں گنا بڑھ جائے گا تو ایسے مشورے پر جیسے انسان کو خوشی ہوتی ہے اسی طرح خواہشات نفس کے ترک پر خوشی ہوتی ہے اور اسی کا نام ''سلیمیت'' ہے
یہی قلبِ سلیم کا جو مقام ہے مقامِ خلت بھی ہے اسی لئے خلیل الرحمٰن جناب ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ اذجاء ربه بقلب سلیم وہ اللہ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ قلب سلیم کے حامل تھے۔
نفس مطمئنہ کو جو قلب حاصل ہوتا ہے اس کا نام قلبِ سلیم ہوتا ہے اور وہ قلب بھی ایک مخصوص ذکر کا حامل ہوتا ہے جو سابقہ اذکار سے مختلف ہوتا ہے اسے ''ذکر معائنہ'' کہا جاتا ہے مقام معائنہ پہ پہنچ کر نفس فنا ہو جاتا ہے یہی قتل نفس کا مقام ہے کہ اس کے بعد مقام روح ہے کہ جہاں جسم کا اتصال براہ راست روح سے ہو جاتا ہے وہاں قلبی کیفیات کا کوئی دخل نہیں۔

اتصالِ روح و بدن کے مقام پہ جو ذکر ہوتا ہے اسے ''ذکر مغائبہ'' کہا جاتا ہے اہل تصوف کا مقامِ فنا نفسِ مطمئنہ کا مقام ہے اور مقامِ بقا اتصال روح و بدن کا مقام ہے اسی لئے فرامین میں آیا ہے کہ

☆ذِکرُ اللِّسَانِ لَقلَقَةٌ وَ ذِکرُ القَلبِ وَسوَسَةٌ وَ ذِکرُ الرُّوحِ مُشَاهِدَةٌ وَ ذِکرُ السِّرّ مُعَائِنَةٌ وَ ذِکرُ الخَفِّی مُغَائِبَةٌ۔

کہ ذکرِ قلب مختوم صرف زبانی لقلقہ یا بک بک ہے اور ذکر قلبِ منیب وسوسہ ہے جیسے انسان محبوب کا ذکر کرتا ہے تو زبان کے ساتھ دل بھی دھڑک رہا ہوتا ہے۔

قلب شہید روحانی قلب ہوتا ہے اس لئے یہاں ذکرِ مشاہدہ ہوتا ہے گویا محبوب کا غائبانہ ذکر نہیں ہوتا بلکہ اسے ایک طرح سے دیکھا جا رہا ہوتا ہے اور یہاں رخِ محبوب کی زیارت ہی ذکر کا مقام لے لیتی ہے۔

اور قلبِ سلیم کا ذکر ایک رازِ الٰہی ہے اس لئے اس کا ذکر ذکرِ معائنہ ہے اسے یوں سمجھیں کہ اس سے پہلی منزل پہ محبوب کو صرف دیکھا جا رہا تھا یہاں اس سے شرف ہمکلامی بھی حاصل ہوتا ہے اور یہاں اس کے کلام کو سننا اور خود خاموش رہنا ہی عبادت و ذکر ہوتا ہے۔

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 9

مقاتلہِ نفس

دوستو! اگرچہ اس کا نام علیحدہ لکھا جاتا ہے مگر مقاتلہِ نفس دراصل مجاہدہِ نفس ہی ہے مگر اسے علیحدہ لکھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ یہ مجاہدہِ نفس کی آخری منزل ہے اور اس کے لئے خالقِ کائنات نے فرمایا ہے

☆فَتُوبُواْ إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ ......(بقرہ54)

کہ اس منزل پر پہنچنے کے لئے پہلے توبہ ہے یہاں توبہ لغوی معنی میں ہے لفظ الیٰ بتا رہا ہے کہ یہاں گناہ سے توبہ نہیں ہے بلکہ تاب توبوا وغیرہ واپس آنے یا لوٹنے کے معنی میں آیا ہے اور توبہ کے مرادی معنی بھی اسی سے مراد لئے گئے ہیں کہ اخلاق کی حدود میں واپس آنا، دین و مذہب پر واپس لوٹنا، برائی سے نیکی کی طرف رجعت کا نام ہے توبہ۔ یہاں فرمان ہے کہ ''توبوٗ'' بمعنی رجعت کے سمجھ لیں۔

☆فاقتلوا انفسکم کہ تم قتل کروا اپنے نفسوں کو یہاں قتل نفس کا حکم ہے نہ کہ خودکشی کا۔

خودکشی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

☆ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُم فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَاراً

کہ خودکشی کرنے والا آتشِ جہنم میں جھونکا جائے گا دوسری طرف حکم ہے کہ

☆فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ......(بقرہ54)

تو کیا یہ آیات ایک دوسرے کی نقیض ہیں کہ ایک طرف قتلِ نفس کا حکم ہے دوسری طرف قتلِ نفس کی سزا جہنم ہے حقیقت یہ ہے کہ یہاں نفس بہ معنی جان نہیں بلکہ اس نفس کے قتل کا حکم ہے کہ جو توبہ اور تزکیات اور ارتکاز سے قتل ہوتا ہے اسی منزل کو قتل نفس کا نام دیا جاتا ہے قتلِ نفس کی منزل پہ آتے ہی اطمینان کا حصول ہوتا ہے یہاں اطمینان ہی اطمینان ہے نفس لطیف سے الطف ہوجاتا ہے اس کی نفسیانیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے روح کے ساتھ اتصال کی قوت پیدا ہوجاتی ہے جسم نفس کا مظہر بن جاتا ہے نفس روح کے صفات کا حامل ہوجاتا ہے اتصالِ روح کی استعدادِ کاملہ پیدا ہوجاتی ہے نفس کی اس کیفیت کو دیکھ کر اسے قدرت اپنے لب و لہجے میں یوں خطاب فرماتی ہے۔

☆يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ......(فجر28)

کہ او! نفس مطمئنہ اب وقت ہے کہ تو اپنے رب کی طرف رجعت کر لے یعنی یہ حکم ہے☆ فتوبوا الی بارئکم کہ اپنے مربی کی طرف واپس آ جا۔ اس کا ردِعمل کیا ہو گا راضية مرضيه کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ گویا ہیجان ختم کر کے اطمینان دلایا جا رہا ہے☆ فاقتلوا انفسکم کہ اب نفس کو قتل کر دے کہ اس کی نفسانیت نہ رہے اور روح سے اس کا اتصال ہوجائے۔ اطمینانِ نفس کی منزل پر دل پر جو نقوش و کیفیات مرتب ہوتے ہیں تاجدارِ کربلا علیہ الصلوات والسلام کے شعر میں اس کا بھرپور اظہار ہے۔

تَـرَكـتُ الـخَـلقَ طُرّاً فِی هَوَاكَ
وَ اَیتَمـتُ الـعَیَـالَ لِکَی اَرَاكَ

کہ انسان اس وقت پوری کائنات سے بے نیاز ہوکر اپنے محبوب کی طرف پرواز کرتا ہے اور بے خودی میں اپنے بچوں کی یتیمی اور مستورات کی بیکسی تک کوئی بھی چیز مانعِ عشق نہیں رہتی اور یقین ہو چکا ہوتا ہے

☆یَوۡمَ لَا یَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ () إِلَّا مَنۡ أَتَی اللَّهَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ......(شعراء89)

کہ نہ اولاد اور نہ مال نفع دے سکتا ہے مگر وہی نفع میں ہے کہ جو بارگاہِ اقدس میں قلبِ سلیم لے کر آیا ہے یہ ''مقامِ خلت'' ہے اس مقام پر قلب کی الطف کیفیت کو ایک علیحدہ قسم قرار دے کر خالق نے اسے قلبِ سلیم کا نام عطا فرمایا ہے اور یہ قلبِ سلیم قتلِ نفس کی منزل پر حاصل ہوتا ہے اور یہی ''مقامِ خلت'' ہے خلیل الرحمٰن جناب ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے إِذۡ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ کہ وہ تو اللہ کے پاس قلبِ سلیم لائے

یہاں نفس کی نفسیانیت فنا ہو جاتی ہے اسی کو اہلِ تصوف ''مقامِ فنا'' کہتے ہیں۔

یہاں بھی قلب ذکرِ محبوب سے غافل نہیں ہوتا یہاں ذکرِ معائنہ ہوتا ہے، شرم ہمکلامی حاصل ہوتا ہے کیونکہ فرمان ہے وذکر السر معائنة کہ یہ ذکر پوشیدہ ذکر ہے قتلِ نفس کی منزل مقامِ فنا ہے یہ نفس کی آخری منزل ہے اس کے بعد ہے مقامِ بقاء کہ مقام اتصالِ روح ونفس مع الجسم ہے یعنی روح وبدن کے اتصال کا نام ہے ''مقامِ بقاء'' کہ انسان بمعہ ارکانِ ثلاثہ باقی ہوگیا بقاء حاصل کر گیا۔

واضح رہے کہ نفسِ مطمئنہ آخری منزل نہیں ہے اس سے اگلا راستہ ہے ترجعی الی

ربك کہ رجوع کر اپنے رب کی طرف یعنی پرواز کر قطرے کی طرح کہ جو سمندر کی طرف بڑھتا ہے اس پرواز میں تسلیم و رضا کی منزل ہے کہ امامِ مظلوم علیہ الصلوات والسلام کے آخری فقرے نے اس کے چاروں پہلو روشن کر دیئے ہیں وہ فرماتے ہیں

☆ رِضاً بِقَضَائِكَ وَ تَسلِیماً لِاَمرِكَ

کہ ہر دکھ محبوب کا تحفہ ہے کیسے رد کیا جا سکتا ہے اس نے اچھا سمجھا ہے تبھی تو بھیجا ہے اس کے بعد ہے عبودیت کی منزل فادخلی فی عبادی کہ اس پرواز کا حاصل یہ ہے کہ عباد اللہ میں شامل کیا جائے گا اور اس کی جزا جنت ہے وادخلی جنتی کیونکہ جنت بھی آخری منزل نہیں ہے اس لئے اطمینانِ نفس بھی آخری منزل نہیں ہے

اس منزل پہ بغیر اسلام کے پہنچنا محال ہے کہ عام انسان کے لئے نفس کشی کے بعد زندہ رہنا محال ہے کیونکہ یہ نفس ہی تو ہے کہ جو روح و بدن کے مابین رابطہ ہے اور نفس کی موت ہی جنرل انسان کی موت ہے کیونکہ ہر ذی روح میں اس کی موجودگی مسلم ہے جانور کی موت بھی روح و بدن کا افتراق ہے اور نفس کا رشتہ ٹوٹ جانا ہی ان کی موت ہے اور کافر کو یا غیر مسلم کو بھی خالق نے جانور سے مثال دی ہے ''کالانعام'' کہہ کر فرمایا ہے کہ یہ جانور کی طرح زندہ ہیں فرق اتنا ہے کہ جانوروں میں تزکیۂ نفس اور تسخیر نفس وغیرہ کی صلاحیت موجود نہیں ہے اور انسان میں ہے مگر باقی صفات و خصوصیات مشترک ہیں یعنی ہر ذی روح کا جسم سے رابطہ نفس ہے

كُلُ نَفسٌ ذَائِقَةُ المَوت کے تحت چاہے انسان مرتا ہے یا حیوان اصل موت نفس کی ہے نفس کی موت ہی وہ مقام ہے کہ جہاں عبد و معبود کے مابین جو حجابات ہیں وہ اٹھ

جاتے ہیں مدرکات بڑھ جاتے ہیں چاہے زندگی میں ہی اسے مارا جائے یا موت کے وقت مر جائے بہر حال اس کے مدرکات میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے نفس کی موت کے باوجود زندہ رہتا ہے کیونکہ ''مقامِ فنا'' جو اہلِ تصوف لکھتے ہیں وہ فنائے نفس ہے اور فنا کے بعد ہے ''مقامِ بقا''

یاد رہے کہ حجابات دو طرح سے اٹھتے ہیں ایک عارضی اور ایک دائمی اس مقام پہ دائمی حجابات اٹھتے ہیں۔

مقامِ بقا

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں نفسِ فانی فنا ہو جاتا ہے اور بدن کا اتصال براہِ راست روح سے ہو جاتا ہے یہ اتصالِ بدن و روح ہی ہے جسے کہتے ہیں مقامِ بقا کیونکہ نفس فانی فنا ہو گیا اور بدن کا اتصال روح سے ہوا جو لا فانی ہے یعنی باقی ہے اسی لئے اس اتصال کو مقامِ بقا کہتے ہیں

کیونکہ میں اب خارج از اسلام طبقے کے دائرہ سے باہر نکل چکا ہوں اس لئے دائرۂ اسلام میں آنے کے بعد جو اہم نکات ہیں انہیں بیان کرتا چلوں

اہلِ اسلام کو شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی اصل وجہ سمجھائی گئی ہے کہ ''یـــذکیھـــم'' یہ تو انہیں تزکیۂ نفس یعنی نفس کی تربیت کے لئے تشریف لائے ہیں نفوس کے تزکیے کے لئے تشریف لائے ہیں یہی وجہ ہے کہ تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری زندگی ایک استاد کی طرح تزکیۂ نفس کا درس دیتے ہوئے نظر آتے ہیں ''مذہب عقل'' اور دینِ اسلام یعنی دینِ فطرت کے تزکیات میں چند چیزوں کا فرق

ہے کہ مذہبِ عقل خیر وشر کا تعین انسانیت کے پیمانہ سے کرتا ہے جبکہ دینِ فطرت میں خیر وشر کا تعین صرف خالق انسانیت کرتا ہے مذہبِ عقل میں مبلغ کا کام بڑے بوڑھے مفکرین اور دنیاوی نقطہ نگاہ سے دانا عقل مند لوگ کرتے ہیں مگر دینِ اسلام میں مبلغِ اول ذاتی فکر کی بجائے خالقِ کائنات کے انتخاب سے آتا ہے اور وہ بڑے بوڑھوں کی طرح تجربات کا نچوڑ بیان کرتا بلکہ جو خالق فرماتا ہے (چاہے وہ عقلاً کیسا ہی کیوں نہ نظر آئے) وہی رائج کرواتا ہے اس لئے مذہبِ عقل اور دینِ اسلام کے تزکیات کے اقدار جدا جدا ہیں۔

تزکیات کے بعد ہی جہاد بالنفس کی منزل آتی ہے

☆وَمَن جَاهَدَفَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفسِهِ

کہ جس نے مجاہدہ کیا گویا اپنے نفس کے لئے جہاد کیا سرورِ کائنات اللہ کے نورِ ذات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے جہاد سے واپسی پر دریافت کیا تو فرمایا

☆رَجَعنَا مِن جِهَادِالَاصغَرِ اِلىَ جِهَادِ الَاكبَرِ

کہ ہم چھوٹے جہاد سے واپس آرہے ہیں اور بڑے جہاد کی طرف جا رہے ہیں کیونکہ غیر سے لڑنا آسان ہے مگر اپنے سے لڑنا انتہائی مشکل ہے اپنے من سے مسلسل جنگ کرنا بہت بڑا کارنامہ ہے جب انسان مجاہدہِ نفس کی جانب بڑھتا ہے تو بسترِ خواب کو ترک کر کے خود کو مہیائے جہاد کرتا ہے خنجرِ خاموشی کھینچتا ہے، شمشیر گرسنگی (بھوک) موزوں کر کے نیزہِ تنہائی لگاتا ہے، سپرِ تسلیم ورضا سامنے رکھتا ہے سلاحِ صبر وقناعت بدن پر آراستہ کر کے رکابِ توکل میں قدمِ ثبات ڈال کر شبدیزِ شوق پر سوار ہوتا ہے محبوب کی محبت ورفاقت اور عقل کی رہنمائی سے بقوتِ صدق یقین

میدانِ طلبِ مولیٰ میں قدم رکھتا ہے، رہزنانِ تخیلات کو مردانہ وار قتل کرتا ہوا ملکِ حقیقت میں قدم رکھتا ہے۔ یہ جنگ دو چار دن کی نہیں ہوتی من کی مملکت پر تسلط حاصل کرنا آسان نہیں کئی فارسانِ اعمال اس منزل پر تھک کر بیٹھ جاتے ہیں اس جنگ میں نفس جتنا جتنا تھکتا جائے گا زخمی ہوتا جائے گا باطن میں لطافت پیدا ہوتی جائے گی گویا نفس نہیں چاہتا کہ اس کے گرد چھائے ہوئے بادل چھٹ جائیں وہ تو اندھیروں کا عادی ہے مگر جب اس کی خواہشات کے برعکس ہونا شروع ہوتا ہے تو یہ صیقل ہوتا جاتا ہے اس کا زنگ اتر جائے گا تو یہ شفاف ہوتا جائے گا لطیف ہو کر الطف کے اتصال کی استعداد پیدا کر لے گا دل کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

جب نفس یہ جلا پا لیتا ہے اور اتصالِ روح کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اتصال روح و بدن کے مقام پر جو ذکر ہوتا ہے وہ سرالخفی ہے یعنی پوشیدہ سے بھی پوشیدہ اس لئے اس ذکر کو ذکرِ مغائبہ کہا جاتا ہے۔

اس میں محبّ محبوب میں اور محبوب محبّ میں غائب ہو جاتا ہے لیکن یہ مقام کسی قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے اور جو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے وہ ''ولایت عمومی'' کا مقام حاصل کر لیتا ہے کیونکہ ولایتِ خصوصی غیر معصوم کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

سرچشمۂ روحانیت

دوستو! انسان روحانی بلندیوں کی طرف جب محو سفر ہوتا ہے تو اسے کئی ملک فتح کرنے پڑتے ہیں، کئی وادیاں سر کرنا پڑتی ہیں اور ان ممالک روحانیت کو بغیر مجاہدۂ نفس فتح نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی اپنی مملکتِ وجود پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے

جہاد بالنفس ضرور کرنا پڑے گا ارشاد قدرت ہے

☆وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ......(عنکبوت6)

کہ جس نے مجاہدہ کیا گویا اپنے نفس کے لئے جہاد کیا۔

یاد رہے جب بھی جنگ ہوتی ہے تو اس میں اسلحہ کا استعمال ہوتا ہے اس مجاہدے میں دشمن نفس ہوتا ہے اس لئے یہاں نفسانی کمزوریوں کو بطور اسلحہ استعمال کیا جاتا ہے اب مناسب ہوگا کہ میں اس اسلحہ کا بھی ذکر کرتا چلوں جو اس دشمن سے لڑنے میں کام آتا ہے

سلاحِ اربعہ عشر

اس جنگ میں کئی چیزیں انتہائی اہم ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتی ہیں

1......جاگنا یعنی فقدانِ خواب

2......بھوک

3...... پیاس

4......درد و غم

5......ارتکاز

6......ترکِ خواہشات

7......استمرارِ عمل

8......استبرائے جزی وکلی

9......ترکِ لذات

10......تجرد

11......گریہ

12......مرشدِ کامل

13......خاموشی

14......عزلت

ان چیزوں کا اجتماع ہو جائے تو کیا بات ہے

(1) قلت النوم

دوستو! اسلام میں شب بیداری کو بہت اہمیت حاصل ہے اعمال کے کتب میں قائم اللیل کے فضائل دیکھے جاسکتے ہیں اور عابد شب زندہ دار منزل کی طرف ہمیشہ تیزی سے بڑھتا ہے

عمومی طور پر کم سونے کے بہت فائدے ہیں یعنی دنیا میں جتنے بڑے ذہین گزرے ہیں کوئی بھی تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا تھا اور اس بات کو سبھی مانتے ہیں کہ زیادہ سونے سے ذہن کند ہو جاتا ہے اور اس کی صلاحیتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

زیادہ سونے سے سوچوں کی لطافت مر جاتی ہے، زیادہ سونے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور لذت مناجات سے محروم ہو جاتا ہے، جاگے ہوئے آدمی کا دل نرم ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھیں دعا و استغفار میں برسنے کے بہانے تلاش کرتی ہیں، کم سونے سے یکسوئی اور ارتکاز مضبوط ہوتا ہے جس سے ذہن شارپ ہو جاتا ہے

(3،2) بھوک اور پیاس

دوستو! خالی پیٹ بھی یکسوئی میں معاون ہوتا ہے اور یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ دینی اور دنیاوی بلندیوں پر فائز لوگ کم خور ہوتے ہیں اسلام نے روزے کے ذریعے اس کا درس دیا ہے اولیاء کرام اور اعلیٰ شخصیات بھوکے رہنے کو بہت اہمیت دیتے تھے شہنشاہِ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری تریسٹھ سال کی حیات طیبہ میں صرف سولہ سیر جو تناول فرمائے اور یہی درس دیا پیٹ پہ پتھر باندھ کر بھی دکھائے کہ اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے یہ نہیں تھا کہ انہیں کھانے کو کچھ میسر نہیں تھا بلکہ وہ تو پتھروں سے بھی اشیائے خورد و نوش کے چشمے جاری فرما سکتے تھے مگر یہ ہمیں درس دیا کہ یہ بھی روحانیت کے حصول کا بڑا اہم ذریعہ ہے۔

(4) درد

اگر دل میں درد پیدا ہو جائے تو یہ ایک ایسا تیزاب ہے جو نفس کے جملہ زنگ اکھاڑ کر اپنے آپ میں تحلیل کر دیتا ہے درد ایک ایسی آگ ہے جو نفس کی گیلی لکڑی کے گیلے پن کو ایک پل میں جلا کر خالص کر دیتی ہے جب اس آگ کا انگارہ دہکتا ہے تو وہ خالص حرارت ہوتی ہے پانی کا اس میں نام و نشان نہیں ہوتا اسی طرح دردِ دل کی آتش سے دہکنے والے نفس میں مادیت کی نمی کا نشان تک نہیں رہتا درد بہت تلخ ہے اس کا ذائقہ بہت کڑوا ہے مگر اس کا درد شہد سے بھی میٹھا ہے اس کا خمار شراب سے بھی دیرپا ہے

شراب کا ذائقہ کتنا تلخ ہوتا ہے مگر پینے والے ہزاروں لذیذ مشروبات کو اس کی تلخی پر قربان کر دیتے ہیں صرف اس لئے کہ اس میں نشہ ہے جو رگ و پئے میں ایک میٹھا سا

سرور دوڑا دیتا ہے یہ درد بھی ایک انتہائی تلخ مشروب ہے مگر اس کے سرور کا اور نشے کا تو وہی بتا سکتا ہے جو اس سے کبھی لطف اندوز ہو چکا ہو

شیکسپیئر کہتا ہے کہ جب انسان درد غم سے لطف اندوز ہونا شروع ہو جاتا ہے ولی بن جاتا ہے یعنی خوشی کا رنگ پائیدار نہیں ہے درد ایک ساتھی ہے، خوشی ایک ہرجائی محبوبہ ہے درد ایک وفادار دوست ہے اب فیصلہ کریں کہ کسے اپنانا چاہیے؟ عرفاء نے اس موضوع پر بیسیوں کتب لکھی ہیں۔

(5) ارتکاز (6) ترکِ خواہشات

ان پہ گزشتہ اوراق میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس لئے مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے

(7) استمرارِ عمل

دوستو! عرفانیات میں استمرار عمل کی بہت اہمیت ہے یعنی ایک عمل کو مسلسل کرنا بہت ضروری ہوتا ہے اس کی آپ کو ایک مثال دیتا ہو آپ تجربہ کریں کسی پتھر پر آپ ٹیوب ویل چلا دیں اور پورا ایک مہینہ چلائے رکھیں آپ دیکھیں گے کہ اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

پھر آپ اس پتھر کو ایک نل کے نیچے رکھ دیں اور اس پر ایک ایک قطرہ مسلسل ٹپکتا رہے تو ایک دن اس میں سوراخ ہو جائے گا جب بھی کوئی عمل مسلسل کیا جائے وہ کبھی غیر موثر نہیں ہوتا چاہے وہ عمل کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔

(8) استبرائے جزی وکلی

اس پہ ہم اربعین کے عنوان میں روشنی ڈالیں گے

(9) ترکِ لذات

نفسِ امارہ سب سے پہلے تو ناجائز خواہشات پوری کرواتا رہتا ہے مگر جب اس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو پھر دائرۂ شریعت میں رہ کر اپنے خواہشات اور لذات پورے کرواتا ہے اگر اس سے لڑنا ہو تو اس پر لذات کو روک دیں یہ جلدی رام ہو جاتا ہے

(10) تجرد

اس کے بارے میں عزوبت کے ضمن میں کافی حد تک لکھا گیا ہے مگر یہاں بھی کچھ عرض کرنا مناسب رہے گا اس دنیا میں بڑا بننے کے لئے کچھ قربانیاں دینا پڑتی ہیں جو انسان اپنے بچوں کے مستقبل کو بہتر دیکھنا چاہتا ہے وہ بچپن سے انہیں اعلیٰ اداروں میں داخل کرواتا ہے انگلش میڈیم ایچی سن کالج وغیرہ میں داخل کرواتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بچہ ایک بڑا افسر بنے اسی طرح جب وہ بچہ کمپی ٹیشن Compitition کی تیاری کر رہا ہو تو اس دوران وہ اگر باپ سے کہے آپ میری شادی کر دیں تو باپ بالکل راضی نہیں ہوگا اور کہے گا کہ جب تک تم کچھ بن نہیں جاتے شادی کا نام نہ لو کیونکہ اس بات کا ہر آدمی سمجھتا ہے کہ اہل وعیال ترقی کے راستوں میں ایک طرح کی رکاوٹ ہوتے ہیں۔

اسی طرح جب پہلوان اپنے پٹھے (شاگرد) تیار کرتے ہیں تو ان پر سب سے اولین

شرط تجرد کی رکھتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ تجرد کے بغیر ترقی ناممکن ہے
اسی طرح دینی امور میں اگر کوئی اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہو تو جب تک منزل کا حصول نہ ہو عارف کے لئے مجرد رہنا بہتر ہوتا ہے کیونکہ وہ دیگر پریشانیوں سے بچ کر یکسوئی کے ساتھ عمل کرسکتا ہے ہاں جب وہ منزل پر پہنچ جائے تو پھر شادی کر لینا سنت ہے اگر تزکیات نفس کے مراحل میں کہیں گناہ کا خطرہ لاحق ہو جائے تو پھر گناہ سے بچنے کے لئے فوراً شادی کرے کیونکہ اس مقام پر شادی واجب ہو جاتی ہے جو آدمی اکیلا ہوتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے اور جس کے کاندھوں پر اہل وعیال کا بوجھ ہوتا ہے وہ آزادی کے ساتھ ترقی کے راستوں پر گامزن نہیں رہ سکتا کیونکہ اس پر گھر کی ذمہ داریاں آجاتی ہیں تو عبادات کے لئے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے اسی لئے کافی اولیائے کرام نے پوری زندگی شادی نہیں کی گویا انہوں نے لذات دنیا کے ساتھ اپنی اولاد کی بھی قربانی دے دی اور خود کو مالک کے لئے وقف رکھا مگر یہ باتیں عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہوتیں اس لئے ہر انسان کو کسی نہ کسی وقت شادی کر لینا چاہیے خصوصاً گناہ سے بچنے کے لئے اور نسل کے جاری رکھنے کے لئے۔
یہ بھی ہے کہ آدمی کو کچھ وقت یکسوئی سے اعمال خیر بجا لانے کے لئے اور تزکیاتِ نفس کے لئے بھی نکالنا چاہیے اور وہ شادی سے قبل کا دور سنہری دور ہوتا ہے اس لئے شادی میں عجلت نہیں کرنا چاہیے تا کہ کچھ نہ کچھ بننے کے بعد اس میں قدم رکھے۔

(11) گریہ

گریہ کے بارے میں اتنا عرض کروں گا کہ یہ گریہ سید الا آداب ہے اس سے رحمتِ

اِلٰہی کا حصول آسان ہو جاتا ہے سب سے اول گریہ ہے اپنے گناہوں پر گریہ کرنا مگر اس سے مصائب آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام میں گریہ کرنا بدرجہا بہتر ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے مصائب اوران کے ہجر وفراق میں گریہ کرنا اس کی فضیلت اس طرح ہے کہ انسان کو گریہ ہوتا نہیں جب تک یکسوئی نہ ہو اور اپنے امامِ وقت پر یکسوئی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہوسکتی۔

(12) عزلت

انسان ترقی کی چاہے جس منزل پر پہنچ جائے اسے پھر بھی تنہائی میں کچھ کچھ وقت رہ کر یکسوئی اور عبادت اور مراقبے کی ضرورت اسی طرح رہتی ہے جس طرح ابتدا میں رہتی تھی اس لئے ہر حال میں تنہائی کو معمول میں شامل رکھنا چاہیے کیونکہ انسان مقام قرب نوافل تک نہیں جاسکتا جب تک تنہائی کو شعار نہ بنائے۔

اگر انسان میں اچھائی کا جذبہ ہو تو تنہائی ایک بہترین معاون ہے اور یہ بھی ہے کہ اگر انسان میں خباثت کا مادہ زیادہ ہو یا گناہ آلود ذہنیت ہو تو پھر تنہائی زہر قاتل بھی ہے کیونکہ اس طرح انسان تنہائی میں برے برے خیالات کی یلغار میں آجاتا ہے اس صورت میں اچھے لوگوں کی صحبت سے دوری اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

(13) خاموشی

فرمان ہے دین کی سلامتی کے دس حصے ہیں اس میں سے نو حصے خاموشی میں ہیں

انبیائے ماسلف علیہم السلام کے زمانے میں ایک روزہ خاموشی کا بھی ہوا کرتا تھا اس دور میں جب کوئی عبادت کی طرف راغب ہوتا تھا تو خاموشی سیکھتا تھا اور کئی لوگ اس

کے لئے منہ میں کنکر بھی رکھ لیتے تھے اور بارہ بارہ سال تک خاموشی سیکھتے تھے جب اس پر کامل عبور حاصل ہو جاتا تھا تو پھر عبادات کے باقی مراحل کی طرف سفر کرتے تھے اور جو شخص خاموشی نہیں سیکھ سکتا تھا وہ عبادات کے میدان سے باہر آجاتا تھا کہ اب عبادات فضول ہیں کیونکہ جو کچھ بھی میں عبادات سے حاصل کروں گا وہ تو زبان کے ذریعے برباد ہو جائے گا اس لئے یہ محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے

فرمان ہے اکثر مخلوق زبان کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے فرمایا کہ ہر صبح سارے اعضائے بدن زبان سے کہتے ہیں کہ خدا کے لئے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر دینا کیونکہ جرم تو کرے گی اور سزا ہمیں بھگتنا پڑے گی

ایک ہوتی ہے بدکلامی یہ تو حرام ہی ہے ایک ہے بے فائدہ کلامی یہ بھی مذموم ہے ایک ہے بلا ضرورت کلام کرنا اس سے بھی اجتناب کرنا لازم ہے جس آدمی کو یقین ہو گیا کہ میرا مالک ہر بات کو سن رہا ہے اس کی زبان بند ہو جاتی ہے

(14) مرشدِ کامل

اسے ہم ایک علیحدہ عنوان کے تحت پیش کریں گے

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم
عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 10

مقصدِ حیات

اے جویندگانِ مبدءِ عرفان !

انسان جب بھی اپنی ذات پر غور کرنے کا آغاز کرتا ہے تو اسے جس سوال پر سب سے پہلے غور کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟

علم الاخلاق کیونکہ ایک صالح زندگی سے بحث کرتا ہے اس لئے ماہرین اخلاقیات چاہے کوئی لامذہب ہی کیوں نہ ہو اسے اس سوال پر بحث کرنا پڑتی ہے

اسی طرح جب ہم اہل مغرب پر نگاہ کرتے ہیں تو ہمیں مغربی اخلاقین کے آراء اس عنوان کے ضمن میں بہت اہم نظر آتے ہیں کیونکہ انہوں نے اسلام کے نظریہ اخلاق کے اس ملخص کو مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جو اسلامی علمائے اخلاق کی سطحی نظر نہیں دیکھ سکی

ڈاکٹر بینتھم سے جب ''مقصد حیات'' کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا لذت کے سوا کوئی چیز قابل خواہش نہیں ہے اس لئے انسان کا مقصد حیات یہ ہونا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرے اور حصولِ لذت کے لئے تین شرطیں ہونا ضروری ہیں۔

1......شدت لذت

2......مدت بقائے لذت

3......دائرہ اثر لذت

شدت سے مراد تکثیرِ لذت ہے اور مدت بقا سے مراد لذت کا دیر اثر ہونا ہے اور دائرہ اثر کا مطلب ہے لذت سے بہرہ ور افراد کی تعداد کی کثرت یعنی لذت کی جامع تعریف یہ ہو گی کہ ''لذت کو شدید دیر پا وسیع یقینی ثمر بخش پاکیزہ و طیب ہونا چاہیے''لذت یہاں لغوی معنی میں نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح علم اخلاق ہے

قارئین! آپ نے دیکھا کہ بینتھم نے کتنی سچی اور قیمتی بات کہی ہے یعنی اگر لذات کا دائرہ جسمانیت تک محدود ہو گا تو جو لذات اخلاقی و روحانی و مذہبی ہیں وہ خارج ہو جائیں گی تو اس طرح لذت و مسرت ہے اگر لذات کو جسمانیت تک محدود کر دیا جائے تو انسان بہت سے لذات سے محروم ہو جائے گا۔

ڈاکٹر مل نے بینتھم کے نظریے میں تھوڑی سی مگر بہت ہی خوبصورت ترمیم کی ہے اس نے کہا ''مقصد حیات نوعِ بشر کی بڑی سے بڑی تعداد کی بڑی سے بڑی مسرت ہے ''مقصد حیات کی اس تعریف میں ڈاکٹر مل نے انسانوں کے علاوہ حیوانات کو بھی تعداد میں داخل کیا ہے

بعد والے منطقی مفکرین نے اس پہ تنقید بھی کی ہے مگر ان کی تنقید کا طریقہ ہی بتا رہا ہے کہ ان کی تنقید صرف مادی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کی جا رہی ہے مثلاً ان کا کہنا تھا کہ بڑی سے بڑی مسرت منطقی طور پر نظریہ کمزور ہے مثلاً دس روپے دس آدمیوں پر بانٹ دیں تو جتنی خوشی انہیں ہو گی اتنی دس ہزار افراد کو خوشی نہ ہو گی جبکہ ان پر وہی

دس روپے بانٹ دیئے جائیں یعنی دس روپے دس ہزار افراد کو خوش نہیں کر سکتے دس کو خوش کر سکتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ ڈاکٹر میکنزی ڈاکٹر ژونگ وغیرہ نے تنقید کے لئے ایک انتہائی اہم بات کو نظر انداز کیا ہے کہ جب مسرت کا تصور مادی ہو تو ''سببِ مسرت'' کو مادی ہونا چاہیے جب مسرت ہی غیر مادی ہو تو ''سببِ مسرت'' کو بھی غیر مادی ہونا چاہیے انہوں نے سببِ مسرت یعنی (روپے) تو مادی رکھ لئے ہیں اور مسرت کو کیفی رہنے دیا ہے تو یہ تنقید کہاں درست ہے کیونکہ سمندر میں اگر طوفان آجائے اور اس میں ایک کشتی گھر جائے اور پھر اچانک وہ کشتی ساحل پر پہنچ جائے تو اس کے ساحل پہ پہنچنے کی خوشی جتنی ایک فرد کو ہوسکتی ہے اتنی ہی دس ہزار کو ہوگی اگر دس ہزار افراد سوار ہوں گے تو مسرت کی تقسیم کا عمل مسرت کو کم نہیں کر سکے گا کیونکہ کیفیات تقسیم کے عمل سے گزرنے کے باوجود اپنی مقدار و کمیت کو نہیں کھوتیں گو انفرادی خوشیوں کو مجموعہ واحد نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یہ مغالطہ ترکیب ہے مگر مسرت کے دائرہ اثر کی قیمت کو مساوی نہ بھی سمجھا جائے تو تب بھی اثرِ مسرت کی تقسیم کو مقدار کی کمی کی دلیل بھی تو نہیں بنایا جا سکتا۔

اگر ہم اسلامی نقطہ نظر سے دیکھیں تو اسلام نے بھی اجتماعی حیات کا مقصد یہی بیان کیا ہے کہ انسانیت کا مقصدِ حیات بڑی سے بڑی مقدار میں بڑی سے بڑی مسرت کو حاصل کرنا ہے۔

اجتماعی مقصدِ حیات

اسلام نے مقصدِ حیات کی تشریح میں دو دائرے قائم کیے ہیں ایک اجتماعی مقصدِ حیات اور دوسرا انفرادی مقصدِ حیات کا اگرچہ انفرادی مقصد حیات اس اجتماعی مقصدِ حیات کے دائرے کے اندر ہی ہے مگر اس چھوٹے سے دائرے کی پرکار باہر والے دائرے کے اندر رہ کر اپنا ایک علیحدہ دائرہ ہی بناتی ہے

اجتماعی مقصدِ حیات میں ''لیظھرہ علی الدین کلہ '' کی مصداق حکومت اِلٰہیہ کا قیام ہے جو عالمی سطح پہ پیس فل peacefull اقدار کا نفاذ کرے پوری دنیا سے غیر اللہ کی عبادت مفقود ہو جائے

اسلام کے زیادہ مسالک ایسے ہیں کہ جن کے مفکرین اس مقصد کے حصول کے لئے متعدد راستے اپناتے ہیں کسی نے جنگ کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے کسی نے تبلیغ کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے کچھ لوگوں نے روحانیت کو اس کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے کچھ لوگوں نے اقتصادی استحکام اور عالمی دولت کو کیپچر Capture کرنے کو اس کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے اسی طرح بہت سے ذرائع بیان ہوئے ہیں مگر سب کا مقصد ایک ہی ہے یعنی پوری دنیا پر ایک پیس فل حکومت اِلٰہیہ کا قیام۔

ان مختلف ذرائع کے بیان کرنے کی وجوہ یہ ہیں کہ ان بیان کرنے والے مفکرین کے پاس حکومت اِلٰہیہ کا کوئی واضح تصور نہیں ہے بلکہ ایک مبہم سے خاکے کا وہ ادراک کرتے ہیں اور اسی کے حصول کے لئے فارمولے بیان فرماتے ہیں

عالم اسلام میں ایک مسلک اثنا عشریہ ہی ہے جس کے پاس اس حکومت اِلٰہیہ کی کلئیر تصویر موجود ہے حکومت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت کا تصور اس تصور میں وہ جملہ شرائط موجود ہیں جو مغربی مشرقی مفکرین نے مقصدِ حیات کیلئے متعین کئے ہیں۔

(اس پہ میری کتاب دیکھئے THE LAST REFORMER OF THE WORLD)

انفرادی مقصدِ حیات

انفرادی مقصدِ حیات کے بارے میں بھی پورے عالمِ اسلام میں اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ ''فرد کا ذاتِ واجب الوجود سے کمالِ قریب کا حصول ہی ایک فرد کا مقصدِ حیات ہے''

( )...... کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان نماز وروزہ کی طرح کے اعمال پر عمل پیرا ہونے سے یہ مقصد حاصل کرسکتا ہے۔

( )...... کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صرف عقیدہ درست کر لینے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

( )...... کچھ لوگ خدمتِ خلق اور اخلاقی اصولوں کی پابندی میں اس مقصد کے حصول کو مضمر سمجھتے ہیں

( )...... کچھ لوگ مخالفتِ نفس، تزکیات نفس کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ قرار دیتے ہیں

( )...... کچھ لوگ میڈی ایشن اور میڈی ٹیشن Meditation کو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں

اسی طرح بہت سے ذرائع ہیں اس بارے میں بھی عالم تشیع کے پاس ایک واضح تصویر ہے وہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے انوار کا ''آئینہِ کل نما'' ہر زمانے کا امام ہوتا ہے اور انسان اسی ذاتِ اقدس کے حوالے سے انوار الٰہی کا مشاہدہ بھی کر سکتا ہے اور ان سے متصل و متوسل بھی ہو سکتا ہے

آج تک اہل تشیع نے عرفانیات و روحانیات پہ نظری بحثوں پر مبنی بہت سے کتب لکھے ہیں مگر عملی روحانیات اور عرفانیات پہ کوئی کتاب نہیں لکھی اور جو لوگ صاحبان اسرار تھے وہ اسے سینہ بہ سینہ لے کر آئے اور کچھ خاص خاص لوگوں کو اس سے مطلع کیا اور اس موضوع کو مارکیٹ میں نہیں لائے اور جن لوگوں نے اس پہ کچھ لکھا بھی ہے تو انہوں نے اہل تصوف کے انداز میں لکھا ہے کہ کوئی دوسرا آدمی ان اسرار کو دریافت نہ کر سکے۔

عملی عرفانیات و روحانیات پہ اس دور میں کچھ نہ کچھ لکھا جا رہا ہے اور وہ بھی نہ ہونے کے برابر جیسا کہ جناب سید حسن الطبحی دامت برکاتہ تبلیغ فرما رہے ہیں مگر بڑی دھیمی آواز میں۔

اسی طرح جتنے بھی لوگ لکھ رہے ہیں وہ باتیں چھپا چھپا کر رموز و کنایات میں لکھ رہے ہیں اور اس میں عملیت کی طرف بڑھنے کی ترغیب تو دے رہے ہیں مگر کیسے بڑھنا ہے اس پر روشنی بڑی دھیمی ڈالی جا رہی ہے اور انتہٰی کا عالم یہ ہے کہ اپنے روحانیات کے مرکزی نقطے کی طرف رہنمائی کے بارے میں اس کا ضمناً ذکر کیا جاتا ہے اور یہ نہیں بتایا جاتا کہ سبھی کچھ اسی سے ملنا ہے اور ہماری منزل مراد بھی یہی ہے اثنا عشری روحانیات میں مرکزی حیثیت امامِ وقت کو حاصل ہوتی ہے اور ہمارے

زمانے میں جو ہمارے امیچیٹ نبی ہیں یا امام ہیں یا امیچیٹ گاڈ ImmediateGod ہیں وہ ہمارے امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہیں جن کا نام پاک حجۃ ابن الحسن المہدی صلوات اللہ علیہ وعجل اللہ فرجہٗ الشریف ہے اور ہمارا مقصدِ حیات ان کی رضا ہے کیونکہ انہی کی رضا اللہ کی رضا ہے اس دور کے موجودات کا کمال ان کی ذات اقدس تک رسائی ہے۔

استکمال وترقی

دوستو! اس مقام پہ یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ جملہ موجودات عقلیہ حسیہ نفسیہ طبیعہ کی طرح انسان کے لئے بھی ایک کمال مقرر ہے کیونکہ جملہ موجودات عقلیہ حسیہ نفسیہ طبیعہ کے لئے ایک کمال مقرر ہے اور وہ اپنے کمال کا عشق رکھتے ہیں اور اپنے نقص سے نفرت کرتے ہیں عشقِ کمال تمام موجودات میں جاری وساری ہے مگر شوق و اشتیاق صرف ان موجودات میں پایا جاتا ہے جو مجردات محض نہیں ہیں

عرفاء کے نزدیک جملہ موجودات ذی حیات و ذی شعور ہیں، حی ہیں اس لئے ان میں عشق موجود ہے یہ اپنے کمال کے عشق سے عاری ومحروم نہیں ہیں۔

موجودات میں عشق استکمال پایا جاتا ہے جس کی کوتاہی سے مستوجبِ سزا قرار دیئے جائیں گے اور یہی وجہ ہے کہ موجوداتِ عالم کو اپنے نقص سے نفرت ہے کیونکہ ہر موجود چاہے وہ بسیط ہے یا مرکب ہے زندہ و ذی حیات و ذی شعور ہے اور اپنے نقص سے نفرت رکھتا ہے کیونکہ نقص مائل بہ عدم ہے ماضی کے مفکرین کہتے تھے حرارت کامل نہیں مگر بحرارت اقویٰ، نور کامل نہیں ہوتا مگر بہ نورِ اقویٰ، ہیولیٰ کامل نہیں ہوتا مگر بہ صورت کامل اور صورت کامل نہیں ہوتی مگر بہ مصور، حسن کامل

نہیں ہوتا مگر بہ نفس اور نفس کامل نہیں ہوتا مگر بہ عقل اور عقل کامل نہیں ہوتی مگر بہ ذات واجب الوجود یہ چیزیں بتا رہی ہیں کہ ہر چیز میں عشقِ استکمال بھی موجود ہے اور اپنے نقص سے نفرت بھی موجود ہے۔

جب جملہ موجوداتِ عالم میں عشق استکمال ہے تو کیا انسان میں نہیں ہے جب ہر چیز کو نقص سے نفرت ہے تو کیا انسان کو نہیں ہوگی؟ جبکہ عالم مواد میں یہ اشرف و افضل مخلوق ہے حقیقت یہ ہے کہ اس انسان میں ترقی و کمال کی استعداد موالیدِ اربعہ میں سے سب سے زیادہ ہے۔

اب تو مغرب و مشرق کے فلاسفر نے یہ تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے کہ ترقیات طولانی عالمِ مواد سے متعلق ہیں مافوق المواد میں ترقی طولیٰ کی استعداد نہیں ہے حالانکہ مغربی پہلے مفکرین پہلے تو عالمِ مواد سے مافوق کے عالم کو تسلیم نہ کرتے تھے اب مانتے ہیں کہ عالم مجردات بھی ایک عالم ہے اور ان فلاسفہ نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ موجوداتِ مادیہ میں انسان ترقی کا منتھی ہے اول صورت سدیمیہ و بشریہ ہے پھر جماد کا درجہ ہے پھر نبات کا پھر حیوان کا اس کے بعد ہے انسان کا درجہ پس انسان انتہائے ترقی مواد ہے اور مسلمان مفکرین تو جنات و ملکوت کے وجود کے بھی قائل ہیں اس لئے وہ یہ بات معلوم کرنا بھی انتہائی ضروری تصور کرتے ہیں کہ آیا ملکوت و جنات و انسان میں سے سب سے زیادہ ترقی کون کر سکتا ہے؟

استعداد ترقی

دوستو! سبھی مفکرین کا یہ کہنا ہے کہ موالید اربعہ میں سے انسان ہی سب سے زیادہ

ترقی کرسکتا ہے کیونکہ ملکوتِ عالمِ امر سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان کی ترقی بالفعل ہے بالقوۃ نہیں کسبی نہیں جتنی بھی انہیں ترقی طولیٰ ملتی ہے وہ بوقت خلقت ہی مل جاتی ہے کیونکہ ان کی خلقت آنی وفوری ہے تدریجی نہیں اس لئے انہی کا قول بتاتا ہے کہ ان کے خاص خاص ترقی کے اور علوم کے مدارج ومقام ہیں کیونکہ ملکوت مادے سے مجرد ہیں اس لئے ان کی ترقی محدود ہے نوعِ بشر مادے میں محصور ہے اس لئے اس میں ان کی ترقی زیادہ ہے اس لئے انسان ملکوت سے افضل ہے

اس خوش فہمی کا ازالہ بھی کرتا چلوں کہ انسان میں استعداد ترقی کا ہونا اور بات ہے ترقی کرنا اور بات ہے اور کمال تک جانا اور بات ہے مثلاً ایک شخص ہمالیہ کی چوٹی پہ پیدا ہوا اور وہیں پوری زندگی گزار دی ایک شخص بھارت کی گھاٹی میں پیدا ہوا اور اس میں بلندیوں پہ چڑھنے کی استعداد اور شوق کا اجتماع ہوا اس نے ہمالیہ پہ چڑھنا شروع کردیا زمین سے ہزاروں فٹ اونچائی پہ پہنچ گیا مگر چوٹی سے ہزاروں فٹ نیچے رہا تو کیا ہم اس (Struggle) کوشش واستعداد کو وجہ بنا کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نیچے والا شخص اوپر چوٹی پہ رہنے والے شخص سے بلندی پر پہنچ چکا ہے؟

انسان کا سفر اور ترقی پستیوں سے شروع ہو کر ملکوتیت کی پستیوں پر ختم ہو جاتی ہے بحیثیت نوع کے ملکوت افضل واشرف ہیں مگر استعدادِ ترقی انسان میں ملکوت سے زیادہ ہے کیونکہ ملکوت کو ایک نفس ملکوتی ملا ہے جو بوقت خلقت اپنے نقطہ کمال پہ پیدا ہوا تھا ادھر انسان ہے تو اسے نفسِ بہیمی ونفسِ طبعی ونفسِ عقلانی وغیرہ ملے ہیں اور انسان تمام مخلوقات سے زیادہ قویٰ ونفوس وحواس کا حامل ہے اور ترقی کا دارومدار قویٰ ونفوس وحواس پر ہے اس لئے انسان میں استعداد ترقی زیادہ ہے تو اس بحث

سے دو باتیں ثابت ہوئیں کہ انسان میں اپنے کمال و ترقی کا اشتیاق وعشق بھی ہے اور استعداد ترقی بھی رکھتا ہے یعنی اب ترقی میں مانع کوئی نہیں یعنی ترقی کرنا بھی چاہتا ہے اور کر بھی سکتا ہے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر پوری نوع انسان ترقی سے محروم کیوں ہے؟ نوے فیصد بشر ترقی سے محروم ہے تو آخر کیوں؟ ترقی کا شوق بھی ہے ترقی کی صلاحیت بھی ہے تو پھر اس محرومی کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟

اس کی جو وجہ میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ انسان ترقی کے راستوں کو پہچاننے میں غلطی کرتا ہے استعداد بھی ہو اور خواہش بھی مگر راستہ معلوم نہ ہو تو کیا ترقی کر سکتا ہے؟ ایک شخص نے لاہور جانا ہے اور کراچی کی سمت رخ کر کے یہ گمان کر لے کہ میں لاہور جا رہا ہوں لاہور جانے کا شوق بھی ہے استعداد بھی ہے اور جا بھی رہا ہے مگر سمت غلط ہے اس لئے محروم رہے گا۔

ایک شخص کشتی پر بیٹھ کر شمال کی سمت جانا چاہتا ہو جب وہ نہر کے پل پہ پہنچے تو کھڑے ہو کر پانی کے بہاؤ پہ نظریں جما دے اور وہ یہ گمان کر لے کے میں مصروفِ سفر ہوں انشااللہ اس نہر کے مبدے کو میں پالوں گا کیا اس طرح وہ نہر کے مخرج و مبدے کو پا سکے گا؟

اسی طرح انسان خود فریبیوں کا شکار ہوتا ہے ترقی کے راستوں کے انتخاب میں غلطیاں کر کے تنزلیوں کی اتھاہ گھاٹیوں میں گر جاتا ہے حالانکہ انسان کی خواہشات بتا رہی ہیں کہ انسان ترقی چاہتا ہے کیونکہ انسان کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں جو چاہوں ہو جائے اور اس چاہنے اور ہو جانے کی حسرت لے کر جانے دنیا کیا

کیا پاپڑ بیل رہی ہے پوری نوع بشر سر مار رہی ہے اور اسی خواہش کے پیشِ نظر بلکہ زِیرِ اثر ہر انسان ہر اس شخصیت سے متاثر ہو جاتا ہے جسے وہ ایسا سمجھتا ہے اور سوچتا ہے کہ شاید اس کے قرب سے میری خواہشات کی تکمیل ہو سکے یعنی جو میں چاہوں گا اگر میں نہ کر سکوں گا تو یہ کروا دے گا مقصد تو خواہشات کی تکمیل ہے اور اسی خواہش کے ردعمل میں انسان ہر طاقت کے سامنے گھٹنے ٹیکتا آیا ہے کبھی سانپ کے سامنے کبھی دریا پہاڑوں پتھروں وغیرہ کو سورج ہوا طوفانوں وغیرہ کے دیوتاؤں کی بھینٹ خود بھی چڑھتا رہا ہے اور اولاد کو بھی قربان کرتا آیا ہے اور اس خواہش کے احمق حاملین نے تو تعویز گنڈے کی دکانوں کو خوب رونق بخشی ہوئی ہے اور ولایت کے جھوٹے داعیوں کی زندگی کی بہار ایسے ہی دشمنان عقل سے وابستہ رہی ہے۔

یہ چاہنے اور ہو جانے کی خواہش دراصل اس استعداد و اشتیاق کمال کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ فطرت انسان میں داخل ہے کہ وہ بہترین درجے کی ترقی کرے اور ترقی کی کوشش کرے اور بلندی کی طرف لے جانے کا ارادہ ہی بہت بڑا ارادہ ہے کیونکہ انسان بالطبع بلندی اور ترقی کی طرف مائل ہے اور اس کوشش کا عادی ہے چھوٹا بچہ بڑوں کے جوتے پہن کر بڑوں کی طرح چلنے کی کوشش کرتا ہے صرف اس لئے کہ اس میں ترقی کی خواہش ہے اور انسان ہمیشہ ترقی کی دھن میں رہتا ہے

انسان میں ترقی کے معاملے میں بھی نقل کرنے کی عادت ہوتی ہے اور یہی عادت انسان کو مس گائیڈ Misguide کرتی ہے انسان ماحول پر ایک طائرانہ نظر ڈالتا ہے اور کسی سمت کو ترقی کا راستہ سمجھ کر مائل بہ پرواز ہو جاتا ہے جو لوگ انسانی ترقی کو دولت پر منحصر سمجھتے ہیں وہ راتوں رات امیر بننے کی سوچتے ہیں شب بھر کروڑ ارب

پتی بننے کی تدابیر پر غور کرتے ہیں جب اس خواہش کی شدت ہوتی ہے تو غلط راستے سامنے آتے ہیں چوری، ڈاکے، چور بازاری، ملاوٹ، غصب وغیرہ یہ سب چیزیں انسان کی نا امیدی سے جنم لیتی ہیں یہ بھی ہے کہ کوئی بھی شخص نیا راستہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ سب لوگ ترقی کے پرانے راستوں کو اپناتے ہیں ترقی کے نئے راستوں کو اپنانا ''رسک'' Risk سمجھتے ہیں اور اکثر نقل سے کام چلاتے ہیں شاذ رو نادر ہی کوئی ایسا آدمی میسر آئے جس نے ترقی کے کسی نئے راستے کو ایجاد کیا ہو حالانکہ یہ جذبہ ترقی جو انسان کو عطا ہوا تھا اس کی وجوہات تو کچھ اور تھیں مگر انسان نے اسے صرف مال و جاہ علم و تندرستی و خوش حالی و عزت و احترام و اطمینانِ قلب تک محدود کر دیا ہے اور انہی چیزوں کو ترقی کی انتہا سمجھتا ہے اور اس ترقی کی دھن اس طرح اذہان پر سوار ہو جاتی ہے اور ہمارے طبائع کی گہرائیوں میں اس طرح جاگزیں ہو جاتی ہے کہ ہم خواب و خیال جنون و ہوش میں ہمہ وقت ترقی ترقی ترقی کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔

انسان کے ساتھ چند کمزوریاں لگی ہوئی ہیں اس لئے یہ صعوبات سے گھبراتا ہے کد و کاوش ہو یا جد و جہد انسان ان چیزوں سے جی چراتا ہے گھبراتا ہے اور علم و جاہ وجلال و مال و دولت وغیرہ کے لئے تو بہت سا وقت درکار ہوتا ہے یہ چیزیں تو بہت سی محنت کے بعد حاصل ہو سکتی ہیں روز و شب کی محنت، لگن، شب بیداریاں، بھوک، پیاس، ضبط و صبر وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے تب کہیں جا کر یہ چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں یعنی کافی دوڑ دھوپ کے بعد انسان کو معمولی سی ترقی ملتی ہے ادھر انسان ہے تو وہ ان گورکھ دھندوں میں الجھنے سے اکثر کتراتا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف انسان میں ترقی کی فطری خواہش موجود ہے دوسری طرف اس کا یہ حال ہے کہ یہ محنت اور مشقت سے جان چراتا ہے ایک طرف خواہش چین سے نہیں بیٹھنے دیتی دوسری طرف یہ مشقت کو عذاب سمجھتا ہے اب اس صورت میں انسان ترقی کی فطری خواہش کو تھپکیاں دے کر سلانے کی تدبیر کرتا ہے اس ترقی کی خواہش کی تسکین کے لئے کچھ راستے تلاش کرتا ہے جیسے دیگر خواہشات اپنی تسکین چاہتی ہیں اسی طرح ترقی کی خواہش بھی تسکین چاہتی ہے تو اکثر حضرات کم خرچ اور بالا نشینی کے راستے تلاش کرتے ہیں اور وہ حقیقی ترقی کی بجائے تصور کی دنیا کو آباد کر لیتے ہیں لذت آفرین خیالات کا سہارا لیتے ہیں اور انسان کو نفسِ امارہ انہی خیالات کے تابع کر دیتا ہے اور یہ خیالات اتنے دلفریب و دلکش و دل آفرین مناظر پیش کرتے ہیں کہ

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

والی بات صادق آتی ہے تصور میں انسان کبھی خود کو بڑا تاجر تصور کر کے کروڑ پتی بن بیٹھتا ہے کبھی وزیر کبھی بادشاہ کبھی بہت بڑا عالم دین و قلندر وغیرہ خود کو فرض کر کے خیال ہی خیال میں اپنی ترقی و ارتقا کی فطری خواہش کی تسکین کر لیتا ہے کبھی خیال ہی خیال میں ایک بڑی رقم کے حصول کا سوچتا ہے پھر اس سے زمین جائیداد رقبے کوٹھی کار ٹی وی بمعہ بیوی کے تصورات کی رنگینیوں پہ ہزار جان سے فدا ہو کر اس دلدل میں ایسا پھنستا ہے کہ اس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے اور یہی خیالات اور جذبات نفس انسان میں موجود جذبہ ترقی کو سیراب کر دیتے ہیں اور انسان حقیقی ترقی سے محروم ہو جاتا ہے

ایک معمول جوئے باز یا چور یا ڈاکو یا عام کاشتکار یا سپاہی یا ٹیچر وغیرہ کہ جن کی معمولی آمدنی ہوتی ہے وہ اپنی اپنی جگہ یہی محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک گراں قدر رقم منافع میں کمائی ہے جو اسے اس محکمے کا رئیس بنا دیتی ہے جس کا وہ حقیقی طور پر خواہشمند تھا یا وہ خواہشات کہ جن پر وہ عمل نہیں کر سکتا تھا بس انہیں اپنے جذبہ ترقی کی تسکین کے لئے خیالات وتصورات میں پورا کرتا رہتا ہے ان دل خوش کن تصورات میں ایک جذبہ ایک خواہش ایک وسیع جولان گاہ اور ترقی نظر آتی ہے

بعض اوقات ان تصورات کی فراوانی انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے وہ مفلسی کے باوجود شاہانہ لب و لہجے میں گفتگو کرتا ہے اوامر ونواہی میں ڈکٹیٹر شپ کا مظاہرہ کرتا ہے تا اینکہ یہ مرض شدت اختیار کر لیتا ہے تو پھر انسان زندگی سے راہِ فرار کی سوچتا ہے اور خودکشی پہ نوبت آجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انسان ترقی سے محروم رہتا ہے اور شیخ چلی کے منصوبوں میں عمر عزیز کو گنوا دیتا ہے

اگر انسان ترقی کے معنی میں غلطی نہ کرتا اور ترقی کے نام پر چوٹ نہ کھاتا تو نوعِ بشر آج اپنے کمال و انتہا کو چھو رہی ہوتی انسان تصوراتی ''انجائے منٹ'' Enjoyment کے بجائے عملی ترقی کی راہیں سوچتا تو آج اوج ثریا کو قدموں میں لا کھڑا کرتا۔

اس بحث کا نتیجہ پیش کر کے اگلی منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہوں یہاں تک یہ ثابت کر چکا ہوں کہ انسان میں اشتیاق وعشق کمال وترقی بھی ہے اور استعداد وصلاحیت بھی مگر ترقی کے مفہوم کو غلط سمجھنے کی وجہ سے ترقی سے محروم رہتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان اپنے کمال وعروج کے لئے ترقی کے مفاہیم کو کیوں غلط سمجھتا ہے ان

غلطیوں کے محرکات کیا ہیں اور اصل ترقی کیا ہے؟ کیونکہ جب غلطیوں کے محرکات سمجھ میں آجائیں گے تو انسان پر کچھ راز ہائے بشریت منکشف ہوں گے اور انسان ترقی کی راہیں از سرِ نو متعین کرے گا۔

حقیقی ترقی

اب ہمارے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ انسان کی حقیقی ترقی کیا ہے؟ اس کا اصل جواب تو یہ ہے جو میں مقصدِ حیات کے ضمن میں بیان کر چکا ہوں بات یہ ہے کہ انسان تین ارکان کے مجموعے کا نام ہے یعنی جسم نفس اور روح جب ان ارکان کا درجاتی تقابل کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ جسم سے نفس افضل ہے اور نفس سے روح افضل ہے اسی طرح جسمانی ترقی سے نفسانی ترقی افضل ہوگی اور اسی طرح نفسانی ترقی سے روحانی ترقی افضل ہوگی اسی طرح منطقی نتیجہ یہی نکلے گا اصل ترقی روحانی ترقی ہے کیونکہ جو چیز زیادہ بلندی پر ہوتی ہے اسے پانے میں اتنی ہی زیادہ محنت درکار ہوتی ہے اس لئے روحانی ترقی کے لئے محنت اور مشقت بہت زیادہ درکار ہوتی ہے اور انسان محنت سے جی چراتا ہے اور انسان کی جسمانی اور روحانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ انسان کا اپنا نفس ہوتا ہے کیونکہ نفس چاہتا ہے کہ اس انسانِ مرکب پر اس کی حکمرانی پر کوئی ڈاکہ نہ ڈالے مگر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ جل جلالہ نے انبیاء علیہم السلام کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ انسان روحانی ترقی کرے اور انسان اس درجے پر پہنچ سکے اس کا نفس اتنا ریفائین Refine ہو کہ وہ مادی جسم کے ساتھ ملاء العلیٰ کا مشاہدہ کر سکے مگر یہ بات نفس کو ناگوار ہوتی ہے اگر انسان واقعی

حقیقی ترقی چاہتا ہے تو اسے اپنے نفس کے ساتھ لڑنا پڑے گا مگر کسی دشمن سے لڑنے سے قبل ہر شخص اس کے داؤ پیچ جاننا ضروری سمجھتا ہے اس لئے ہمیں بھی اس کی فطرت کو سمجھنا پڑے گا۔

فطرتِ نفس

دوستو! حدیثِ صحیح میں آیا ہے

☆مَن عَرَفَ نَفسَهُ فَقَد عَرَفَ اللّٰه

کہ جس نے عرفانِ نفس حاصل کیا اس نے عرفانِ رب حاصل کرلیا یہ ایک کلیہ ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا یعنی ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے

عرفا فرماتے ہیں کہ احکاماتِ نفس احکامِ الٰہی کے بالکل برعکس اور مخالف ہوتے ہیں اب اگر احکامِ الٰہی کو پہچاننا ہو تو نفس کے احکام کو پہچاننا لازم ہوگا یعنی جس نے احکام نفس کو پہچان لیا گویا اس نے احکام الٰہی کو بھی پہچان لیا

اس حقیقت سے کوئی دانشور انکار نہیں کرسکتا کہ نفس متعلقاتِ جسمانی سے ماوریٰ ہے مثلاً بھوک پیاس نیند وغیرہ اس پر طاری نہیں ہوتے انسان کا جسم سو جاتا ہے مگر نفس ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور دن رات حسِ مشترک پر پہرہ دیتا رہتا ہے یعنی خود بھی جاگتا ہے اور حسِ مشترک کو بھی نہیں سونے دیتا آپ سوئے ہوئے کسی آدمی کے کان پر ایک تنکا چبھو کر دیکھیں جسم سو رہا ہوگا شعور محوِ خواب ہے دماغ خراٹے لے رہا ہے یہ کون جاگ رہا ہے؟ جو اعضائے بدن کو مکمل تصرف میں رکھے ہوئے ہے حالانکہ انسان جب بیدار ہوتا ہے تو اسے اس واقعہ کا قطعی علم نہیں ہوتا

نفسیات پہ کتب لکھنے والے شعور اور لاشعور پہ بحث کرتے ہیں مگر اس ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ Head of Deparment یعنی مسٹر نفس کو Ignore نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ شعور اور لاشعور خود اسی اعلیٰ حضرت کے ماتحت ہیں کوئی اس کا گودام ہے کوئی اس کا ڈرائینگ روم ہے کوئی اس کا پائین باغ ہے اصل تو یہی نفس ہے جو انسان سے لاشعوری طور پر اپنے احکام کی تکمیل کرواتا رہتا ہے
یہ صرف سوئے ہوئے انسان ہی سے لاشعوری افعال کا ارتکاب نہیں کرواتا بلکہ جیتے جاگتے انسان سے بھی یہ لاشعوری حرکات کرواتا رہتا ہے جیسے ہپناٹائز Hypnotise کا کوئی عامل معمول سے کام کرواتا ہے یہ بھی اسی طرح انسان سے لاشعوری افعال صادر کرواتا رہتا ہے اسی لئے امیر کائنات فخرِ موجودات علیہ السلام والصلوات کا ارشاد ہے
☆اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَامَاتُو اِنتَبَہُوا
لوگ سوئے ہوئے ہیں موت کے وقت آنکھ کھلے گی موت کے بعد پتہ چلے گا کہ نفس نے لاشعوری طور پر ہم سے کیا کیا کروایا تھا نفس کی آوارہ خواہشات کے پیچھے کس طرح بھاگتے رہتے تھے بہر حال اتنا تو ماننا پڑے گا حضرتِ نفس کے احکام اوامرِ الٰہی کے بالکل برعکس ہیں میں نفسیات کے موضوع کو عمداً ترک کرتا جا رہا ہوں تاکہ میں اپنی منزل تک پہنچ سکوں اس سے اگلی منزل ہے خواہش نفس۔

خواہشِ نفس

پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان خواہشات ختم کر ہی نہیں سکتا کیونکہ خواہشات کا کلیتًا خاتمہ محال ہے جب انسان کسی خواہش کو ختم کرتا ہے تو اس کا لازمی یہی نتیجہ نکلے گا کہ دوسری

خواہش پیدا ہو جائے گی یعنی ایک خواہش کا اختتام دوسری خواہش کو جنم دیتا ہے۔
انسان کے فرائض روحانی میں یہ بات داخل نہیں کہ خواہشات کو ختم کرے بلکہ ادنیٰ خواہش کو ختم کر کے اعلیٰ خواہش کو پیدا کرنا ہی انسان کا فریضہ ہے کیونکہ خواہش کا تعلق نفس سے ہے اور خواہشاتِ نفس کو استقرار نہیں پھر خواہشات کا ایک جمِ غفیر ہر خواہش کے پیچھے قطار میں لگا ہوا ہے کہ ایک کی تکمیل ہو تو دوسری خواہش کا نمبر آئے بعض خواہشات مقدم و مئوخر بھی ہوتے رہتے ہیں بلکہ نفسِ انسانی خواہشات کو ہمیشہ متغیر کرتا رہا ہے پھر اس کی فطرت میں ہے کہ جب تک حواسِ خمسہ وغیرہ خواہشات کے اسیرِ زلفِ گرہ گیر رہتے ہیں یہ نفس حواس واعضاء کو ہمیشہ انتظار کا شکار بنائے رکھتا ہے یہ بھی ہے کہ نفس کو پابندی میں اپنی موت نظر آتی ہے قید و بند کے صعوبات سے انتہائی متنفر ہے نفس کے لئے سب سے بڑی اذیت ''پابندی اور ارتکاز'' ہے یہ نفس ایک آوارہ بچے کی طرح مادر زاد آزادی چاہتا ہے ایک ڈیکٹیٹر کی طرح زندگی گزارنا چاہتا ہے اور اپنی آزادی سلب ہونے میں یہ اپنی موت سمجھتا ہے
دوستو! میں اب نفس کو ایک اور زاویے سے متعارف کرواتا ہوں یعنی فطرت نفس کے زاویے سے روشنی ڈال رہا ہوں
جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ نفس ''ارتکاز'' کو زہرِ قاتل سمجھتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ زبان کچھ کہتی رہے، دماغ کچھ اور سوچے، کان اس کے علاوہ سنے، آنکھ دوسری چیز دیکھے مثلاً ایک شخص مصروفِ نماز ہے زبان الحمد پڑھ رہی ہے اور دماغ انارکلی میں مٹر گشت کر رہا ہے، کان باہر بجنے والے ریکارڈ سن رہے ہیں اور آنکھ بیقرار ہے کبھی سجدہ گاہ کو دیکھتی ہے کبھی بند ہو جاتی ہے کبھی سامنے والی دیوار پر دوڑتی ہے جسم تو

قیام قعود کی ایکسر سائز کر رہا ہے اور شعور کو اس وقت پتہ چلتا ہے جب نفس اختتام ِ نماز کا اعلان کرتا ہے اور پھر مسجد سے بھاگنے کا حکم دیتا ہے

اب اس نفس صاحب کی شرارت دیکھیں کہ اس نے کس طرح ایک پنتھ سے دس کاج وابستہ کر لئے ہیں ایک تیر سے کس طرح بیس شکار کر رہا ہے؟

ارتکاز

نفس کو زیر کرنے کا واحد عمل ارتکاز ہے کیونکہ یکسوئی اور ارتکاز ایک طرح کی پابندی ہے اور پابندی نفس کی موت ہے اب اگر کوئی صاحبِ دل حوصلہ پیدا کرے کہ اس سے جزوی آزادی سلب کر لے تو پھر یہ رشوت دیتا ہے اور آزادی کو سلب نہیں ہونے دیتا یعنی کوئی شخص کسی عضو بدن میں ارتکاز پیدا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے تو یہ اس عضو بدن سے متعلقہ قوت اسے رشوت میں دے کر آزادی بچا تا ہے

مثلاً کوئی شخص ایک طویل عرصے تک آنکھ کو آوارہ گردی سے بچا کر ایک نقطے پر مرکوز کر دیتا ہے یا شمع بینی کرتا ہے تو نفس اپنی مقبوضہ قوت ''تنویم نظر'' دیکر اپنی آزادی بچا لیتا ہے اور انسان ہپناٹزم Hypnotism کے کارناموں میں الجھ کر رہ جاتا ہے کیونکہ آنکھ کو ایک نقطے پر مرتکز رکھنے سے نفس کو بڑی اذیت ہوتی تھی اس لئے اس نے قوتِ چشم اسے دے کر خرید کر لیا اور مجبوراً اسے انسان کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑا اور یہ قوت دینے کے باوجود کوشش کرتا ہے کہ یہ قوت انسان کے پاس بھی رہے اور تصرف میرا رہے

ایسے ہزار ہا واقعات دکھائے جا سکتے ہیں کہ کن لوگوں کو اس نے قوتِ نظر دی پھر

تنویمِ نظر سے معجزات دکھا کر ادعائے نبوت تک لایا

جیسا کہ نخشب نامی ایک شخص کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خورشید بینی کیا کرتا تھا اور پلک جھپکائے بغیر صبح سے شام تک سورج کو دیکھتا رہتا تھا آخر میں اندھا ہو گیا مگر اس نے خورشید بینی کو ترک نہیں کیا پھر اسے دوبارہ نظر مل گئی مگر اتنی طاقتور نظر ملی کہ جس آدمی کی آنکھ میں آنکھ ڈال دیتا تھا تو پھر مقابل کی آنکھیں پگھل کر باہر آجاتی تھیں اس طرح اس نے محیر العقول مظاہرے کیئے اور آخر میں نبی بن بیٹھا اور اس طرح نفس نے اسے جہنم کا ایندھن بنا دیا

اس بات سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کے محیر العقول کارنامے دیکھ کر اسے ولی اللہ یا نبی نہیں مان لینا چاہیے یہ تو اس کی اپنی قوتیں ہیں جو کارنامے دکھا رہی ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ یہ کام سارے لوگ نہیں کر سکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے اپنی تنویمِ نظر نفس کو ہبہ کر رکھی ہے جب کوئی انسان کسی قوت کو واپس لیتا ہے تو یہ قوت واپس آجاتی ہے

جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا تو ان دنوں اخبار میں ایک خبر لگی تھی ''دروغ بر گردن''

اخبار میں خبر اس طرح تھی کہ ایک یہودی نے ٹی وی پر اپنے ہپناٹزم کا مظاہرہ کیا اور تنویمِ نظر سے سپونز Spoones (چمچے) ٹیڑھے کر کے دکھائے ویسے تو یہ عام کھیل ہے مگر اس میں انفرادیت یہ تھی کہ جب اس نے چمچے ٹیڑھے کرنے کا مظاہرہ کیا تو اس نے ناظرین سے کہا کہ ٹی وی کے سامنے بھی اگر کوئی چمچہ پڑا ہوگا تو وہ بھی ٹیڑھا ہو جائے گا اس طرح پورے ملک میں جہاں بھی یہ مظاہرہ دیکھا گیا اور ٹی وی کے سامنے چمچے رکھے گئے تو انہیں وہاں ٹیڑھا پایا گیا

الغرض اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہپناٹزم کو کھیل تماشے سے آگے سرجیکل میدان تک وسعت دی گئی ہے اور کراچی میں ایک شخص نے بینک سے چیک کیش کروانے والے کو ہپناٹز Hypnotise کر کے لوٹ لیا انہی وجوہات کی بنا پر آج برطانیہ میں مسمرازم Mismyrism پر قانونی طور پر پابندی عائد ہے یہ سب امور بتا رہے ہیں کہ ارتکاز نظر سے انسان کو ایک بہت بڑی قوت مل جاتی ہے کیونکہ نفس کی موت ارتکاز ہے اور نفس سے مقبوضہ قوتوں کو واپس لینے کا واحد ذریعہ بھی ارتکاز ہے یعنی ارتکاز جس عضو سے بھی متعلق ہوگا اس کی قوت واپس مل جائے گی

اس علم کا ماخذ کیا ہے اس پہ بعد میں روشنی ڈالی جائے گی

جملہ روحانی علوم کی بنیاد اس ارتکاز کے کلیے پر استوار ہے قدیم عامل اور ماہرینِ روحانیات اس بات کو بہت پہلے سمجھ گئے تھے کہ نفس کو تسخیر کرنے کا واحد ذریعہ ارتکاز ہے اور باقی جو مشقیں ہیں اس ارتکاز کے حصول کے لئے ہیں اب دیکھیں ہمارا اسلامی علم العملیات بھی اسی کلیے پر بنا ہے۔

علم العملیات

اصل قوت ارتکاز کی ہے یعنی یکسوئی جسے کن سن ٹریشن Consentration بھی کہتے ہیں یہی چیز ہی قوت وطاقت کا سرچشمہ ہے اب جس کا جی چاہے وہ جس چیز پر ارتکاز کرے یعنی چاہے تو آیات پر ارتکاز کرے چاہے تو لغو وبے ہودہ فقروں پر کر لے ہرصورت ارتکاز سے قوت ضرور مل جائے گی

یہی وجہ ہے کہ ہم بنگال کے جادو مصر کے جادو افریقہ روم ہندوستان کے جادوگروں

کے قائل ہیں اور ساتھ ہی قرآن مقدس نے بھی جادو کے اثرات کی نفی نہیں فرمائی ویسے تو جادو کی کئی اقسام ہیں مگر سب کے حصول کا ذریعہ یہ ارتکاز ہے ہم جادو کے اثرات کی شرعی توجیہ اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ ہم اسے ارتکاز سے وابستہ کر کے نفس کا ایک قوی تر فعل قرار دیں ورنہ کلام پاک اور جادو میں فرق باقی نہ رہے گا اور کہانت اور جادو کو انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے ممیّز نہیں کیا جا سکے گا کیونکہ افعالِ خوارق میں یکسانیت کا پہلو اتنا غالب ہے کہ عوام نے بھی خود انبیاء علیہم السلام کو جادوگر سمجھا اس سے ماننا پڑے گا کہ اصل قوت ارتکاز کی ہے

ایک لطیفہ عرض کرتا چلوں کہ ایک دیہاتی صاحب ہمارے ایک مہربان کے پاس تشریف لائے جن کا نام تھا حسین بخش گوڈل ان سے دیہاتی نے کہا حضور آپ صاحب علم وفن لوگ ہیں مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ میری شادی ہو جائے میری شادی میں بڑی رکاوٹیں ہیں لاکھ کوشش کے باوجود ذرا بھر امید نہیں تو انہوں نے مذاق کیا اور کہا کے تم چالیس دن ایک عمل کرو یعنی رات کو اپنی چھت پر چڑھ جاؤ اور ایک ورد بتاتا ہوں تین ہزار مرتبہ اس ورد کو پڑھو ورد یہ ہے ''یا رب مجھ لنڈ وے کو دم والا بنا دے'' انشاء اللہ تمہاری شادی ہو جائے گی

اس دیہاتی نے عمل شروع کر دیا نتیجہ یہ نکلا کہ چالیس دن بھی پورے نہیں ہوئے تھے اس کی شادی طے ہوگئی اور اکتالیسویں دن اس کی شادی ہوگئی اب آپ فیصلہ کریں کہ اس مندرجہ فقرے میں کونسا جادو بھرا ہوا تھا کہ اس کی شادی ہوگئی

یوں سمجھ لیں کہ اگر کسی نے زبان کو آوارہ لغویات سے روک دیا اور ایک مخصوص لفظ یا عبارت پر مرتکز کر دیا تو نفس زبان کو قوت عطا کر دیتا ہے اس ارتکازِ لسان کو علم

العملیات کہتے ہیں

سچ تو یہ ہے کہ ارتکازِ لسان ہی قوت کا سرچشمہ ہے یہی وجہ ہے کہ علم العملیات کے ماہرین حروفِ تہجی کی زکوٰۃ نکالنے کی سفارش کرتے ہیں کہ مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ سوا لاکھ مرتبہ الف الف بائے بائے جیم جیم پڑھے اس سے زبان میں اثر پیدا ہو جائے گا اور ماہرین العملیات نے تو پورے کلام پاک کو جادوٹونے کی کتاب بنا دیا ہے کہ فلاں آیت ''حب'' کے لئے ہے، فلاں ''بغض'' کے لئے ہے، فلاں آیت تسخیر کے لئے ہے، فلاں آیت فلاں مرض کے لئے وغیرہ وغیرہ لیکن اصل بات ارتکاز ہے ہاں یہ بات ہے کہ اگر ارتکازِ لسان کلامِ مقدس کے آیات پر کرلیا جائے تو عبادت کی عبادت بھی ہے اور ارتکاز کا ارتکاز بھی ہے کیونکہ کلام پاک کی تلاوت بھی عبادت ہے

اگر کسی منتر وغیرہ پر ارتکاز کرلیا جائے تو نفع بخش وہ بھی ہے یعنی قوت کا حصول اس سے بھی ممکن ہے مگر ہے گناہ کیونکہ لغویات پر ارتکاز ہو رہا ہے مگر ارتکاز کی قوت سے انکار ممکن نہیں ہے اس طرح ارتکاز کا ایک اور شعبہ ہے جو ہاتھ سے متعلق ہے اس کا نام ہے علم التعویذات۔

علم التعویذات

کچھ لوگ آیات یا آیات کے اعداد پر ارتکاز کر لیتے ہیں اور وہ علم التعویذات کے ماہر بن جاتے ہیں ہندو دھرم کے تعویذات کو جنتر کہتے ہیں یعنی ہاتھ سے لکھے جانے والے اثر انگیز نقوش کو جنتر کہتے ہیں اور زبان سے پڑھے جانے والے اثر انگیز

فقروں کو منتر کہتے ہیں اور ٹونے ٹوٹکے کو تنتر کہتے ہیں یعنی ہندو عملیات جنتر منتر تنتر پر مبنی ہے اور پاکستان میں جنتریوں کا وجود بتا رہا ہے کہ ہندو اثرات اب بھی وجود میں ہیں اس پہ بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر طوالت کے پیش نظر ترک کر رہا ہوں۔

بلور بینی CRYSTALLO MANEY

یہ ایک علیحدہ علم ہے جس میں بلور کا ایک گولہ لے کر اس پر ارتکاز کیا جاتا ہے اور اس میں مستقبل دیکھا جاتا ہے۔

پتی بینی TASSO GRAFHRY

'یہ علم ایسا ہے کہ چائے کی پیالی میں جو چائے کی پتی رہ جاتی ہے اس پر ارتکاز کر کے مستقبل کے حالات بتائے جاتے ہیں اسی طرح مسٹر ناسٹروڈامس ایک پیالے میں کوئی محلول ڈال کر اس پر ارتکاز کیا کرتا تھا اور اسے اس میں مستقبل نظر آتا تھا اور اس کی ایک ہزار پیشگوئیاں آج پوری دنیا میں مشہور ہیں۔

پراسرار علوم

ریاضتِ نفس سے ہر ناممکن ممکن بن جاتا ہے کیونکہ جب نفس مسخر ہو جاتا ہے تو ہر چیز امکان میں آجاتی ہیں تسخیر نفس سے وہ قوتیں جو نفس نے چھپا رکھی ہوتی ہیں وہ واپس مل جاتی ہیں اور یہی پراسرار علوم کہلاتے ہیں

کیونکہ انسان خالق کی وہ تخلیق ہے کہ جسے خود خالق بہ کلامِ خویش ''فی احسن تقویم '' کہتا ہے کہ یہ وہ عظیم مخلوق ہے کہ اس کا قوام ہی بہترین ہے اور اسی انسان

پر فخر یہ کہتا ہے وہ ''احسن الخالقین'' ہے کیونکہ احسن تقویم کا خالق بھی احسن الخالقین ہونا چاہیے۔

اللہ نے اس انسان کو اپنے حسنِ تخلیق کا شہکار بنا کر بھیجا ہے اور اس ظاہری انسان کے پردے میں سینکڑوں باطنی قوتوں کا خزانہ بھر دیا ہے اور اس عظیم خزانے پر انسان نے خود ایک سیاہ ناگ بٹھا رکھا ہے جس کا نام ہے نفس اور اسی نے سبھی قوتیں دبا رکھی ہیں اور خود انسان کو بھی خبر نہیں ہونے دیتا کہ اس کے اندر کتنے دفائین موجود ہیں نفس کی پہلی اور آخری خواہش ہوتی ہے کہ ان قوتوں پر مکمل قبضہ اسی کا ہو اور ان قوتوں کے استعمال کی اسے کھلی آزادی حاصل رہے۔

انسان جیسے جیسے ارتکاز سے اسے پریشان کرتا ہے یہ موت کے خوف سے قوتیں واپس لوٹانا شروع کر دیتا ہے

ارتکازِ چشم سے ''تنویم نظر'' واپس کرتا ہے، ارتکازِ ید سے یدِ بیضا لوٹا دیتا ہے ارتکازِ لسان سے کھویا ہو دمِ عیسیٰ علیہ السلام مل جاتا ہے اصل منزلِ بشر ہے ان قوتوں کی آزادی یعنی انسان اپنی مخفی قوتوں کو نفس کے چنگل سے آزاد کروائے۔

ٹیلی پیتھی

اسے خیال خوانی بھی کہا جاتا ہے اس کے حصول سے انسان دوسروں کے دماغ میں اتر سکتا ہے یعنی دوسرے کے دماغ کی زمین میں اپنے خیالات کاشت کرسکتا ہے سینکڑوں ہزاروں میل دور تک اپنے پیغامات دوسروں تک پہنچا سکتا ہے اس علم پر مارکیٹ میں بیسیوں کتب Available ہیں جن سے استفادہ ہوسکتا ہے یہ قوت بھی

ارتکاز کی وجہ سے انسان اپنے نفس سے حاصل کرتا ہے یعنی اس کی مشقیں بہت مشکل ہیں مگر اثرات بہت بہتر ہیں اس میں شمع بینی کی جاتی ہے حبس دم تو ایک مشہور و معروف علم کا سرچشمہ ہے یعنی یوگا کی جملہ ورزشیں اس ٹیلی پیتھی میں معاون ہیں اس لئے یوگا کے ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر حبس دم کو تصوف سے نکال دیا جائے تو پھر تصوف میں اثر پذیری رکھنے والا کچھ نہیں بچتا یعنی پھر تصوف بیکار ہے اگر چہ یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ یہ چیزیں بنیادی طور پر تصوف کی ہیں اس لئے ان کا اس پر دعویٰ باطل ہے مگر اس بات سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ارتکاز اعضاء حواس سے قوتیں حاصل کی جا سکتی ہیں اور ارتکاز ہی انسان کو بظاہر ولی بنا دیتا ہے۔

قارئین آپ نے علیحدہ علیحدہ اعضاء کے ارتکاز سے حاصل ہونے والی قوتوں کا اندازہ کرلیا ہے اب خود سوچیں جن لوگوں نے مکمل اعضاء حواس پر ارتکاز کرلیا ہو ان کی قوت کیا ہو گی؟ میں سمجھتا ہوں کہ اگر انسان ارتکاز کلی حاصل کر لے نفس کی مغصوبہ قوتیں اس سے مکمل طور پر چھین لے تو پھر وہ کائنات پر متصرف ہوسکتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ عرفانیات کے سفر میں نفس کو قید کر لینا پہلی منزل ہے تسخیر نفس انسان کو ولی بنا دیتی ہے صوفیائے کرام کے اوراد و اذکار و اشغال وغیرہ کو قریب سے دیکھیں تو آپ کو یہی فلسفہ نظر آئے گا کہ جو اعمال وہ کرتے ہیں جو اشغال انہوں نے وضع کیے ہیں وہ نفس کی بلند فصیلوں پہ کمندیں ڈالنے والے ہیں اس اجیت قوت کو زیرِ نگوں لانے کے بہترین ذرائع ہیں کیونکہ ریاضتِ نفس ایک اہم ترین سنگِ میل ہے جس سے منزل کا تعین آسان ہو جاتا ہے کیونکہ نفس ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے

جب نفس کے ہاتھ سے قوتوں کے خزانے نکل جاتے ہیں تو یہ مسخر ہو جاتا ہے اس کی

تسخیر منزل کی طرف پہلا قدم ہے ہاں اس کی تسخیر کے بھی کچھ مرحلے ہیں اس نفس کی تسخیر تک بھی چند سنگِ میل ہیں جن سے اس کی تسخیر کو پہچانا جا سکتا ہے

سب سے پہلی سیڑھی تو ہے اس کی خواہش کو سمجھنا اس کی خواہشات کی پہچان اور اس کی تسخیر کا عزمِ قوی اس کے بعد ہے ''تزکیہ نفس'' نفس کے بعد ہے ''مجاہدہِ نفس'' پھر ہے ''تسخیرِ نفس'' اور آخری منزل ہے ''قتلِ نفس'' اس کے بعد ہے منزلِ مقصود لیکن یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ تسخیرِ نفس کی منزل اتنی اونچی نہیں کہ اولیا اللہ کے علاوہ کوئی نہ جا سکے بلکہ اس منزل تک ہر شخص بلا امتیازِ مذہب و ملت پہنچ سکتا ہے

تسخیرِ نفس

تسخیرِ نفس کی منزل وہ منزل ہے کہ جہاں تک بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شخص جا سکتا ہے کیونکہ نفس کو تسخیر کرنا صرف اسلام ہی میں مفید نہیں بلکہ ہندو، بدھ مت، عیسائی، یہودی حتیٰ کہ لا مذہب بھی اس سے استفادہ کر سکتا ہے اور ماورائی قوتوں کو حاصل کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق میں ہزاروں واقعات پھیلے ہوئے ہیں کہ غیر مذاہب کے لوگوں نے تسخیرِ نفس سے وہ قوتیں حاصل کیں کہ اہلِ اسلام بھی ریجھ گئے مثلاً دورِ آئمہ علیہم السلام ہی کو دیکھ لیں بنی عباس کے حکمرانوں کو بار بار ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا رہا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے دربار میں آ کر اپنے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا ہزاروں لوگوں نے امتحان لئے درست پایا کہ واقعی وہ غیب کی خبریں دیتا تھا اور ہر خبر عین واقعے کے مطابق تھی وہ شخص ہندو تھا اسی کے زیرِ اثر اہلِ اسلام میں سے سینکڑوں کی

تعداد میں لوگ ہندو دھرم کو اپنانے لگے نام نہاد خلیفہ وقت کا دماغ چکرا گیا آخر بابِ مدینتہ العلم پہ دستک دینا پڑی کہ اے وارث و مالکِ تطہیر آپ کے اجدادِ طاہرہ کا دین ہے اور اب رسوائی کا سامنا ہے

محافظانِ اسلام کے ساتویں تاجدار علیہ الصلوات السلام کے حضور جب یہ عریضہ پیش ہوا تو بنفسِ نفیس وہاں تشریف لے گئے اور اس ہندو کو سامنے بٹھا کر فرمایا میں ہاتھ دراز کر رہا ہوں جب ہاتھ واپس آئے تو بتانا کہ اس میں کیا ہے اس نے قبول کیا آپ نے دست مبارک دراز فرمایا مٹھی بند ہوئی وہ بند مٹھی اس کے سامنے لا کر فرمایا بتاؤ اس میں کیا ہے؟

اس نے عرض کی آقا یہاں سے سینکڑوں میل دور ایک پہاڑ ہے اس کی ایک کھوہ میں ایک چھوٹے سے پرندے نے دو انڈے دیئے ہیں ان میں سے ایک آپ کے دست مبارک میں ہے شہنشاہِ کائنات علیہ الصلوات السلام نے ہاتھ کھولا تو واقعی ایک چھوٹا سا انڈا تھا تو ثابت ہوا کہ اس کا علم درست تھا امام کائنات علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا کہ اچھا تم یہ انڈہ لو اور وہیں واپس رکھ دو جہاں سے ہم نے اٹھایا ہے یہ سن کر اس نے سر جھکا کر اقرارِ عجز کیا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے تو فرمایا کہ دیکھو جہاں تک تمہارا علم کام کرتا ہے وہاں تک ہمارا ہاتھ جا سکتا ہے وہ فوراً قدموں میں گر گیا اور کلمہ بھی پڑھ لیا اس کے بعد سرکارؐ نے فرمایا ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں یہ بات، یہ قوت کہاں سے ملی، کیسے حاصل ہوئی ہے تو اس نے عرض کیا آقا یہ قوت مجھے تسخیر نفس سے حاصل ہوئی ہے نفس کی مخالفت نے مجھے یہ علم دیا ہے

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ تسخیرِ نفس سے کفار اور بت پرستوں کو بھی مافوق

الفطرت قوتیں حاصل ہوسکتی ہیں ایسے ہزاروں واقعات ہیں صرف ایک دو واقعات اپنی دلیل کے لئے پیش کرتا ہوں

سید مہدیؒ بحرالعلوم قزوینی جو اپنے وقت میں مرجع الناس تھے ان کا ایک واقعہ ہے کہ ان کے دور میں بادشاہِ وقت کے سامنے ایک عیسائی نے علم غیب کا دعویٰ کیا جو بار بار امتحان پر بھی صحیح ثابت ہوا نتیجتاً کافی لوگوں نے اس کا مذہب قبول کرلیا تا اینکہ سید مہدیؒ بحرالعلوم کو بلایا گیا آپ جب پہنچے تو اپنی ہی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پوچھا میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ پہلے یہ بتائیں کہ یہ آپ کو کہاں سے حاصل ہوئی ہے انہوں نے بار بار پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے بھی بار بار اصرار کیا کہ یہ بتائیں کہ یہ آپ کو کہاں سے حاصل ہوئی ہے آخر اس نے بتایا کہ آپ کے ہاتھ میں ارضِ جنت کی خاک ہے آپ نے ہاتھ کھولا تو خاکِ کربلا کی سجدہ گاہ تھی اسے وہ خاک دکھا کر فرمایا تمہارے بقول یہ خاکِ جنت ہے تو پھر تو جنت کو چھوڑ کر کہاں بھٹک رہا ہے اس نے کلمہ پڑھ لیا اور بتایا کہ یہ علم اسے خواہشات نفس کے خلاف لڑنے سے حاصل ہوا ہے

ماضی بعید کو چھوڑیں ماضی قریب کا واقعہ دیکھیں اس ایٹمی دور میں ایک شخص نے لندن میں اعلان کیا کہ میں لوہا پگھلانے والی بھٹی میں داخل ہوسکتا ہوں مدعی تبت کا نان مسلم تھا اس نے مظاہرہ کیا اور بھٹی روشن ہوئی جب درجہ حرارت 500 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچا تو وہ شخص بغیر کپڑے اتارے اس بھٹی میں داخل ہوگیا تقریباً آدھ گھنٹہ بھٹی میں رہا اس کے کپڑوں کا ایک تار بھی نہ جلا جبکہ بکرے کی ایک ٹانگ اس بھٹی میں ڈالی گئی تو فوراً ہی وہ کوئلہ ہوگئی

اب اس پہ خود سوچیں یہ کون سی قوت ہے؟
ایک شخص نے ایک وقت میں یورپی ممالک کے مختلف شہروں میں چار افراد سے ملاقات کی اور وقت ایک ہی تھا ایک کو جرمنی میں ایک کو برطانیہ میں ایک کو سوئیزر لینڈ اور ایک کو سپین میں ملا سبھی کا وقتِ ملاقات ایک ہی تھا ایک شخص بیک وقت چار مقامات پر کیسے ملاقات کر سکتا ہے خود یورپین سائنسدان حیران ہیں مگر یہ تسخیر نفس کا محیر العقول واقعہ ہے جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا
یہ واقعہ جو میں اب لکھ رہا ہوں یہ خود ہمارے قریبی شہر لیہ کا ہے یہاں ایک ہندو تھا جو تحصیل کلومیل علاقہ مجسٹریٹ تعینات تھا اس کا نام تھا 'کنول نین' یہ میرے چچا جان کا دوست بھی تھا اور یہ کنول نین رائے بہادر تلوک چند ڈی سی کا بیٹا تھا لیہ شہر میں ایک اس کی کوٹھی بھی تھی جو اب گورنمنٹ گرلز ہائی سکول میں تبدیل کر دی گئی ہے وہ یہاں کا رہنے والا تھا اسے ٹی بی ہو گئی ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ تم کسی ''ہل اسٹیشن'' پر چلے جاؤ جہاں ہوا کا دباؤ کم ہو وہ فوراً کانگڑا تحصیل کلو چلا گیا جو مری ہلز کے برابر اونچی جگہ ہے وہاں اس نے سرکاری ریسٹ ہاؤس میں قیام رکھا وہاں گرمیوں کی وجہ سے اس وقت کا گورنر پنجاب جو انگریز تھا وہ بھی قیام پزیر تھا
انگریز گورنر اور ہندو مجسٹریٹ کے درمیان دورانِ قیام مذہب کی بحث چل نکلی گورنر عیسائیت کو صحیح مذہب قرار دیتا تھا جبکہ ہندو مجسٹریٹ ہندوازم کے حق میں دلائل دیتا تھا ایک دن ہندو مجسٹریٹ سیر کرتے ہوئے ریسٹ ہاؤس سے ذرا دور نکل گیا آسمان پر بادل آ گئے اور بارش ہونے لگی ریسٹ ہاؤس دور تھا قریب ہی اسے ایک جھونپڑا نظر آیا وہ پناہ لینے کی خاطر اس جھونپڑے کے قریب گیا دیکھا کہ ایک سادھو

آسن جمائے آلتی پالتی مارے مصروفِ ریاضت ہے مجسٹریٹ کے پناہ طلب کرنے پر اس ہندو سادھو نے پوچھا مہاراج بندہ آپ کی کیا سیوا کرسکتا ہے؟ مجسٹریٹ نے جواب دیا کہ میں مریض آدمی ہوں مجھے اس سردی میں گرم چائے کی ضرورت ہے مگر وہ آپ کی جھونپڑی میں کہاں؟

ہندو جوگی نے مجسٹریٹ کو جھونپڑی کے اندر جانے کا اشارہ کیا مجسٹریٹ جھونپڑی میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایک میز کرسی لگی ہے اور ایک آدمی کے لئے گرما گرم چائے رکھی ہے اس نے چائے نوش کی اور سادھو کا شکریہ ادا کرکے واپس ریسٹ ہاؤس پہنچ گیا اب انگریز گورنر کے سامنے اس نے ہندوازم کے حق میں پرزور دلائل دیئے اور ہندو سادھو کا واقعہ بطور مثال سنایا کہ وہ بھگوان کے کس قدر قریب ہے اس بحث میں ہر دو نے فیصلہ کیا کہ ایک مرتبہ دونوں اکھٹے جا کر ہندو سادھو کے چمتکار کا معائنہ کریں گے چنانچہ وہ دونوں مل کر پہاڑی کے دامن میں ہندو سادھو کے پاس پہنچے

انگریز گورنر نے فرمائش کی کہ میں کرامات تب تسلیم کروں گا اگر ہندو سادھو انگلینڈ کے فلاں ہوٹل سے ہمارے لئے اسی وقت کھانا منگوا دے ہندو سادھو نے ہر دو کو جھونپڑے کے اندر جانے کا اشارہ کیا مجسٹریٹ اور گورنر صاحب جب جھونپڑے کے اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو آدمیوں کے لئے واقعی انگلینڈ سے منگوایا ہوا کھانا رکھا ہے کراکری وغیرہ پر اسی ہوٹل کا نام بھی لکھا ہوا ہے جس ہوٹل کے کھانے کی انگریز گورنر نے فرمائش کی تھی المختصر انگریز گورنر نے تاریخ اور وقت نوٹ کرلیا کھانے سے فارغ ہو کر اسی پہاڑی پر وہ سیر کرتے ہوئے ذرا اور آگے گئے تو

کچھ فاصلے پر انہیں اسی طرح کا ایک اور ہندو آلتی پالتی مارے بیٹھا نظر آیا یہ دونوں اس کے پاس پہنچے اور اس سے مہمان داری چاہی ہندو سادھو نے کوئی شئے پیش کرنے کی بجائے بیزاری سے معذرت طلب کی اور کہا کہ وہ اس پہاڑی علاقہ میں گوشہ نشین ہے اور کچھ پیش نہیں کرسکتا اس جواب پر ہر دو نے کہا کہ پہلے ہندو سادھو نے تو ان کی خوب خاطر مدارت کی ہے یہ سن کر ہندو سادھو چونکا اور پوچھا کہ کس نے دعوت کی ہے انہوں نے پہلے سادھو کا بتایا تو یہ سادھو سخت برہم ہوا اور پہلے والے کی طرف یہ کہتا ہوا لپکا کہ ''وہ کون ہوتا ہے ہمارے راز افشا کرنے والا'' وہ لپکتا بھاگتا سیدھا اس کے پاس پہنچا یہ دونوں بھی اس کے پیچھے بھاگے لیکن سادھو ان دونوں سے پہلے راستے کی پروا کئے بغیر وہاں پہنچ چکا تھا جب یہ دونوں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دوسرا سادھو پہلے والے سادھو کو قتل کر چکا تھا۔ دوسرے سادھو کے اس جرم سے یہ دونوں افسران چشم پوشی نہ کر سکتے تھے اسے ان کے کہنے پر گرفتار کرلیا گیا اور اس پر مقدمہ قتل چلایا گیا

جس دن عدالت میں اس سادھو کی پیشی ہوتی ہے اس کو ہتھکڑی لگا کر کچہری میں لاتے ہیں سادھو کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوتی ہے اور زنجیر کا دوسرا سرا پولیس کانسٹیبل کی بیلٹ میں ہوتا ہے کچہری کے احاطہ میں بیٹھ جاتے ہیں سماعت میں کچھ دیر ہوئی سادھو نے کانسٹیبل سے کہا مجھے سردی لگ رہی ہے کمبل دو اسے کمبل فراہم کیا گیا وہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا کچھ دیر بعد جب سماعت کے لئے آواز پڑتی ہے تو پولیس مین سادھو کو جگانے کے لئے ہتھکڑی کی زنجیر ہلاتا ہے زنجیر کانسٹیبل کے ہاتھوں میں آجاتی ہے کمبل ہٹاتا ہے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ سادھو غائب ہے

بعد میں انگریز گورنر نے انگلینڈ کے اس ہوٹل سے بذریعہ ٹیلی فون تصدیق کی کہ اس تاریخ کو اس خاص وقت میں یہاں سے کوئی کھانا لے کر گیا تھا تو ہوٹل کی انتظامیہ نے تصدیق کی کہ واقعی ایک سادھو مذکورہ وقت پر دو آدمیوں کا کھانا لے کر گیا تھا اب آپ خود سوچیں کہ یہ کارنامہ کس کا ہے؟ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تسخیرِ نفس جملہ اقوام و مذاہب کے لئے یکساں مؤثر ہے

ماورائے النفسیات (پیراسائیکالوجی)

یہ علم جدید دور میں متعارف ہوا ہے اس کی بنیاد بھی ارتکاز پر ہے اور اس سے مادی چیزوں کو ذہن کے تصور سے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس کا مظاہرہ یہاں تک ہوا ہے کہ روسی پیراسائیکالوجرز نے تو میزائل وغیرہ بھی ذہن سے کنٹرول کر کے ٹارگٹ پر پہنچائے ہیں اس لئے یہ علوم روسی یونیورسٹیز میں بھی پڑھائے جا رہے ہیں

تیسری آنکھ (Third Eye)

یہ علم امریکہ میں پڑھایا جا رہا ہے اور اس سے انسان میں ایک غیبی تیسری آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ پوری دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے اس دور میں اس کے واقعات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں یہ بھی ارتکاز ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمهم
عجل الله فرجه الشریف و صلوات الله علیه

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 11

روحانیت اور ارتکاز

اے جویندگانِ رازِ عرفان!

دنیا کے جتنے مذاہب ہیں ان میں روحانیت کے حصول کا ذریعہ ارتکاز ہی ہے مگر یہ بات انہوں نے راز کی طرح مخفی رکھی تا کہ کسی نا اہل کے ہاتھوں میں یہ تلوار نہ آئے تا کہ کوئی بے گناہ نہ مارا جائے یعنی کسی نادان کو کوئی دینی طور پر ہلاک نہ کر دے

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس ارتکاز کو سب سے پہلے کس نے مذہب کی دنیا میں دریافت کیا تا کہ ہم ارتکاز کو اس مذہب کی پراپرٹی کہہ سکیں

اس کا جواب یہ ہے کہ کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ سچ کو سب سے پہلے دین کا حصہ کس نے قرار دیا تھا؟ اسی طرح ہزاروں سچائیاں ہیں جو جملہ مذاہب کا حصہ ہیں مگر کسی مذہب کی پراپرٹی بھی تصور نہیں کی جا سکتیں اسی طرح یہ بھی ایک سچائی ہے جو آفاقیت کی حامل ہے جس پر کوئی خاص مذہب اپنا استحقاق نہیں جتلا سکتا۔

ہم زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سچائی جناب آدم علیہ السلام اپنے ساتھ لائے تھے اور ان سے وارثت میں اولاد کو یہ ارتکاز ملا کیونکہ ہم ماضی قدیم میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو ہمیں جناب نوع سے ارتکاز کے شواہد ملتے ہیں مگر اس کی واضع تصویر

جناب ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نظر آتی ہے اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو سارے مذاہب کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ یہی ارتکاز رہا ہے اس لئے اولڈ ٹیسٹا منٹ Old Testament میں جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے ارتکاز کے واضح شواہد ملتے ہیں پانچ چھ سو سال قبل مسیح کے جتنے مذاہب ہیں ان میں ارتکاز خواصِ مذہب کا خاصہ رہا ہے جیسے بدھ ازم ہے یا ہندو ازم ہے یا جین ازم ہے یا زرتشت ازم ہے ان میں ارتکاز کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس زمانے کی مقدس کتابوں میں یوگ و دیا (آسمانی قوتوں کی ملاقات کا علم) پران یا ما (حصولِ روح) گیان دھیان جیسی اصطلاحات کو ہر بچہ جانتا ہے آگ پر ارتکاز (جس پر شمس بینی کی بنیاد ہے) زرتشت کے ہاں واضح نظر آتی ہے سورج پر ارتکاز (جس پر شمس بینی کی بنیاد ہے) ہندو دھرم میں واضح نظر آتا ہے یکسوئی اور مراقبہ (جسے حضورِ قلب کہتے ہیں) بدھ ازم کا آج بھی حصہ ہے جبس دم یوگا کا حصہ ہے۔

علمِ روحانیت

اسے عربی میں علم الاشتراق کہتے ہیں لاطینی میں میگنزم کہتے ہیں یہ دیگر مذاہب کی طرح اسلام میں بھی خاص اہمیت کا حامل رہا ہے لیکن اسلام نے اس میں ایک ترمیم کی وہ یہ ہے کہ اس سے قبل کے سارے مذاہب میں جب کوئی اس علم کو حاصل کرتا تھا تو اس کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ ترک دنیا کرے اور ذرائع معاش سے بھی منہ موڑ لے اور رہبانیت اختیار کر لے مگر اسلام نے امور دنیا میں سے ایک وقت مخصوص کرنے کا حکم دیا یعنی اپنی دنیا کو بھی ترک نہ کریں اور اس کی خیر و خوبی کو

سامنے رکھیں اور روحانیت کو بھی حاصل کریں جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سال میں ایک مرتبہ غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کچھ وقت خود کو عبادت کے لئے وقف فرماتے اور اسی طرح اصحاب کرام کو بھی اعتکاف وغیرہ کا حکم دیا جاتا تھا دراصل یہ بھی اسی روحانیت کے حصول کا ایک درس تھا جو ان کے صاحبان اسرار تھے انہیں تو اس کی بہت تاکید تھی اور کچھ نے تو خود کو اس قدر حصول روحانیت میں مصروف رکھا کہ ان پر روحانیت کے فتوے بھی لگے اور مسلمان خلفاء نے انہیں اس جرم میں سزائیں بھی دیں جیسا کہ جناب سرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حذیفہ سلام اللہ علیہ پر یہی جرم عائد کیا گیا تھا اور جناب ابوذر سلام اللہ علیہ کو بھی اس کی سزا بھگتنی پڑی ان کے بعد جو سلسلہ طریقت کے بانی تھے (یعنی جناب سلمان محمدی، جناب قلندر سایونی، جناب کمیل بن زیاد نخعی، جناب قاسم بن محمد بن ابو بکر اور جناب حسن بصری رضوان اللہ علیہم)انہوں نے تو اس علم کو ایک مستقل بنیاد فراہم کی اور روحانی بیعت کے بعد وہ حصولِ روحانیت اور تزکیات کی طرف رہنمائی فرماتے تھے اور ان سب کو جناب امیر المومنین علیہ الصوات والسلام کی بیعتِ روحانی سے یہ فیض حاصل ہوا اور پھر یہ سلسلے آگے وسعت پذیر ہوتے گئے مگر انہیں یہ حکم تھا کہ یہ راز ارتکاز کسی نا اہل کے سامنے بیان نہ کریں کیونکہ اس سفر میں ابتدائی مراحل میں چند قوتوں کا حصول ہو جاتا ہے اور جو شخص کم ظرف ہوگا وہ ان قوتوں پر اکتفیٰ کر کے ان سے کھیلنا شروع کر دے گا اور جو آدمی ان قوتوں سے کھیلنے میں مشغول ہو جائے گا وہ منزل مراد سے محروم تو رہے گا ہی مگر نادان کی دینی ہلاکت کا موجب بھی بنے گا جیسا کہ بعد میں ایسا ہوا بھی ہے

سچ تو یہ ہے کہ جب انسان یہ سفر شروع کرتا ہے تو اس میں کشفِ قلوب یعنی ٹیلی

پیتھیTelepathy کا حصول بھی ہوتا ہے ہپناٹزمHypnotism(کشف العیون) کا بھی حصول ہوتا ہے پیرا سائیکالوجی (Parapsychology) تصرف بھی حاصل ہوتا ہے اور تسخیر نفس کے بعد حصولِ ہمزاد بھی ہوتا ہے جسے عربی میں قرین اور انگلش میں ڈپلی کیٹDuplicate کہتے ہیں وہ بھی حاصل ہوتا ہے اس سے آگے جنات بھی مسخر ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد روحانی قوتیں یعنی موکلات بھی مسخر ہوتے ہیں اس کے بعد کہیں جا کر منزل مراد حاصل ہوتی ہے اور عارف کامل ان میں سے کسی چیز پر اکتفیٰ نہیں کرتا بلکہ اس کے سامنے ایک اعلیٰ منزل ہوتی ہے اور وہ جب تک اسے حاصل نہ کر لے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا مگر کم ظرف لوگ ان میں سے کسی ایک چیز پر اکتفیٰ کر لیتے ہیں اور یہاں رک کر طلب دنیا میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اپنے کارنامے دکھا کر لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور جھوٹے ولی اللہ بن بیٹھتے ہیں اور اس طرح خلق خدا کی آخرت برباد کرتے چلے جاتے ہیں

تسخیر نفس سے ہر شخص بلا امتیاز مذہب وملت طے الارض بھی کرسکتا ہے، پانی پہ چل سکتا ہے، ایک وقت میں کئے مقامات پر موجود ہوسکتا ہے، بیماروں کو شفا دے سکتا ہے، فتح باطنی سے غیب کی خبریں دے سکتا ہے الغرض بہت سے ناممکن کام اس کے لیے ممکن ہو جاتے ہیں

میں نے گزشتہ اوراق میں جو نان مسلم کے واقعات لکھے ہیں وہ سب تسخیر ہمزاد کے کارنامے تھے جو تسخیرِ نفس سے بھی قبل مسخر کیا جا سکتا ہے اس دور میں نان مسلم اسے تین چار ماہ سے دو تین سال تک محنت کر کے حاصل کرتے ہیں مگر اسلامی روحانی مشقوں سے یہ تین دن سے لے کر چالیس دن کے اندر مسخر کیا جا سکتا ہے

اس دور میں حاضرات اوراح کے جو مظاہرے مغرب میں ہو رہے ہیں وہ روح کا حضور نہیں ہوتا بلکہ اسی شیطان ہمزاد کو حاضر کیا جاتا ہے اور مغربی سپر چولسٹس Spiritualists جسے روح کے طور پر متعارف کروا رہے ہیں وہ روح نہیں ہمزاد ہے جسے Duplicate کہتے ہیں مغربی Spiritualists نے روحانیت کا جو دعویٰ کیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ وہ ہمزاد کو روح سمجھے ہوئے ہیں اور یہ ان کی غلط فہمی ہے۔

ہمزاد کیا ہے؟

ہمزاد جسے اصطلاحِ تصوف میں لطیفۂ نفس کہا جاتا ہے انگلش میں Duplicate اور عربی میں 'قرین' کہا جاتا ہے اسے کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ ہر انسان جس وقت پیدا ہوتا ہے اس وقت اس کے ساتھ ایک شیطان (سفلی وقت) بھی پیدا ہوتا ہے جو انسان کا ہمشکل ہوتا ہے لیکن جب انسان مرتا ہے تو یہ دنیا میں رہ جاتا ہے اس کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ ہمزاد کی عمر سینکڑوں سال ہوتی ہے اور انسان کے بعد یہ بھٹکتا رہتا ہے

تسخیر ہمزاد کے جو اعمال آتے ہیں ان کے دو اقسام ہیں

() انسان کے اپنے ہمزاد کی تسخیر

() کسی فوت شدہ آدمی کے ہمزاد کی تسخیر

جو کسی فوت شدہ شخص کی تسخیر کے اعمال ہیں وہ کشفِ قبور کی طرح کے ہوتے ہیں قرآن مقدس میں اس قرین کا ذکر اس طرح ہے

☆وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ......(زخرف36)

جو بھی رحمان کے ذکر سے منہ موڑتا ہے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے جو اس کا ہمزاد ہوتا ہے

یہ بات بھی ہے کہ جب تک شیاطین میں سارے آزاد رہ کر بہکاتے ہیں تو وہ شیاطین کہلاتے ہیں جب کوئی شیطان مسخر ہو جائے تو وہ قرین کہلاتا ہے

جیسا کہ ارشاد ہے

☆وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاء قِرِينًا ......(نساء 38)

یعنی جس کا شیطان قرین (ہمزاد) بن جاتا ہے وہ اس کا برا ساتھی بن جاتا ہے اور نان مسلم لوگوں کے کارنامے اسی ابلیس کی وجہ سے ہوتے ہیں

سپر چول ازم (Spiritualism)

جب ہم یورپ میں سپر چوئل ازم کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یورپ 1842ء سے قبل روح کے وجود سے بالکل منکر تھا یعنی وہاں اکثر لوگ روح کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

یورپ میں روحانیت کے جانے کے وجوہات یہ ہیں کہ ترکی کے سلطان اور خان عثمانی کے ایک پیر و مرشد تھے جن کا نام نامی تھا حاجی سید محمد بکتاش رحمتہ اللہ علیہ بن سید ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ۔ان کا زمانہ 1254ء تا 1337ء کا ہے جناب سید محمد بکتاش رحمتہ اللہ علیہ یسوی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے

بنیادی طور پر وہ شیعہ اثنا عشری تھے اور سید محمد بکتاش بکتاشیہ فرقہ روحانی کے مجدد بھی تھے اور بانی بھی تھے ویسے تو یہ فرقہ تصوف بارہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام کی امامت کا

قائل ہے مگر ان کا سلسلہ طریقت امام جعفر صادق علیہ الصلوات السلام سے ملتا ہے اس لئے وہ انہیں اپنا حقیقی رہنمائے طریقت مانتا ہے

اور ان کے اہلِ تصوف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ الصلوات السلام اور اللہ جل جلالہ کے نور کی وحدت کے قائل تھے جس کی وجہ سے دیگر مسالک نے ان پر عیسائیت کی تثلیث کے عقیدے کی چھاپ کا الزام بھی لگایا اور کہا کے اللہ جل جلالہ کو مرکب سمجھتے ہیں حالانکہ ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا بلکہ وہ

☆اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی وَاَنَا وَ عَلیٌّ علیہ الصلوات والسلام مِن نُورٌ وَاحِد

جیسے احادیث سے منطقی نتیجہ نکالتے تھے کہ نور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من نور اللہ ہے اور امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا نور من نور النبی ہے اس لئے ان میں ایک طرح کی وحدت ہے اور ان کا علیحدہ علیحدہ جو وجود ہے یہ بھی حقیقی ہی ہے نہ کہ اعتباری

اس فرقے کے لوگ عشرہ محرم بھی مناتے ہیں اور ماتمی جلوس بھی نکالتے ہیں اور ان کا مرکز بکتاشیہ میں تھا ان کے عقائد کے بارے میں دیکھنا ہو تو حاجی فضل اللہ کی کتاب ''جاویداں'' یا حاجی فرشتہ اوفلو کی کتاب ''عشق نامہ'' دیکھی جا سکتی ہے کیونکہ یہی اس فرقہ تصوف کے بنیادی کتب ہیں

بعض لوگوں نے ان کو بدنام کرنے کے لئے یہ بھی ان پر الزام لگایا ہے کہ یہ فرقہ نماز اور روزے سے غافل رہتا ہے بلکہ گناہ سمجھتا ہے حالانکہ یہ بات جھوٹ اور تہمت کے علاوہ کچھ نہیں ہے

یہ مسلک تصوف ترکی سے یورپ میں منتقل ہوا تو بگتاشی ازم کے نام سے مشہور ہوا اور یورپ میں اس کا مرکز ہنگری کے دارالحکومت بوڈاپسٹ میں تھا اور وہاں ایک

صوفی بزرگ آباد ہوئے جن کا نام تھا بابا گلش بگتاشی رحمتہ اللہ علیہ آج ان کا مزار بھی بوڈا پسٹ میں ہے اور یہ بگتاشی ازم انہی کے تصوف کا نام تھا بابا گلشن بگتاشی ہی نے اپنے مریدوں کو ایک جدید تصوف سے متعارف کروایا اور یہ خود اپنے حلقہ ارادت کو تصوف اور روحانیت کا درس دیتے تھے اور روحانی مشقیں سکھایا کرتے تھے

صوفیائے ترکی کے قیامِ ارتکاز کا ایک علیحدہ انداز تھا ان میں سے ایک طریقہ جو سب سے اہم تھا وہ تھا سماع کے دوران ایک مقام پہ لٹو کی طرح آہستہ آہستہ گھومنا اس سے انسان زمین کے مرکز سے ایک لائن میں آجاتا تھا اور زمین کی کششِ ثقل یا Gravitation Force سے آزاد ہونے لگتا تھا اور اس سے جو استغراق اور ارتکاز کا عالم پیدا ہوتا تھا وہ انسان کو آسمان کے روحانی مراکز سے منسلک کر دیتا تھا

بابا گلشن بگتاشی رحمتہ اللہ علیہ یہ تصوف لے کر یورپ میں داخل ہوئے وہاں اسے کافی پذیرائی بھی ملی ان کے بعد اس کا احیاء بابا حاجی قندش بگتاشی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا اٹھارہویں صدی کے وسط میں بابا قندش بگتاشی ''Naghi Kantzsa ناغی کنٹزسا'' کے شہر میں رہائش پذیر ہوئے اور اس سلسلے کو آگے بڑھایا

یورپ میں روحانیت متعارف کرانے کا سہرہ Dr.Mesmer,Franz Friedrich Anton کے سر ہے جو 1734 عیسوی میں جرمنی کے شہر کونسٹینس Constance کے قریب پیدا ہوا اور Vienna University ویانا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا بعد ازاں اس نے اپنی توجہ روحانیت کی جانب مبذول کی اور اس پر تحقیق کا کام شروع کیا اس تحقیق کے ضمن میں اس نے ہنگری کا دورہ کیا کیونکہ اسے معلوم ہوا کہ وہاں بگتاشی ازم کے لوگ

روح کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتے ہیں ڈاکٹر مسمائرے بوڈاپسٹ (جو ہنگری کا کیپیٹل ہے) میں پہنچا وہاں بابا گلشن بگتاشی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک بہت بڑا حلقہ ارادت رہتا تھا جس زمانے میں ڈاکٹر مسمائرے وہاں پہنچا اس وقت بابا قندش بھی رحلت فرما چکے تھے یہ ان کے عقیدت مندوں میں شامل ہوگیا اس نے تصوف کی ارتکازی مشقوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور وہ اس راز کو پا گیا کہ اصل بات ارتکاز ہی ہے

جب اس نے اس راز کو پالیا تو اس نے ارتکاز کے قیام کے بارے میں سوچنا شروع کیا کہ یہ لوگ کس طرح ارتکاز کرتے ہیں اس کو بھی اس نے سمجھ لیا

ڈاکٹر مسمائرے نے واپس آکر مسمائرازم کی بنیاد رکھی 1775ء میں اس نے اس پہ ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا جو بہت مقبول ہوا جس کے بعد مسمرازم کا نام دنیا کے سامنے آیا اس کے بعد اسے سپر چوئل ازم Spiritualism کا نام ملا اور اسی کی ایک شاخ کو یا یوں سمجھیں اسی کو ہپناٹزم Hypnotism کا نام بھی دیا گیا کیونکہ اس میں ''نوم ترجعی'' کا وقوع ہوتا تھا اس لئے اسے یہ نام ملا کیونکہ ہپناٹزم Hypnotism لاطینی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''نیند'' اس طرح یہ علم وہاں پہنچا اور اسے علم روح بنا کر پیش کیا گیا حالانکہ جو چیز وہ یہاں سے لے گیا تھا اس کی آخری حد ہمزاد ہی تھا اور وہ ناشناس اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا لیکن آج جب ہم سپر چوئل ازم کی مشقوں کے اصول دیکھتے ہیں تو ہمیں تصوف ہی کی طرح لگتے ہیں کیونکہ ان کا ماخذ تصوف ہی ہے

پھر یہ علم یورپ تک نہ رہ سکا اور فوراً امریکہ پہنچا یعنی 1848ء میں امریکہ میں یہ علم متعارف ہوا اور 1872ء میں برطانیہ میں Spiritualism کی بنیاد پڑی تو پھر ہوم سرکلز Home Circles اور سوسائٹیز Societies بنتی گئیں Mediums یعنی وسیط

متعارف ہوئے اوراسی سے پھر دیگر مغربی علوم نکلتے گئے ٹیلی پیتھی بلور بینی اور شمع بینی کی مشقیں اسی فارمولے پر بنائی گئیں اوران کے ماہرین کو علیحدہ علیحدہ نام ملے مثلاً Hypnotist یا Spiritualism یا Misorist وغیرہ

یورپ کا علم روحانیت جسے ہم تنویم بھی کہہ سکتے ہیں اس کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

(1) ول پاور Willpower (قوت ارادی)

(2) خوداعتمادی

(3) قوت متصورہ

(4) قوت فکر یہ ایمیجی نیشن Imagination

(5) قوت ترغیب Suggestion

اس کی تفصیل کو ترک کرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے ہیں

تاثیرارتکاز کی وجہ

دوستو! یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارتکاز میں جو تاثیر ہے اس کے پیدا ہونے کی وجہ کیا ہے؟

بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے دونام پیش کئے ہیں ایک ہے رحمان دوسرا رحیم اس کی رحمانیت کا دائرہ پوری کائنات پر محیط ہے یعنی وہ بلاامتیاز مذہب وملت سب کے لئے رحمان ہے اوراس کی رحمانیت سے ہر کوئی استفادہ کرسکتا ہے مگر وہ کسی غیر مومن کے لئے رحیم نہیں ہے کیونکہ رحمانیت کا تعلق اس دنیا سے ہے اور رحیمیت کا تعلق آخرت سے ہے اوراس کائنات کی کچھ چیزیں رحمانیت کے ماتحت ہیں اور کچھ

چیزیں رحیمیت کے ماتحت ہیں اوراس نے اعمال کی دنیا میں دنیا کی ہر چیز رحمانیت
کے ماتحت قرار دی ہوئی ہے اس لئے اس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر اخروی
طور پر صرف مومن فائدہ اٹھا سکتا ہے کیونکہ یہ چیزیں رحیمیت کے ماتحت ہیں اسی
لئے وہ فرماتا ہے

☆انی لا اضیع عملاً عامل
یعنی میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا اس کی جزا اسے ضرور دیتا
ہوں حتیٰ کہ ابلیس نے جب سجدے سے انکار کیا تو اس کے سابقہ اعمال کو بھی اللہ نے
بوجہِ رحمانیت ضائع نہیں کیا اور اس سے پوچھ لیا کہ اس عمل کی کیا جزا چاہتے ہو؟ تو
اس نے مہلت مانگی خالق نے اسے وقت معلوم تک کی مہلت دے دی اس سے
ثابت ہوا عمل کسی کا ضائع نہیں ہوتا
جب عمل کسی کا ضائع نہیں ہوتا تو لازماً جزا بھی ملتی ہوگی دوستو! اعمال کی جزا بھی دو
طرح کی ملتی ہے ایک بتقاضئہ رحمانیت اور ایک بتقاضئہ رحیمیت مثلاً آپ انوار اِلٰہی
کے مشاہدے کو دیکھ لیں زیارتِ انوارِ اِلٰہی یعنی چہاردہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی
زیارت کے ماتحتِ رحمانیت ہے کیونکہ انہیں ظاہر ہونے پر ہر نیک و بد نے دیکھا
خواب میں بھی نیک لوگوں کی طرح بدکردار اور اشقیاء نے زیارت کی یہاں تک کہ
یزید جیسے ملعونِ ازل نے بھی زیارت کی مگر ان کے قربِ باطنی سے استفادہ نہ ان کے
دور میں ظاہر بین کسی غیر مومن نے کیا اور نہ آج کرسکتا ہے کیونکہ روحانی استفادہ
ماتحتِ رحمانیت نہیں بلکہ ماتحتِ رحیمیت ہے اور رحیمیت مومنین تک محدود ہے۔
میں ان دونوں کے مابین پہچان یہ سمجھتا ہوں کہ جب عالم خواب میں حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی یا آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات السلام میں سے کسی نورِ الٰہی کی زیارت ہوتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں نمبر ایک انہیں صحابہ خاص و عام میں دیکھا جاتا ہے جس نے ایسی زیارت کی ہے تو اس نے دائرہ رحمانیت کے اندر رہ کر رحمانیت کے ماتحت دیکھا ہے نمبر دو انہیں صورت انوار میں خداوندی جبروتیت کے عالم میں دیکھا جاتا ہے اور جب کسی نے عالمِ نور میں دیکھا ہے اس نے ماتحت رحیمیت زیارت کی ہے اور عالمِ روحمانیت میں دیکھا ہے اسی لئے عرفاء صرف زیارت پر اکتفیٰ نہ کرتے تھے بلکہ حصولِ فیض تک جاتے تھے کیونکہ خواب میں زیارت کر لینا بڑی بات نہیں ہے بلکہ ان انوارِ الٰہی سے روحانی استفادہ کرنا ہی اصل چیز ہے

دائرہ ءرحمانیت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دائرہ ءرحمانیت میں کیا کیا آتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رحمانیتِ الٰہی کے ماتحت بہت سی چیزیں آتی ہیں کہ جنہیں ایک ظاہر بین شخص کشف و کرامات بھی سمجھ لیتا ہے مگر یہ انسان کی محنتِ شاقہ کے پھل کے طور پر اسے عطا کیا جاتا ہے اور دنیا میں اعمال کی جزا ایسے ہے جیسے کوئی شخص کان کنی کرے اور معدنیات حاصل کر لے یا جیسے کوئی شخص فصل کاشت کرے اور اس کا پھل حاصل کرے اس میں مذہب و ملت اور عقیدے کو مدخلیت نہیں ہے کیونکہ روحانی محنت کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک ترک دنیا میں طلب کرتے ہیں دوسرے وہ ہوتے ہیں جو صرف اس لئے محنت کرتے ہیں کہ انہیں خود مولیٰ و مالک مل جائے ان دونوں کے بارے میں ارشاد ہے

☆كُلًّا نُّمِدُّ هَـؤُلاء وَهَـؤُلاء مِنْ عَطَاء رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاء رَبِّكَ مَحْظُوراً......(بنی اسرائیل20)

یعنی دنیا اور عقبیٰ دونوں کے طالبوں کو ہماری عطا کا حصول ہوتا ہے اور ہماری عطا عام ہے کسی پر بند نہیں ہے

عطا دو طرح کی ہے ایک ''عطائے عمومی'' اور دوسری ''عطائے خصوصی'' اسے اس طرح سمجھ لیں کہ عطائے دنیاوی اور عطائے اخروی جو عطائے عمومی ہے وہ ہر شخص کو ملتی ہے اسی لئے ارشاد ہے

☆وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ......(زخرف 36)

یہی قرین ہمزاد ہے اور یہ بھی یونہی نہیں مل جاتا بلکہ ان کی طلب پر انہیں عطائے مسلطی کی طرح ہوتا ہے

جب کوئی کافر و مشرک بھوک اور پیاس سے جسم کو کمزور کر لیتا ہے اور چربی اور گوشت کو پگھلا لیتا ہے تو اسے بھی یکسوئی میں مدد ملتی ہے اور اس طرح وہ بھی عجائبات کا مشاہدہ کرتا ہے اصل چیز استغراقی بے خودی کا پیدا کرنا ہے وہ چاہے جس طرح پیدا کر لی جائے انسان عجائبات کا مشاہدہ کر سکتا ہے بعض اوقات روح منشیات کی وجہ سے بھی جو بے خودی ہوتی ہے اس سے بھی اپنے عالمِ اصل کی طرف چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہاں کے عجائبات بھی دکھاتی ہے اسی لئے ولیم کروکس کا کہنا ہے کہ الکحل اور کلوروفارم سے بھی عجائبات دکھانے والی صوفیانہ بے خودی پیدا ہو جاتی ہے بعض جاہل لوگ منشیات سے بے خود ہو کر جو مشاہدہ کرتے ہیں اسے بھی روحانی سیر کا نام دیتے ہیں حالانکہ یہ سراسر جہالت ہے

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ محنت کرنے والا چاہے کوئی بھی ہو عجائبات کا مشاہدہ کرسکتا ہے مثلاً غیب کی خبریں دینا، ہوا میں اڑنا، پانی پہ چلنا، طے الارض، غیب سے رزق پانا، شفا دینا، دور رہ کر مدد کرنا یہ کام تو بلا امتیاز مذہب وملت ہر فرد کرسکتا ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے ''انی لا اضیع عملاً عامل'' کیونکہ وہ کسی کا عمل ضائع نہیں فرماتا۔

روحانیت کے حصول کی بنیاد نفس کو زیر کرنا ہے اور نفس کو زیر کرنے کا سب سے بڑا اور سریع الاثر نسخہ ارتکازِ کلی ہے اب آپ خود سوچیں کہ اگر انسان دماغ کا ارتکاز پیدا کرتا ہے تو یہ سب سے اعلیٰ قوت کا حامل ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص کا کلی ارتکاز اللہ عزوجل پر ہو جائے تو کیا ہوگا؟ میں سمجھتا ہوں اس کے لئے یہ پوری دنیا ایک چھوٹی سی گیند سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ جس سے بچہ کھیلتا ہے اور وہ اسے حسبِ منشا الٹا پلٹا سکتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام اور آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام تو اصل نورِ ذات ہیں ان کی ذات کی بات ہی نہیں کر رہا بلکہ میں ایک عام انسان کی بات کر رہا ہوں کہ اس میں بھی یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا پر متصرف ہوسکتا ہے اور جو اوراد و اذکار و اشغال انبیاء علیہم السلام نے وضع کئے ہیں ان میں بھی اتنی صلاحیت موجود ہے کہ انسان نفس کو قابو میں لا کر تصرف کی بلند فصیلوں پر کمندیں ڈال سکتا ہے یعنی ارتکاز کلی انسانیت کے دائرے سے باہر نہیں ہے کیونکہ ہاتھ کے ارتکاز کے دستِ تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں ہے ارتکازِ لسان دم عیسیٰ عطا کر دیتا ہے، ارتکاز ذہن عالمِ الصدور والقلوب بنا سکتا ہے، ارتکاز چشم قل اعملو فیسری اللہ و رسول کا مصداق بنا سکتا ہے۔

تنویمی کارناموں سے انسانیت کو ورطۂ حیرت میں ڈالنا ممکن ہے اسی طرح اگر جملہ اعضاء وحواس میں ارتکاز پیدا کرلیا جائے تو انسان کو کیا نہیں مل سکتا؟ اگرچہ جسم سے

بہیمیت کو نکال باہر کرنا آسان نہیں ہے مگر ناممکن بھی نہیں ہے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے کرم سے جس کسی پر یہ مشکل آسان ہو جائے گی تو وہ متصف با خلاق اللہ ہو سکتا ہے یعنی وہ صفاتِ الٰہی کا جیتا جاگتا مظہر بن جائے گا اور اوصاف و اخلاقِ الٰہی کا مرقعہ بن جائے گا اور جو ذوات اقدس علیہم الصلواۃ والسلام نفسانیت سے ماوریٰ ہیں ان کے اختیار کی حد بندیاں کرنا تو سراسر حماقت اور عقل دشمنی ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ نفس ایک اجیت قوت ہے اگر اسے سرنگوں کرلیا جائے تو بہت سے ناممکن ممکن ہو جاتے ہیں۔

ولایت عمومی و خصوصی

تسخیرِ نفس تک کے مراحل تمام عالمِ انسان کے لئے طے کرنا اور حصولِ قویٰ اور تاثیرِ قویٰ میں یکساں ہیں ہر انسان چاہے وہ کسی مذہب و ملت کا ہے تسخیرِ نفس کر سکتا ہے اور مافوق الفطرت امور سرانجام دے سکتا ہے اسی لئے دائرہِ اسلام میں یا دائرہِ اسلام سے خارج افراد جو بھی ہوں ان میں مافوق الفطرت امور کے ظہور سے انہیں ولی اللہ نہیں کہنا چاہیے کیونکہ مقامِ ولایت تسخیرِ نفس سے بہت بلند ہے۔

پاک و ہند میں اکثر ضعیف العقیدہ لوگ ایسے کارنامے اور کرتب دیکھ کر ولایت کے قائل ہو جاتے ہیں حالانکہ مقامِ ولایت مقامِ نبوت و امامت سے بھی بلند ہے کیونکہ خالقِ کائنات نے پورے کلامِ پاک میں کہیں بھی نبی یا امام ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہاں ''ولی'' ہونے کا اعلان کئی مقامات پہ فرمایا ہے مثلاً

☆إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُه...... (مائدہ55)

اللہ بھی ولی ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ولی ہیں اور وہ ذات جس نے نماز میں حالتِ رکوع میں انگوٹھی زکوٰۃ میں دی وہ بھی ولی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی ولی نہیں یعنی اللہ نے خود اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واضح ولی فرمایا ہے اور آخری ولی کی صفت بیان کی ہے کہ جس نے یہ کام کیا ہے وہ بھی ولی ہے

اب نزولِ آیت کے بعد ایک مرتبہ نہیں لاکھ مرتبہ حالتِ نماز میں زکوٰۃ دینے کے بعد اس اشارے میں نہیں آئے گا جیسا کہ اس آیت کے نزول کے بعد اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع وسجود میں بہت کچھ دی مگر جو دے چکا تھا وہی کہلایا بعد والے تابع ہوئے مگر آیت نے ان کا اعلانِ ولایت نہیں کیا ورنہ آج بھی نماز میں انگوٹھی یا کوئی قیمتی چیز بطور زکوٰۃ دے کر انسان ولی بن جاتا مگر یہ ولایت خود خلافِ عقل ہے کہ کردار جیسا بھی ہو سو دو سو کی انگوٹھی دی اور ولی اللہ بن گیا۔

مقامِ ولایت نبوت و رسالت و امامت وغیرہ سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے اس لئے کسی کے کرتب دیکھ کر ولی اللہ کہہ دینا ہرگز جائز نہیں ہاں ولایتِ عمومی کا مقام اور ہے یہ دنیا والے کرتب دکھاتے ہیں یہ تو تسخیرِ نفس کے کارنامے ہیں اور تسخیرِ نفس ''اطمینان نفس'' کا مقام ہے

اس مقام کو پہچاننا ہو تو یوں ہے کہ تسخیرِ نفس کا مقام محتاجِ توجہ ہے یعنی تسخیرِ نفس کے بعد نفس کو جس طرف متوجہ کیا جائے گا وہ وہی کرتب اور کارنامے دکھائے گا یہ نہیں کہ جسمِ انسان بلکہ مکمل انسان ہی مافوق الفطرت ہستی بن جائے

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 12

عملی روحانیت

اے متلاشیانِ راہ سلوک جن لوگوں نے جملہ مذاہب و ادیان کی کمپیریٹو سٹڈی Comparative Study کی ہے وہ جانتے ہیں کہ جملہ رائجہ ادیان کی دو واضح اقسام موجود ہیں یعنی اس دور میں جملہ ادیان کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے

() تبلیغی مذاہب وادیان

() غیر تبلیغی مذاہب وادیان

تبلیغی دین کیا ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس دین کو اگر پوری انسانیت پر اپلائی Apply کر دیا جائے تو اس معاشرے میں فطری، معاشرتی، معاشی، عمرانی، یا انسانی ترقیاتی معاملات میں کوئی فساد یعنی کوئی خلل واقع نہ ہو اور غیر تبلیغی دین و مذہب وہ ہوتا ہے جو اس کے برعکس ہوتا ہے

آپ دیکھیں ہندو دھرم اور عیسائیت بنیادی طور پر غیر تبلیغی دین ہیں کیونکہ اگر اس مذہب کا ہر آدمی سادھو بن جائے اور سوامی بننے کا کورس شروع کر دے تو ساری دنیاوی ترقیاں برباد ہو جائیں اسی طرح عیسائیت میں جو رہبانیت ہے اگر اسے

سارے معاشرے پر اپلائی Apply کر دیا جائے تو پوری انسانیت برباد ہو جائے کیونکہ اس میں شادی کرنا حرام ہے اور اس طرح ایک نسل تک یہ دین باقی رہے گا اس کے بعد کوئی ایسا انسان دنیا میں نہ رہے گا جو ان مذاہب کا نام لینے والا ہو گا یہ ساری ترقیاں اور سائنسی ایجادات اور فلاحی اصلاحات مٹ جائیں سڑکیں اور شہر ویران ہو جائیں ،تہذیبوں کا ارتقائی سفر رک جائے اور اس طرح پوری انسانیت صفحہء ہستی سے نابود ہو جائے۔

لیکن ان مذاہب میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے ان مذاہب وادیان میں اصلاح کی اور انہیں تبلیغی بنایا اور ایسا دین بنایا جو اپنی نرم پالیسیوں کی وجہ سے عوام میں قبولیت کا درجہ پا سکے

میں یہاں عرض کروں گا کہ ماہرین ''علم الادیان'' کی یہ تقسیم موجودہ حالات میں تو درست ہے مگر بنیادی طور پر غلط ہے

میں جس دور میں ''علم الادیان'' کے مطالعہ میں مصروف تھا تو میں نے بھی ان کی کمپیریٹو سٹڈی Comparative Study کی تو اس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ دنیا کے جتنے مذاہب وادیان ہیں ان میں سے ہر دین و مذہب بیک وقت تبلیغی و غیر تبلیغی دین ہے

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اسلام تبلیغی دین ہے تو یہ بات درست نہیں ہے اور کہے کہ اسلام صرف غیر تبلیغی دین ہے تو بھی یہ بات درست نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر انسانیت دو قسم کے افراد پر مبنی ہوتی ہے ان میں سے ایک بڑا طبقہ وہ ہوتا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی رنگینیوں سے بھی استفادہ کرنے کی اجازت ہونا چاہیے اور

آخرت بھی ہاتھ سے نہ جائے یعنی وہ دین اور دنیا دونوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں دنیا میں نقد لذتوں کو بھی نہیں گنوانا چاہتے اور آخرت میں ''پاس مارک'' لینا ہی کافی سمجھتے ہیں تاکہ جہنم سے گلوخلاصی ہو جائے اور ایسے لوگ آخرت کے اعلیٰ عہدوں اور درجات کے متمنی نہیں ہوتے بلکہ وہ آخرت کی کسی ہلکی پھلکی سزا کو بھی قبول کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں تاکہ وہ اس دنیا کی لذتوں اور آزادیوں سے محروم نہ ہوں

دوسری طرف ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جو دین کے اعلیٰ درجات اور بلند مقامات کا متمنی ہوتا ہے جو اس دنیا کے لذات کو فانی سمجھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ یہاں استعمال کر رہا ہے وہ آخرت ہی سے اٹھا کر اسے فانی میں بدل کر دیا جا رہا ہے اس لئے وہ یہاں کم سے کم خرچ کر کے اپنا زیادہ سے زیادہ حصہ آخرت میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں

انسانیت کی اس فطری تقسیم کے پیشِ نظر ہر دین مذہب اپنے اندر دونوں اقسام کے لوگوں کے لئے گنجائش رکھتا ہے یعنی اگر کوئی زر، زن، زمین کا پیاسہ ہے تو اس کے لئے ایسے آسان اصول دیتا ہے کہ وہ اپنی پیاس کو مذہبی قوانین کے اندر رہ کر بجھا سکے اور موت بعد کسی بڑی سزا سے ہر ممکنہ حد تک بچ سکے۔

جیسے اسلام نے اچھے کھانے اور لذیذ کھانوں پر پابندی نہیں لگائی مگر اس پر حلال و طیب ہونے کی شرط رکھی ہے یعنی کمائی کے بھی ذرائع غلط نہ ہوں اور اس میں سے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے کوئی حق تلف نہ ہو اور طاہر بھی ہو اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے خلاف بھی نہ ہو

اسی طرح ازدواج کے قوانین ہیں جو انسان کی جنسی بھوک کو سمجھ کر بنائے گئے ہیں

اوراس پر پابندی نہیں لگائی گئی بلکہ اسلام نے چار بیویوں تک کی اجازت دے رکھی ہے اوراس کی وجہ یہی ہے کہ انسان اپنی یہ بھوک کسی غلط طریقے سے مٹانے کی کوشش نہ کرے اور آخرت کی کسی بھی بڑی سزا سے بچ جائے اور معاشرے میں فساد بھی واقع نہ ہو

اب ان باتوں سے کوئی یہ سمجھ لے کہ اسلام سارے کا سارا تبلیغی دین ہے تو یہ بات درست نہ ہوگی کیونکہ انسانیت میں جو دوسرا طبقہ ہے کہ جو یہ چاہتا ہے کہ ہمیں آخرت میں اعلیٰ عہدے ملیں اس دنیا میں روحانی ترقی کریں اسی زندگی میں مکاشفاتِ روحانی کو حاصل کریں تو ان کے لئے اسلام نے تزکیات اورزھد فی الدنیا کا درس بھی رکھا ہوا ہے

آپ دیکھیں ایک طرف اسلام نے لذیذ کھانوں پر پابندی نہیں لگائی مگر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام پوری زندگی نانِ جویں پہ گزار لیتے ہیں

اسلام نے بہترین لباسوں پر پابندی نہیں لگائی مگر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کھدر کے ایسے لباس استعمال فرماتے نظر آتے ہیں جن کو کھجور کے پیوند لگے ہوں

اب آپ سوچیں جس ذاتِ اقدس علیہ الصلوات والسلام کے ایک باغ کی فصل کی آمدنی نوے ہزار دینار ہو اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے ایک ہزار غلام خرید کر کے آزاد فرما رہے ہوں کیا وہ ایک اچھا لباس افورڈ نہیں کر سکتے تھے؟

صورتِ حال یہ تھی کہ ان کے پاک شہزادگان علیہا الصلوات والسلام کے دسترخوان پر عوام کے لئے انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے تھے کیا اپنے والدِ ماجد علیہ الصلوات والسلام کے لئے وہ کوئی مکلّف کھانا فراہم نہیں کر سکتے تھے؟

اسلام نے قائم اللیل اور صائم النھار کی مدح کی ہے تو کیا اسے رہبانیت کہا جا سکتا ہے؟

اولیائے کرام اور زہاد کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں انہوں نے اسلام کی ان رعایتوں سے استفادہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے لئے مشکل ترین راستہ پسند کیا کہ جو تزکیاتِ نفس اور جفاکشی اور صعوباتِ نفسیِ کا راستہ تھا انہوں نے اسے اختیار کیا آخرت کے اعلیٰ مقامات کے حصول کے لئے انہوں نے اس دنیا کی لذات کی قربانی دی اور اس دنیا میں روحانیت کے وہ اعلیٰ مقامات پائے جو کبھی فراموش نہیں کئے جا سکتے

حضرت شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کا مشاہدہ کریں اس میں لذاتِ دنیاوی کا نام ونشان تک نہ ملے گا حتیٰ کہ انہوں نے کبھی کوئی لذیز کھانا تناول نہیں فرمایا، زندگی بھر شادی نہیں کی اور کبھی بہترین قسم کا لباس نہیں پہنا بلکہ پوری زندگی امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کی سنت میں نان جویں اور پھٹا ہوا لباس پسند کیا

اسی طرح حضرت شاہ شمس رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کا مشاہدہ کریں اسی طرح رسولِ ہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی کا مشاہدہ ومطالعہ کریں، حضرت شاہ صادق نہنگ، حضرت علی راجن سائیں، حضرت بری امام، حضرت محمد عادل سائیں رحمتہ اللہ علیہم کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ دیکھیں گے اسلام میں صرف ایک دین نہیں بلکہ اس دین کے دو حصے ہیں ایک عوام کے لئے ہے جو تبلیغی ہے اور دوسرا خواص کے لئے ہے جو سراسر غیر تبلیغی دین ہے

دوستو! یہ بھی یاد رکھیں کسی بھی دین کے اندر جو اس کا غیر تبلیغی حصہ ہوتا ہے اگرچہ وہ

ہرکسی کے اپنانے کے قابل نہیں ہوتا اوراس مذہب کے عوام کی دسترس سے بہت اونچا ہوتا ہے مگراس مذہب کا روحِ رواں وہی حصہ ہوتا ہے یوں سمجھ لیں اصل دین وہی غیر تبلیغی حصہ ہوتا ہے مگر انسانی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے خالق عوام کو بہت سی رعایات عطا فرماتا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے

☆لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡساً إِلَّا وُسۡعَهَا......(بقرہ286)

کہ وہ کسی انسان پراس کے نفس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اس لئے اس نے عوام کی کمزوریوں کے پیش نظر ایک سادہ اورسہل دین (شریعت) انسان کو عطا فرما دیا تا کہ کوئی محروم نہ رہ جائے

شریعت کو شریعت اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ دین کے دریا کا گھاٹ ہے جس سے عوام سیراب ہوتے ہیں

ہر دین کا اہم ترین حصہ غیر تبلیغی ہوتا ہے اور بنیادی طور پر ہر مذہب و دین غیر تبلیغی ہی ہوتا ہے

آج اگر کوئی کہتا ہے عیسائیت اور ہندو دھرم اور بدھ ازم اور جین ازم غیر تبلیغی دین ہیں تو اس کی غلط فہمی ہے کیونکہ آپ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے دور کا مشاہدہ فرمائیں تو دیکھیں گے ان کے دور میں ان کے پیروکار شادیاں کرتے تھے اوران کی شادیوں میں آپ جناب بھی شامل ہوتے تھے

ہمارے کتب میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے امام زمانہ عجل اللہ الشریف کی والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا جناب شمعون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور وہ بارہ حواریوں میں سے ایک تھے شاید اس بات سے کوئی کرسچین انکار کردے مگر کوئی اثنا عشری انکار نہیں کرسکتا اب اسی

بات سے فیصلہ کریں کہ کیا جناب عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی نسل شادی کے بغیر چلی تھی؟

حقیقت یہ کہ جملہ ادیان و مذاہب میں تبلیغی اور غیر تبلیغی حصے بیک وقت موجود رہتے ہیں اسی طرح اسلام میں بھی یہی دو حصے بعینہ موجود ہیں اور اس میں جو غیر تبلیغی حصہ ہے وہی اسلام کی روح ہے اور اسے عرفانیات وفقر وتصوف و روحانیات کا نام دیا جاتا ہے اور یہی وہ دین کا حصہ ہے کہ جو حقیقی دین ہے اور اسلام کی روح رواں ہے اگر یہ روحانیت اسلام سے نکال دی جائے تو اسلام ایک مسودہ ء قانون یا حدود و تعزیرات کا ایک پلندہ بن کر رہ جائے گا کیونکہ کوئی دین روحانیت کے بغیر دین کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا اور اخلاقیات تو کسی مذہب کی ذاتی ملکیت نہیں ہے کہ اخلاقی قوانین کو مذہب کہا جا سکے۔

نظریت وعملیت

دوستو! جب ہم کسی مذہب کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے اندر ہمیں دو پہلو نظر آتے ہیں اور جملہ مذاہب میں ان کا ہونا لازم ہے ان کے نام یہ ہیں

() نظریت یا نظری پہلو () عملیت یا عملی پہلو

جب میں نے اس کتاب کا آغاز کیا تھا تو میری خواہش تھی کہ میں اس کتاب کو اسلامی عرفانیات کے دونوں پہلوؤں کے لئے ایک انسائیکلو پیڈیا Encyclopedia بنادوں گا مگر پھر میں نے سوچا کہ اسلامی عرفانیات کے نظری پہلو پہ اتنی کتابیں موجود ہیں کہ اس پر مزید کچھ لکھنا اعادہ ء موجود اور علمی جگالی کے مترادف ہوگا اس لئے میں

نے اس کے نظری پہلو پہ بنیادی معلومات فراہم کرنے پر اکتفیٰ کیا ہے
سچ تو یہ ہے کہ نظریات کا ایک سمندر ہے جو تیرہ سو سال سے متموج ہوتا جا رہا ہے اس میں سے کوئی شخص کسی کو کچھ نکال کر نہیں دے سکا کیونکہ اس سمندر میں جتنے در ہائے نایاب وشہوار ہیں وہ صرف اسی کے لئے مرئی ہوتے ہیں جو اسے خود نکالتا ہے وہ موتی اس کے کام کے ہوتے ہیں کہ جو عملی غواصی کر کے انہیں نکالتا ہے اور وہ اس کے غیر کے لئے وژن ایبل Visionable بھی نہیں ہوتے
اب اس صورت میں اگر میں لاکھ کوشش کرتا بھی تو کسی کو اپنی کتاب کے ذریعے ''حصول کیفیت'' کے مقام تک نہیں پہنچا سکتا تھا کیونکہ یہ مقام تو عملیت سے تعلق رکھتا ہے اور جو شخص عملی پہلو اختیار کرتا ہے وہی اس کو پا سکتا ہے ورنہ دوسرے کے لئے یہ ''اندھے کی ٹیڑھی کھیر'' والی بات ہو جاتی ہے
جس وقت میں اسلامی وغیر اسلامی فلاسفہ کی سٹڈی کر رہا تھا تو مجھے بہت سی الجھنوں سے سابقہ پڑا کیونکہ جب میٹا فزکس Mataphysics مابعد الطبیعات پہ بحث ہوتی ہے تو ہم اس کے بیان میں ہمیشہ قاصر رہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہاں جو ''مفہوم'' بے لباس ہوتا ہے وہ اس کی قامت پر موزوں ہو نہیں سکتا
میں نے دیکھا ہے کہ بعض فلاسفہ نے روح ہی کو نفس بنا دیا تھا اور کسی نے روح سے انکار کر دیا تھا
بعض نے نفس کو روح قرار دیا ہوا تھا اور بعض نے دونوں سے انکار کیا ہوا تھا اور انسان کو ایک Working Machine ثابت کرنے میں مصروف تھے
جب مجھ سے میرے دوست روح اور نفس پہ میری رائے مانگتے تھے تو میں کہتا تھا کہ

ہم نہیں جانتے کہ روح کیا ہے اور نفس کیا ہے؟ لیکن ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ ''اندر'' سے ایک فعال قوت ہمیں افعال و اعمال کے ساتھ ساتھ حصولِ لذات کی تحریک پیدا کرتی ہے

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم جب کہتے ہیں ''اندر سے'' تو اس Internal کو ایک مبہم سا محسوس کرتے ہیں اور اس ''Internal'' کو ہم دریافت نہیں کر سکتے یعنی لفظ ''اندر'' کو ہم Define نہیں کر سکتے اس کی Interpretation ہم خود کو عاجز محسوس کرتے ہیں کیونکہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے وہ تحریک جو ہمارے اندر سے پیدا ہو رہی ہے کیا واقعی وہ اندر ہی سے ہو رہی ہے

یہ بھی تو ممکن ہے کہ کوئی خارجی (باہر کی) قوت ہو جو ہمیں ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کنٹرول کر رہی ہو اور ہمارے اندر ایک ایسا الیکٹرونک Electronic قسم کا کوئی نظام ہو جو اس ریموٹ کنٹرول Remote control کے احکام کو وصول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا پابند ہو جیسے آج کے دور میں ہر چیز باہر سے کنٹرول ہوتی ہے ہم دیکھ رہے ہیں

ہم ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر سے لے کر خلائی مشن Space Mission پر جانے والے راکٹس Rockets اور خلائی سٹیشن Space Station تک کو دیکھ رہے ہیں کہ انہیں ریموٹ کنٹرول Remote Control سے چلایا جا رہا ہے اسی طرح یہاں بھی تو ممکن ہے کہ ہمارے اعمال و افعال کا بٹن تو باہر سے دبایا جاتا ہو اور عمل اندر سے ہوتا ہو

اسی طرح یہ بھی تو ممکن ہے کہ ایک غیر مرئی قوت ہمارے گرد محیط ہو وہی ہمارے اندر

تک سرایت پذیر ہو جیسے Gravitaion (کشش ثقل) ہمارے ایک ایک سیل (خلیے
) تک میں عمل پیرا ہوتی ہے اور ہمیں نظر بھی نہیں آتی

میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اس وقت تک نہ کچھ کہنا چاہیے اور نہ ہی کسی کو کچھ سمجھانے کی کوشش کرنا چاہیے جب تک کوئی انسان خود مقام مشاہدہ تک نہیں جاتا اور جب کوئی اس عالم ماوریٰ کو دیکھ لیتا ہے تو اسے سب کچھ پتہ چل جاتا ہے کہ نور کیا ہے ،روح کیا ہے ،ملکوت کیا ہیں ،انسان کے اندر قوتِ عاملہ کیا ہے اور نفس کیا ہے؟

ہمارے سامنے ہزاروں کتابیں موجود ہیں جس میں روح و نفس پہ بحث ہوئی ہے مگر سب کی رائے جدا جدا ہے اور کسی بھی مفکر نے کسی دوسرے سے اتفاق نہیں کیا

اس میں یہ بھی ہے کہ اس موضوع پہ گفتگو کرنے والوں میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جنہوں نے روح و نفس کو دیکھا تک نہیں ہے اور کچھ عرفاء نے تزکیات کے ذریعے مشاہدہ کیا ہے تو وہ مشاہدہ ءکلی نہ تھا بلکہ وہ مشاہدہ جزئی تھا جسے انہوں نے کلیت پر نافذ فرمادیا اور سامع اور قاری کو اس میں سے درست رائے معلوم نہ ہوسکی

کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے فرامین قرآن و حدیث میں سے قیاس اور استدلال اور استنباط کرکے اس پہ روشنی ڈالنا چاہی تھی مگر اس میں عقلی استعدادات مانع رہے (یہ سب کیلئے مانع رہتے ہیں) کیونکہ عرفانیات میں تبادر علامتِ حقیقت نہیں ہوتا اور آیات اور احادیث میں سے جو تبادر ہوتا ہے اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا محال ہے کیونکہ تبادر کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اور عقل کے لاکھوں درجات ہونے کی وجہ سے تبادر میں لاکھوں اقسام کا واقع ہونا لازم آئے گا اور اس طرح ایک حقیقت لاکھوں ابہامات میں دفن ہوجائے گی۔

علمِ نفسیات

دوستو! روحانیت کی بنیاد علمِ نفسیات پر ہوتی ہے مگر اس سے میری مراد وہ علمِ نفسیات نہیں ہے جو عرفِ عام میں علمِ نفسیات کہا جاتا ہے کیونکہ یہ علمِ نفسیات درحقیقت ''علمِ نفسیات'' نہیں بلکہ ''علم الاذہان'' ہے

موجودہ دور میں جو نفسیات کے نام سے علم رائج ہے اس میں آپ دیکھیں تو اس میں نفسِ انسان کے بجائے انسانی ذہن اور اس کے لاشعور، تحت الشعور، فوق الشعور اور ان میں پروان چڑھنے والے احساسات یعنی احساسِ کمتری، احساسِ برتری، احساسِ محرومی اور ان احساسات کے روٗیاتی مناظر کی تشریحات وغیرہ پہ بحث ہوتی ہے نہ کہ اس نفس کی بحث ہوتی ہے کہ جو نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک ریفائین Refine ہوتا چلا جاتا ہے آپ دنیا کے ان تین عظیم علمائے نفسیات کی کتابیں پڑھ کر دیکھ لیں ''سگمنڈ فرائڈ'' یا ''کارل گستاو ژنگ'' یا ''الفریڈ ایڈلر'' ہی کا مطالعہ کر لیں تو سمجھ لیں گے کہ انہوں نے انسان کے نفس کو موضوع نہیں بنایا بلکہ انسان کے ذہن اور اس کی وارداتوں اور عمل و ردِعمل، الجھنوں، تلازی امتحان، عضوی زبان و کمتری، تحریکاتِ ذہن، نیوراتیت وغیرہ پہ روشنی ڈالی ہے اسی لئے اس کے ماہرین کو ذہنی مریضوں کا ڈاکٹر بنا دیا جاتا ہے

نفس

نفسِ انسان کو سمجھنے کے لئے ہمارے پاس مثالوں کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کیونکہ عالمِ غیر مادی اس کے علاوہ سمجھ نہیں آ سکتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک ہم نفس کو نہ

سمجھ لیں ہم اپنی ذات اور اس میں موجود اس کے خالق کو نہیں سمجھ سکتے

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شہکار کے پیچھے اس کا فنکار چھپا ہوا ہوتا ہے یہ نہیں ہے کہ فنکار کا جسم چھپا ہوا ہوتا ہے بلکہ وہ فنکار جو خود اس انسان کے اندر ہوتا ہے وہی اس کے شہکار میں مخفی ہوتا ہے اس لئے عرفانِ الٰہی کا ایک ذریعہ عرفان نفس ہے اور عرفانِ نفس کے راستہ ہی سے عرفان روح و ذات کا دروازہ کھلتا ہے اور اس طرح انسان روحانیت کی شاہراہ سے گزر کر لا ھو الا ھو کا وجدان حاصل کرتا ہے

آپ کو اس حقیقت کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ نفسِ انسانی کے جذبے Feedable نہیں ہوتے کیونکہ جذبات نہ Inject کئے جا سکتے ہیں نہ خوراک کے ذریعے کھلائے جا سکتے ہیں نہ کسی Drip سے اندر داخل کئے جا سکتے ہیں بلکہ انسانی نفس ایک ایسی زرخیز زمین کی طرح ہوتا ہے کہ جس میں لاکھوں اقسام کے بیج کاشت شدہ ہوں اور وہ کسی موزوں موسم کے منتظر ہوں

ماہرین زراعت جانتے ہیں کہ زرخیز زمینوں میں لاتعداد اقسام کی جڑی بوٹیوں کے بیج اپنے موسم پہ دفن ہو جاتے ہیں اور پھر ہر بیج اپنے مخصوص موسم اور مخصوص درجہء حرارت کا منتظر رہتا ہے جب وہ موسم آ جاتا ہے تو اس کی کونپل پھوٹ نکلتی ہے جیسے گرمیوں کی جڑی بوٹیوں کے بیج سردی کے موسم میں زیر زمین سوئے رہتے ہیں اور سردی کا سیزن ان کا سلیپنگ پیریڈ Sleeping Period ہوتا ہے مگر جیسے ہی موسم بدلتا ہے وہ کونپل نکال لیتے ہیں بالکل اسی طرح سردی کی جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں وہ گرمیوں میں سوئی رہتی ہیں اور سردیوں میں کونپل نکالتی ہیں۔

اگر آپ نفسِ انسانی کا جائزہ لیں اس کی بالکل یہی صورت ہے یعنی خالق ازل نے

اس میں لاکھوں اقسام کے شوق اور لاکھوں محبتوں ، دلچسپیوں ، کیفیتوں ، جذبوں کے بیج کاشت فرما دیئے ہیں اب انسان پر منحصر ہے کہ وہ کس بیج کو موزوں موسم فراہم کرتا ہے

آپ دیکھیں ایک آدمی جب کچھ دن اچھے لوگوں کے پاس بیٹھتا ہے تو اس میں چھپے ہوئے اچھائی کے بیج نکلتے ہیں اور جب انسان برے لوگوں میں بیٹھتا ہے تو اس میں برائی کے بیج پھوٹ نکلتے ہیں ایک شخص اگر کچھ عرصہ مرغے لڑانے والوں کے ساتھ بیٹھتا ہے تو کچھ وقت بعد اس کی بغل میں بھی مرغا نظر آتا ہے اسی طرح اگر کوئی بٹیر بازوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو کچھ وقت بعد اس کے ہاتھ میں بٹیرا نظر آتا ہے اسی لئے کہتے ہیں

صحبت صالح ترا صالح کند

میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کچھ لوگ عرفاء کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور اصلاح نفس و تزکیات و روحانیت کی طرف فوراً مائل ہو جاتے ہیں اور گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں مگر جونہی وہ ان کی محفل سے ان کے دائرہ کشش سے باہر نکلتے ہیں واپس پہلی حالت پر آجاتے ہیں

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ روحانیت کے لئے موزوں ماحول اور موسم پاتے ہیں تو ان کے اندر جو نیکیوں کے بیج ہوتے ہیں وہ پھوٹ نکلتے ہیں لیکن وہ روحانیت اور نیکی کا موسم انہیں زیادہ دیر میسر نہیں آتا تو نیکی کے بیجوں سے نکلی ہوئی نرم نازک کونپل اکدم موسم کی تبدیلی پا کر مرجھا جاتی ہے اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے بہار کے موسم

میں اچانک گرمی آنے سے گرمی کے پودے کونپلیں نکال لیتے ہیں مگر اچانک ان پر
پھر سردی کا حملہ ہو جائے یا برف باری ہو جائے تو ان کی نازک کونپلیں ختم ہو جاتی ہیں
اس لئے ضروری ہے کہ جب انسان میں کوئی اچھائی کی کونپل پھوٹے تو اسے اس
کے لئے موزوں موسم تادیر مہیا رکھنا لازم ہے تاکہ پھر اسے کوئی موسم نقصان نہ پہنچا
سکے

ہمارے ساتھ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم اولیائے کرام اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے
ہیں وہاں ہمارے اندر کی روحانیت اور نیکیوں کی کونپلیں پھوٹ نکلتی ہیں مگر ہم انہیں
موزوں موسم زیادہ دیر تک نہیں دیتے یا اگر موزوں موسم دیتے ہیں تو وہ پوری طرح
موزوں نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ہماری نیکیوں اور عبادات کی کونپلیں پھوٹ تو جاتی
ہیں مگر ان کی نشو ونما اور گروتھ سپیڈ Growth Speed بہت سست ہوتی ہے

ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ہم عبادات کا پودا اگا تو لیتے ہیں مگر اسے آنسوؤں کا پانی
نہیں دیتے جس کی وجہ سے وہ جلدی مرجاتا ہے

ایک بات اور بھی ہوتی ہے جب کسی چیز کا درخت اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہاں
سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے اس لئے انتہائی برے آدمی بھی اچھے بن سکتے
ہیں اور انتہائی عبادت گزار بھی برے بن سکتے ہیں جس کی ایک مثال ابلیس اور
علمائے سو ہیں اور دوسری طرف بعض فقراء ہیں کہ جو اول عمر میں غیر صالح رہے اور
آخر میں اعلیٰ مقامات تک پہنچ گئے

اس بحث سے دو باتیں ہمارے سامنے آئی ہیں ایک تو یہ کہ جذبات فیڈ ایبل
Feedable نہیں ہوتے کہ انسان کسی کو باہر سے نیکی کی گولیاں اور کیپسول کھلا سکے یا

کسی طرح انجکٹ Inject کر سکے بلکہ ہر چیز ہمارے اندر نفس میں پہلے سے فیڈ ڈ Feeded ہے دوسری بات یہ ہے کہ اسے اگانے میں موسم اور ماحول کو مدخلیت حاصل ہے۔

مذہب بیزاری

دوستو! جب ہم اپنے ماحول اور معاشرے کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارا مشاہدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تو یہاں ''مذہب بیزاری'' بہت زیادہ موجود ہے اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں کہ جو کسی نہ کسی مذہب کے اندر تو ہیں مگر ان میں روحانیت کا فقدان ہے اس کے لئے آپ خود مشاہدہ کریں کسی اور مسلک کی میں بات نہیں کروں گا بلکہ ''خود احتسابی'' کے استحسان کے پیش نظر اپنے ہی ہم مسلک لوگوں کے مشاہدے کی طرف توجہ دلاؤں گا

آپ خود دیکھیں ہم جو نمازیں اور روزے اور حج و زکوۃ وخمس و مجالسِ عزاء و زیارات جیسے اعلیٰ روحانی اعمال بجا لا رہے ہیں کیا ان سے ہماری کوئی روحانی و اخلاقی ترقی ہوئی ہے؟

میں نے تو یہی مشاہدہ کیا ہے کہ جو اشخاص ان پر ستر ستر سال سے عمل پیرا ہیں ان میں سے بھی ایک غالب اکثریت روحانیت سے خالی نظر آتی ہے (میں یہاں اکثریت کی بات کر رہا ہوں)

جب ہم اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں تو ہمیں پھر خود احتسابی کر کے دیکھنا ہوگا کہ کیا یہی بے جان نمازیں اور روزے اور ریا زدہ عبادات اور اعمال صالحہ روحانی ترقی کے

لئے کافی ہو سکتے ہیں؟ اگر ہو سکتے ہیں تو ہمیں یہ کافی کیوں نہیں ہو رہے ہم روحانی اوراخلاقی ترقی کے بجائے تنزلی کی طرف کیوں جار ہے ہیں؟

اس تجزیے کے بعد ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ایک تو ہم ان چیزوں کے کوائف اور اصولوں کو سمجھے بناں عمل کرر ہے ہیں اور ساتھ ہی ہمارے طریقہ کار میں کہیں نہ کہیں نقص موجود ہے اور ہمارے عبادات میں سے کسی نہ کسی عبادت کی کمی ضرور ہے

دوستو! جس دین کو دین کہا جاتا ہے ہمیشہ اس کے دو پہلو ہوا کرتے ہیں

(1) مادی وظاہری ودنیاوی پہلو

(2) روحانی و باطنی پہلو

دنیاوی پہلو میں معاشرتی وعمرانی واخلاقی حدودوقوانین اپلائیApply ہوتے ہیں جن کی افادیت بلاواسطہ معاشرے کے افرادکوپہنچتی ہے اور بالواسطہ انسان کی ذات کو

اخلاقیین کا کہنا ہے کہ اخلاقیات کی کوئی آفاقی افادیت نہیں ہے کیونکہ یہ انسان کو فطری شر سے نہیں بچاتی یعنی دنیا میں کوئی آگ ایسی نہیں ہے جو ایک برے انسان کو جلائے اور نیک انسان کو نہ جلائے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ جو چیز آفاقی قوانین کے لئے بنی ہی نہیں اسے وہاں اپلائی کرنا بھی حماقت ہے بلکہ اخلاقیاتی وعمرانیاتی ومعاشرتی قوانین واحکامات کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ ان کے رواج ونفاذ سے انسان خود انسان کے شر وضرر سے بچ جاتا ہے اور اس سے بڑی افادیت اور کیا ہوسکتی ہے کہ انسان خود اپنی نوع کے شر سے محفوظ ہو جائے لیکن اس کی ایک اخروی افادیت بھی ہے وہ یہ کہ ایک انسان جب دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچاتا ہے تو اس کی آخرت میں ایک سزا معین ہے

انسان اخلاقی احکامات کی پابندی کر کے اس سزا سے بھی بچ جاتا ہے
لیکن دوستو! ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں انسان مذہب، دین، عقیدہ اور روحانیت وعبادات سے بددل نظر آتا ہے ہم اگر اس کی وجوہات پر غور کریں تو ہمارے سامنے جو باتیں اور جو وجوہات آتے ہیں اس کی ایک طویل فہرست ہے مگر میں یہاں چند ایک آپ کے سامنے رکھوں گا اور ان کا اجمالی حل بھی پیش کروں گا

(1)......پہلی وجہ یہ ہے کہ مذہبی اجارہ دار کہتے ہیں کہ اس زندگی میں عمل کرتے رہو جزا آخرت میں ملے گی یعنی محنت کا ثمر Return اس زندگی میں نہیں مل سکتا اس طرح یہ ادھار بھی ہوتا ہے اور لمبا بھی

(2)......ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ ہمیں یہ تو کہا جاتا ہے کہ نیک اعمال کرو مگر اس کے نہ ہی کوئی واضح احکامات دیئے جاتے ہیں اور نہ ہی اچھائی اور برائی کی کوئی جامع تعریف نظر آتی ہے حتیٰ کہ ماہرین اخلاقیات بھی اس میں بھانت بھانت کی بولیاں بولتے نظر آتے ہیں اور کسی کتابِ واحد میں نیکیوں اور برائیوں کی فہرست تک موجود نہیں ہے

(3)......نیکی کا جو راستہ بتایا جاتا ہے وہ اتنا لمبا ہوتا ہے کہ انسان عمر نوح پائے اور ساری زندگی کوشش بھی کرتا رہے تو منزل تو کجا کسی سنگ میل کو بھی نہیں دیکھ پاتا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تصور غلط ہے

(4)...... یہ بھی ہے کہ اگر عام انسان کا ایک زیرو پوائنٹ Zero Point یا سٹارٹنگ پوائنٹ Starting Point فرض کر لیا جائے تو اس سے اوپر جانا نیکی ہے اور نیچے جانا برائی ہے یعنی برائی پستی کی طرف ہے اور نیکی بلندی کا نام ہے اور اس حقیقت سے

کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ نیچے گرنا آسان ہوتا ہے اور اوپر جانا محنت طلب ہوتا ہے جیسے آپ ایک پہاڑ کی ڈھلوان کے درمیان میں کھڑے ہوں اور اوپر پہاڑ کی چوٹی ہو اور نیچے گہری کھائی ہو تو آپ دیکھیں گے کہ اوپر چڑھنا محنت اور مشقت طلب کام ہوگا اور نیچے گرنے کے لئے ذرا سے بہانے کی ضرورت ہوگی یعنی ذرا سا پھسلا تو آپ نہ چاہتے ہوئے بھی نیچے گرتے چلے جارہے ہوں گے اس لئے انسان اوپر جانے سے بددل ہوجاتا ہے کوشش اور محنت کرنے کے بجائے خود کو حالات کے سپرد کردیتا ہے

اس کے لئے میں عرض کروں گا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عبادات اور تزکیات و روحانیت کا راستہ محنت طلب ہے اس میں بہت مشقت کرنا پڑتی ہے مگر ہم اس اصول کو بھول جاتے ہیں کہ محنت کے بغیر تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا

اگر کسی کو محنت کا معقول ثمر Return مل رہا ہو تو کوئی بھی محنت کو مشکل نہیں سمجھتا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمالیہ کی چوٹیوں کو سر کیا ہے ماؤنٹ ایورسٹ اور کچنچنگا ایورسٹ اور کے۔ٹو کی چوٹیوں کو سر کیا انہوں نے محنت نہیں کی ہوگی؟

کیونکہ اس میں تو ہزاروں جانیں تلف بھی ہوئی ہیں کوہ پیماؤں کی پچاس پچاس کی ٹیمیں جاتی تھیں اور دس بیس واپس آتے تھے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے

اب خود سوچیں اتنی مشقت اور محنت اور جان جوکھی کے وجوہات کیا تھے؟

اس کا آپ کو یہی ایک جواب ملے گا کہ معقول ریٹرن Return اور پرکشش معاوضہ ہی انسان کو اس خطرات پسندی میں ڈال رہا ہے

اگر ہم روحانیت میں محنت کریں گے تو اس میں جو معاوضہ ملنا ہے اس کا ہم اندازہ

بھی نہیں کر سکتے کہ کتنا ہے اور کس قدر قیمتی ہے کیونکہ ہم روحانیت کے ملنے والے معاوضے کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اس لئے ہم محنت سے جی چراتے ہیں

(5)...... دین سے بددلی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان غلط طریقے اختیار کرنے کی وجہ سے روحانی لذت حاصل نہیں کرسکتا اس لئے جسمانی مشقت اذیت اور بوجھ بن جاتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ جب جسمانی مشقت و اذیت سے روحانی یا ذہنی لذت اور ریٹرن بڑھ جائے تو جسمانی محنت کی اذیت کا احساس ختم ہو جاتا ہے مثلاً آپ ایک آدمی سے کہیں کہ اگر شدید گرمی کی دوپہر میں بیس کلو لوہے کا ٹکڑا اٹھا کر وہ اپنے گھر تک لے جائے (جو وہاں سے دس کلو میٹر دور ہے) تو یہ لوہے کا ٹکڑا اسی کو دے دیا جائے گا تو اس شرط پر کوئی شخص یہ کام کرنے پر تیار نہ ہوگا کیونکہ محنت زیادہ ہے اور معاوضہ کم ہے

اور اگر آپ اس جگہ چالیس کلو سونے کا ٹکڑا دے کر کہیں کہ اب اسے اٹھا کر گھر تک لے جاؤ تو یہ تمہارا ہے تو ہر آدمی اسے اٹھانے پر تیار ہو جائے گا چاہے اس کا گھر بیس کلو میٹر ہی دور کیوں نہ ہو

اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کو اپنی جسمانی اذیت کے مقابلے میں معاوضہ زیادہ مل رہا ہے اس لئے اس محنت کی اذیت کا احساس ختم ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس ملنے والے معاوضے کی قیمت جانتا ہے بالکل اسی طرح اگر انسان کو روحانیت اور تزکیات نفس کی محنت سے ملنے والے معاوضے کی قیمت کا اندازہ ہو جائے تو اس کے لئے ساری اذیتیں بے وجود ہو جائیں

(6)......روحانیت سے بیزاری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان جب عبادات کرنا چاہتا ہے تو اسے خشک اور بے رنگ و روغن عبادات بتا دیئے جاتے ہیں اور جب انسان وہ عبادات کو ائف اور اس کے اصولوں کے بغیر کرتا ہے تو اسے اس کا روحانی ریٹرن نہیں ملتا وہ کچھ عرصہ کچھ اعمال کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس میں کوئی روحانی ترقی نہیں آرہی اور نہ مالک ذات سے رابطہ ہو رہا ہے اور نہ ہی معاوضے کا یقین ہوتا ہے تو وہ بددل ہو جاتا ہے کیونکہ اسے روحانی لذات کے حصول تک کوئی پہنچانے والا بھی نہیں ملتا

دوسری طرف دنیا کی ساری لذتیں نقد ہیں اور آخرت کو ادھار پر ٹالا جاتا ہے اب خود سوچیں ایک آدمی سے یہ کہا جائے کہ وہ ساری زندگی محنت کرتا رہے اور اسے اس کا معاوضہ اس وقت تک نہ ملے گا جب تک وہ مر نہ جائے تو کیا ایسے کام کوئی پسند کرے گا؟ کیونکہ انسان تو وژن ایبل visionable منافع کو پسند کرتا ہے ان دیکھی چیزوں کا وعدہ اور وہ بھی موت کے بعد کا ہو تو مادیت پسند انسان ایسا کاروبار کیسے کر سکتا ہے؟

اسی طرح یہ کہ سارا ماحول اور معاشرہ اس کی ٹانگیں کھینچ رہا ہو کہ بیٹے تمہیں اس تجارت سے کچھ ملنے والا نہیں ہے تم ایک گنہگار آدمی ہو دنیا پرست آدمی ہو تمہارا یہ کام نہیں ہے یہ تو اللہ کے نیک بندے ہی کر سکتے ہیں یہ ہمارا تمہارا کام نہیں ہے اب ان حالات میں تو کوئی بھی ایسی محنت نہیں کر سکتا

(7)......اس روحانیت اور مذہب بیزاری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب تک انسان کو کوئی رہنما نہ ملے جو اس کی معاملاتِ روحانیت میں رہنمائی کرے اس کے

لئے عبادات پر بلا کچھ دیکھے قائم رہنا ناممکن ہوتا ہے کیونکہ یہ تو انسان کے لئے اپنی صفِ ماتم پہ بیٹھنے کے برابر ہے اور انسان تو کسی اور کی صف ماتم پہ بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتا ہے اور فوراً بور ہو جاتا ہے تو اپنی صف ماتم پہ تا دیر کیسے بیٹھ سکتا ہے؟

(8)......ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان عبادات کی باضابطہ طور پر کسی روحانی رہنما سے تعلیم حاصل نہیں کرتا بلکہ اس تعلیم کے دو ہی ذرائع ہوتے ہیں ایک تو وہ پروفیشنل علمائے کرام کی تقاریر سے اپنے لئے عبادات منتخب کرتا ہے اور اسے کوائف تک معلوم نہیں ہوتے اور وہ عبادات کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس کا دوسرا ذریعۂ تعلیم کتابیں ہوتی ہیں حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی علم بغیر استاد کے کسی کتاب سے حاصل کرنا ناممکن ہے حتیٰ کہ آپ کھانا وغیرہ بھی صرف کتاب سے نہیں سیکھ سکتے یہ اور بات ہے کہ پہلے سے کسی استاد سے کچھ سیکھا ہوا ہو اور پھر کتاب میں سے درج شدہ ترکیب کو دیکھ کر آپ کوئی کھانا یا کوئی ڈش تیار کر لیں

دوستو! میں آپ سے گزارش کروں گا کہ یہ سارا کچھ دنیا پرست لوگوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ روحانیت اور روحانی اعمال کا یہاں ویژن ایبل ریٹرن Visionable Return نہیں ملتا یقین کریں روحانیت کا یہاں جو ریٹرن ملتا ہے وہ ایک تو وژن ایبل Visionable (نظر آنے والا) ہوتا ہے ساتھ ہی انتہائی لذیذ اور قیمتی ہوتا ہے بشرطیکہ آپ اعمال کو روحانی اصولوں کے مطابق بجالائیں

دوستو! میں اکثر بھائیوں سے کہتا ہوں کہ مالک کائنات انسان کی فطرت کو بنانے والا ہے اسے معلوم ہے کہ انسان پہلے دیکھے گا پھر مانے گا ورنہ مان تو لے گا یقین نہیں کرے گا اور یقین کر بھی لے گا تو زیادہ دیر تک وہ یقین قائم نہ رکھ سکے گا اس لئے

اس ذات نے روحانیت کے باضابطہ اعمال میں مکاشفات کو لازم قرار دیا ہوا ہے ایسا نہیں ہے کہ کچھ بھی دیکھا نہیں جا سکتا بلکہ عرفا کا مقولہ ہے کہ ارادت مند کے لئے مکاشفات کے دروازے کبھی کبھی کھولتے رہو گے تو ان کا یقین قائم رہے گا اور ابلیس کی ریشہ دوانیوں سے وہ محفوظ رہے گا

دوستو! یہ بات بھی غلط ہے کہ روحانیت کا ریٹرن جلدی نہیں ملتا بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس کا ریٹرن دنیاوی کاموں کے ریٹرن سے بہت زیادہ جلدی اور واضح ملتا ہے

میں آپ کو ایک ایسی مثال دیتا ہوں جس کا آپ نے عام مشاہدہ بھی کیا ہوا ہو گا آپ نے سنا ہو گا کہ فلاں شخص نے فلاں آیت کا چلہ نکالا ہوا ہے اور اب وہ جس پر وہی آیت تلاوت کرتا ہے اس کا مخصوص اثر ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ بعض آیات بخار کے لئے مخصوص ہیں بعض آیات دانت درد کے لئے مخصوص ہیں بعض صورتیں جملہ بیماریوں کے لئے ہوتی ہیں

آپ بھی تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں کہ علم العملیات میں سے کسی عمل کو کر کے دیکھیں اس کا نتیجہ فوراً سامنے آئے گا

دیکھئے دوستو! روحانیت کا ایک کام ہوتا ہے عالم مافوق الاسباب میں اپروچ Approach کرنا

اس کے لئے آپ کو ایک تجربہ کرواتا ہوں آپ ایسا کریں ایک دن ایک بچھو پکڑ لیں اور خود باوضو ہو کر ایک مرتبہ یہ عزیمت پڑھ لیں

☆سَلَامٌ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٌ علیہم الصلوات والسلام وَسَلَامٌ عَلٰی نُوحٍ فِی العَالَمِین

یہ عزیمت پڑھنے کے بعد اس بچھو کو ہاتھ پہ اٹھالیں وہ آپ کو نہیں ڈسے گا اور پھر پورے چوبیس گھنٹے کے لئے آپ اس سے محفوظ رہیں گے یعنی ان چوبیس گھنٹے میں وہ آپ کو نہیں ڈس سکے گا آپ کا تجربہ کر کے دیکھ لیں

اس تجربے کے بعد خود سوچیں کہ بچھو کو ڈسنے سے کس نے روکا تھا؟ کیا کوئی کیمیکل Chmical تھا جو آپ نے ہاتھوں پہ لگا رکھا تھا؟ یا کوئی روحانی چیز تھی جس نے بچھو کو پابند کیا ہوا تھا

دوستو! آپ نے دیکھا کہ روحانیت کتنی جلدی ریٹرن دیتی ہے؟ اسی طرح اگر کوئی روحانی اعمال کرتا ہے تو اسے روحانی قوتیں حاصل ہو جاتی ہیں

یہ تو میں نے اس دنیا میں ملنے والے ریٹرن کی بات کی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم بظاہر روحانی اعمال کر رہے ہوں اور اپنے اصولوں کے مطابق نہ کر رہے ہوں تو پھر ہمارے اعمال میں غلطی نہیں ہمارے طریقہ کار میں غلطی ہے کیونکہ جب بھی کوئی عامل کسی کو عمل بتاتا ہے تو ساتھ ہی یہ بھی بتاتا ہے کہ تم اس عمل کو شروع کرنا لیکن دس دن تک دیکھنا اگر فلاں فلاں علامات ظاہر ہوں تو سمجھنا تمہارا عمل درست جا رہا ہے اور تمہارا رخ درست ہے تمہارے کوائف وضوابط پورے ہیں اگر یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو عمل کو ترک کر کے دوبارہ شروع کرنا کیونکہ تم سے کوئی غلطی ضرور ہوئی ہوگی

اسی طرح نیک اعمال اور تزکیاتِ نفس اور عبادات کی درستی کے بھی علامات ہوتے ہیں اگر ان کا ظہور نہ ہو تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کسی حد کو توڑ رہا ہے اب اسے تلاش کر کے اپنی غلطی کو دور کرے اس کے بعد پھر عبادات کی طرف رخ کرے

آپ دیکھیں اگر آپ ملتان سے لاہور جا رہے ہوں تو آپ کو سڑک کے کنارے

Mile Stones (سنگ میل) نظر آئیں گے جو آپ کو بتائیں گے کہ ایک تو آپ کا سفر طے ہو رہا ہے ساتھ ہی یہ بھی بتائیں گے کہ کتنا سفر باقی ہے اور اس طرح آپ کے سفر کرنے کا حوصلہ بھی تازہ رہے گا کہ واقعی ہم لاہور ہی کی طرف جا رہے ہیں

دوستو! میں نے کہا تھا کہ روحانیت کا ریٹرن (منافع یا جزا) دنیاوی امور سے بھی جلدی اور واضح ملتا ہے اس کے لئے آپ دنیاوی منافع کی سپیڈ دیکھیں اگر کام جز وقتی ہو تو اس کا منافع پورے دن کے بعد ملتا ہے جیسے ایک مزدور کو ایک دن کے کام کی اجرت شام کو مل جاتی ہے

مگر میں نے جو بچھو کا عمل بتایا ہے اس میں اپنی محنت دیکھیں اور جزا کی سپیڈ دیکھیں اگر کام کچھ لمبے عرصے کا ہو تو اجرت ایک ماہ بعد میں ملتی ہے لیکن روحانیت کی ایک جزا تو اس کے ارادہ کرنے ہی سے عطا فرما دی جاتی ہے پھر بھی آدمی جب بھی روحانی امور انجام دیتا ہے تو اسے اس کی جزا چند دنوں میں ہی مل جاتی ہے بلکہ ایک چلہ انسان کی کسی قوت کو ساری زندگی کے لئے کافی ہو جاتا ہے

دوستو! آپ زراعت کو دیکھیں پہلے آپ کتنی محنت کرتے ہیں سب کچھ مٹی میں ملا آتے ہیں اس کے باوجود واپسی کی امید پچاس فی صد سے زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ فصل کو کوئی وائرس لگ سکتا ہے، کوئی آسمانی یا زمینی آفت آسکتی ہے، ژالہ باری یا فلڈ یا کوئی اور آفت آنے کا امکان ہوتا ہے اور پھر پانچ چھ ماہ کی مسلسل محنت اور نگرانی اور ایک لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے اس کے بعد جا کر کچھ ملتا ہے

اب آپ کسی روحانی ماہر کی نگرانی میں اس محنت سے آدھی محنت اور آدھے عرصے کے لئے کرلیں تو آپ کے لئے انوار اِلٰہی کی بارش ہوسکتی ہے اور آپ مکاشفات

سے نہا کر رہ جائیں گے

ہمارے موجودہ نظامِ عبادت میں یہ نقص ہے کہ ہمیں جس راستے پر چلایا جا رہا ہے ایک تو اس میں نہ کوئی سنگِ میل ہے اور نہ ہی یقین دلانے والی کوئی علامت کہ ہم واقعی درست جا رہے ہیں ہمارا سفر اس طرح ہے جیسے لاکھوں اندھے مل کر ایک منزل کی طرف جا رہے ہیں اور انہیں یہ بھی معلوم نہ کہ واقعی ہم درست سمت میں جا رہے ہیں بلکہ وہ اپنے سفر کی درستگی کا ثبوت ساتھیوں کے قدموں کی چاپ ہی کو سمجھ رہے ہوں اور یہ گمان کر رہے ہوں کہ یہ سارے تو اندھے ہیں جو اسی سمت جا رہے ہیں لازماً یہ راستہ درست ہی ہے اور ان میں کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو کہ واقعی وہ راستہ درست بھی ہے

اسی طرح ہم بھی مصروفِ سفر ہیں اور ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی سفر کر رہے ہیں اور ہم نے خود کچھ بھی نہیں دیکھا اور نہ ہی حق الیقین کی حد تک ہمیں یقین ہے کہ ہم واقعی درست راستے پر جا رہے ہیں

(9)......اس دور میں دین کا جو راستہ بتایا جاتا ہے اس میں نا قابلِ عبور طوالت ہے کہ انسان اسے دیکھ کر ہی سوچ لیتا ہے کہ یہ ہمارے بس کا روگ نہیں ہے

اس دور میں تو انسان بہت زیادہ مصروف ہے اور اس کے پاس بیوی بچوں کے پاس بیٹھنے کا بھی وقت نہیں ہے اس لئے اس کے لئے تو ایسے اعمال اور کٹ شارٹ Cut Short کی ضرورت ہے کہ وہ تھوڑی سی محنت کر کے کسی روحانی لذت کو حاصل کرے کہ جس کے بعد اس میں اس کے اندر سے تشویش (شوق) پیدا ہو کہ میں ذرا اور آگے تو جا کر دیکھوں

اس دور کا انسان اب انتظار کی صعوبات کسی تجربے میں برداشت نہیں کرسکتا ہاں اگر ایک تجربہ شدہ یقینی منافع کی بات ہو تو یہ موت تک کا بھی انتظار کرسکتا ہے مگر تجربات میں ایسا نہیں ہوسکتا اس میں تو اسے Quick and Visionable Return ہی پہ آمادہ کیا جاسکتا ہے اور اسے موٹی موٹی ایسی باتوں کی ضرورت ہے کہ جو یہ آسانی سے یاد رکھ سکے اس دور میں ''مختصر واضح اور آسان احکام'' کی ضرورت ہے مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ ہمیں مسائل کی مبہم و بے سود اور لمبی باریکیوں میں دھکیل دیا جاتا ہے اور گہرے اور الجھی ہوئی تفصیلات کے چکر میں پھنسا دیا جاتا ہے کہ جن سے ساری زندگی نجات نہیں ملتی مثلاً انسان فقہ میں پھنس گیا تو وضو سے لے کر سلام تک 4000 مسئلہ نماز کا ہے اسی طرح اس ایک فرع پہ جو کچھ ہے وہ کسی کے یاد کرنے کا نہیں ہے بلکہ جو مجتہدین یہ مسائل پڑھا رہے ہیں وہ بھی کتاب ہی سے پڑھاتے ہیں زبانی یاد انہیں بھی نہیں ہیں تو اور کوئی کس طرح دو رکعت نماز کے لئے انہیں یاد رکھ سکتا ہے

(10)......انسانی نفسیات کو سمجھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ انسان وژن ایبل (مادی آنکھوں سے نظر آنے والے) منافع ہی کو مانتا ہے اور جو نفع ونقصان غیر مرعی (نظر نہ آنے والا) ہو اس پر انسان گمانِ ناقص تو کرسکتا ہے یقین نہیں کرسکتا کیونکہ اس کے لئے دو چیزوں ہیں

(1) ایک تو اس منافع پہ بات کرنے والے کے بارے میں سچا ہونے کا یقین ہو

(2) جس منافع کا وہ ذکر کررہا ہو اسے وہ دکھا دے

ہمارے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں مالک مطلق نے فرما دیا کہ مجھ پر یقین کرو تمہیں

منافع ملے گا اس پر ہمیں ضمیر نے انکار نہ کرنے دیا اس لئے ہم نے زبان سے مان لیا کہ یہ سچ ہے مگر انہوں نے جب کچھ نہ دکھایا تو ہم اس پر عملی یقین کا اظہار نہ کر سکے یعنی وہ راستہ ہم نے اختیار ہی نہ کیا گویا ہم نے عملی طور پر انکار کر دیا یعنی ہمارا اس راستے کو اختیار نہ کرنا ایک طرح کا انکار ہی ہے

میں سمجھتا ہوں کہ اس دور میں دین کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں ان طریقہ ہائے عبادات سے روشناس کرایا جائے کہ جن میں فوری مکاشفات یا سفر روحانیت کے سنگ ہائے میل نظر آئیں

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ روحانی اور عباداتی منازل سفر میں سنگ ہائے میل کیا ہوتے ہیں؟

دوستو! یاد رکھو روحانیت اور عبادات کے راستے کے مسافر کو درستیء راہ کے ثبوت ملتے رہتے ہیں اور قدم قدم پر ایسی علامات موجود ہوتی ہیں جو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہم اس وقت کہاں اور کس حال میں موجود ہیں اور ہم اپنے سفر کے نقطہ آغاز سے کتنے اوپر جا چکے ہیں جیسا کہ ہوائی جہاز میں بلندی بتانے والے آلات نصب ہوتے ہیں اور وہ بتاتے ہیں کہ اب جہاز کتنی بلندی پر پرواز کر رہا ہے اسی طرح روحانیت کی بلندیوں پہ جانے والے کو مالک مطلق ایسے آلات عطا فرماتا ہے کہ جو اسے بتاتے چلے جاتے ہیں کہ وہ کس اونچائی تک جا چکا ہے

دوستو! روحانی سفر کے سنگ ہائے میل انسان کو عالمِ خواب میں ہونے والے مکاشفات ہوتے ہیں جو قوی سے قوی تر ہو کر مکاشفاتِ بیداری تک پہنچ جاتے ہیں اور اس میں اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اور جملہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی شکل میں سامنے آتے ہیں اور یہی انسان کو بتاتے ہیں کہ تو اس وقت کس بلندی تک جا چکا ہے اور اس کا آغاز نیک لوگوں کی زیارت سے ہوتا ہے اور پھر اولیائے کرام کی زیارت تک جاتا ہے اور آخری منزل حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت مطلقہ تک ہوتا ہے یعنی انسان کا رابطہ انوار ہائے اِلٰہیہ سے مستقل ہو جاتا ہے

(11)......دوستو! اس دور میں دین اور روحانیات سے بددلی کی ایک وجہ خود انسان کا احساسِ کمتری ہے اور اس کی وجہ ایک غلط پروپیگنڈا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دی گئی ہے کہ ہم تو گناہ گار ہیں ہم لاکھ کوشش کریں ہمیں انوار اِلٰہیہ یعنی پاک انوار علیہم الصلواۃ والسلام کی زیارت نہیں ہو سکتی

اس کا مکمل جواب تو میں نے حقوقِ امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف پر مبنی کتاب (طریق المنتظرین) میں دیا ہوا ہے مگر یہاں بھی اجمالی جواب دینا چاہوں گا

دوستو! حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ الصلوات والسلام کے سامنے کسی نے عرض کیا کہ آقا آپ سے ہم دور ہوتے ہیں اور سفر کرنا خطرات سے خالی نہیں ہے اور ہم قدم قدم پہ محتاجِ ہدایت ہیں اب آپ فرمائیں ہم آپ سے کس طرح رابطہ کریں؟

اس کے جواب میں ایک طویل فرمان فرمایا جس میں رابطہ پیدا کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا اس پر اس صحابی نے عرض کیا آقا اگر کوئی شخص شراب پینے کا عادی ہے اور پھر رابطہ پیدا کرتا ہے تو کیا اسے بھی زیارت ہو جائے گی؟

امام علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا شراب انسان کے دین کو فاسد نہیں کرتی بلکہ ہماری ولایت سے انکار کرنا انسان کے دین کو خراب کرتا ہے

اس فرمان میں اس حقیقت کو منکشف فرمایا گیا ہے کہ انسان چاہے کتنا گنہگار کیوں نہ ہو وہ امام علیہ الصلوات والسلام سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے اور یہی رابطہ ہی اسے اس برائی سے بچائے گا اور اس کی ہدایت بھی ہو گی اور اس موذی مرض سے نجات بھی مل جائے گی جو انسان برائی میں مبتلا ہوتا ہے گویا وہ کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور روحانی اور اخلاقی بیماریوں کے معالج اور ڈاکٹر بن کر تو یہ انوارِ الٰہیہ علیہم الصلواۃ والسلام اس دنیا میں تشریف لائے ہیں اور یہ آئے ہی انسان کو پاک کرنے ہیں تو پھر نجس انسان ان سے رابطہ نہیں کرے گا تو کس طرح پاک ہو گا؟

اگر انسان کے منہ پہ کالک لگی ہو اور وہ پانی سے منہ پھیرے رہے گا تو پھر اس کے منہ کی کالک کون دھوئے گا؟ اگر انسان مریض ہو اور کہے کہ جب تک تندرست نہیں ہو جاتا میں ڈاکٹر کو منہ نہیں دکھاؤں گا تو کیا وہ اپنے آپ میں تندرست ہو سکتا ہے؟

دوستو! صرف اسی بات کو سمجھیں کہ ہم نجس ہیں تو یہ انوارِ الٰہیہ علیہم الصلواۃ والسلام ہمیں پاک کرنے آئے ہیں، ہم مریض ہیں تو یہ ہمیں صحت عطا فرمانے تشریف لائے ہیں، ہم گناہ گار ہیں تو یہ ہمارا تزکیہ فرمانے تشریف لائے ہیں اور ہم جب تک ان سے رابطہ نہ کریں گے پاک نہیں ہو سکتے اور ہمارے پاس ان سے رابطے کے بغیر کوئی دوسرا راستہ ہے ہی نہیں اس لئے ہمیں ان کے حضور اپنے گناہوں سے نہیں شرمانا چاہیے بلکہ ان کے حضور اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ہے انہی سے معافی اور بخشش طلب کرنا ہے اور انہی سے صحت دینی طلب کرنا چاہیے

دوستو! کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ کوئی بیمار شخص ان سے شفا طلب کرنے سے شرمایا ہو؟ ہم شب و روز اپنی بیماریوں کے بارے میں ان سے شفا طلب کرتے رہتے ہیں

خصوصاً جب سارے ڈاکٹر لا علاج قرار دے دیں تو ہم بڑے خلوص سے ان کے در سے شفا طلب کرتے ہیں اور یہ کرم فرماتے بھی ہیں اب اگر کوئی روحانی مریض ہے یا اخلاقی مریض ہے تو کیا اپنی شفا طلب کرنے سے شرمانا چاہئے ؟

(12)......اس دور میں روحانیت میں جو چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں یا بد دلی کا موجب بنتی ہیں ان میں سے ایک وہ وجہ ہے جسے جملہ عرفاء نے لکھا ہے کہ اَلْـعِـلْـمُ هُـوَ الْـحِـجَابُ الْاَكْبَر یعنی انسان کے اور مالک کے مابین سب سے بڑا حجاب اور مانع بذات خود علم ہے

عرفان کے بارے میں عرفاء فرماتے ہیں حقیقت عرفان دو چیزوں کے اثبات پر منحصر ہے یعنی ایک ہے ''ذلتِ عبودیت'' کا اثبات اور دوسری ہے ''عزت ربوبیت'' کا اثبات

فلاسفہ اور علمائے علومِ متداولہ و مروجہ انہی دو چیزوں کا اثبات کرنے کے لئے کمالِ علم اور دلائل و براہین عقلی و نقلی کا سہارا لیتے ہیں اور طرح طرح کے استدلال و استنباط واستنتاج اور منطق کے کلیات کا سہارا لیتے ہیں اور یہی ثابت کرتے ہیں کہ عزتِ ربوبیت کیا ہے؟ اور ذلتِ عبودیت کیا ہے؟ مگر جب کوئی ادراک حقیقت کے لئے یہی راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کے سامنے یہی علم ہی حجاب بن جاتا ہے اور وہ اس سے آگے نہیں جا سکتا اور رویت و زیارت محبوب سے محروم ہو جاتا ہے

اثباتِ حقیقت دو طرح سے ہوتا ہے ایک کا نام ''بیانِ کیفیت'' ہے اور ایک کا نام ''حصولِ کیفیت'' ہے اور اثباتِ حقیقی ''بیانی'' نہیں ہوتا بلکہ وہ ''حصولی'' ہوتا ہے اس کی ایک مثال دیتا ہوں شاید میرا مافی الضمیر آپ سمجھ سکیں

ایک آدمی ایسا ہے جو بہت زیادہ پڑھا لکھا ہے مگر اس نے زندگی میں کبھی آم نہیں دیکھا اور نہ اس نے اس میں سے تیار شدہ کوئی چیز کھائی ہے اب وہ آدمی کسی پڑھے لکھے کے پاس جاتا ہے کہ مجھے آم کے بارے میں سب کچھ بتا دے وہ کیسا ہوتا ہے؟ اس کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟ اس کی شکل کیسی ہوتی ہے؟ اس کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟ اس کے اندر کیا ہوتا ہے؟ اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟ اسے کس طرح کھایا جاتا ہے اور اس کے کتنے اقسام ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ

اب وہ آدمی اسے کسی بہت بڑے سکالر کا ایک مقالہ تھما دیتا ہے اس میں اس کی بات سے متعلق ساری معلومات موجود ہیں اس میں اس کے کیمیاوی تجزیوں سمیت اس کی گٹھلی سے لے کر جڑ تک کے خواص اور اس کے رنگ و اقسام تک بحث ہوئی ہے مگر یہ مقالہ دس ہزار صفحات پر مبنی ہے اسے پڑھو۔

وہ آدمی اس مقالے کو حفظ (زبانی یاد) کر لیتا ہے یہ ہے ''بیان کیفیت''

اب وہی آدمی ایک باغ بان کے پاس جا کر آم کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو وہ اسی وقت آم چوس رہا ہوتا ہے وہ کہتا ہے میاں مجھ سے کیا پوچھتے ہو یہ لو آم اور اس کی ایک ''چوسکی'' لے لو اب وہ آدمی اسے صرف ایک بار چوس لیتا ہے یہ ہے ''حصولِ کیفیت''

اب آپ غور کریں کہ جو اثبات اس ایک ''چوسکی'' سے ہوا ہے اس کا مقابلہ وہ دس ہزار صفحات کا مقالہ بھی نہیں کر سکتا تھا

روحانیت کا مقصد تو ہے رخ محبوب حقیقی کے جلوؤں کی لذت کا حصول مگر ہم کتابوں میں اس کے وجود کے اثبات پر احادیث و فرامین اور علمی و منطقی دلائل دیکھ کر مطمئن

ہو جاتے ہیں اور اسی پر اکتفیٰ کر لیتے ہیں اور یہی وسعت علم ہی سب سے بڑا حجاب بن کر ہمارے اور ہمارے محبوب کے مابین حائل ہو جاتا ہے اور ہمیں اس کے قرب اور زیارت کی لذت سے محروم رکھتا ہے اس دور کی یہی سب سے بڑی خامی ہے کہ کسی بھی مسئلے یا عقیدے میں آدمی کتابوں کے انبار تو پڑھ لیتا ہے مگر تزکیاتِ نفس کر کے حصول کیفیت نہیں کرتا

ہمارے مرشد پاک دام ظلہ و دامت برکاتہ فرماتے ہیں تم لوگ ''عقیدہ'' سنو نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھو کیونکہ مسلمہ ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ

بیان کیفیت اگرچہ لذیذ ہوتا ہے مگر حصولِ کیفیت اس سے لاکھوں کروڑوں گنا اعلیٰ ہے

(13)......دوستو! دین سے بیزاری کی جو وجوہات ہیں ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان اس وقت الیکٹرک سپیڈ سے مصروفِ سفر ہے انسان کے پاس لمبے لمبے اعمال کے لئے وقت نہیں ہے کہ وہ خود کو ان کے لئے وقف کر سکے اور لذاتِ روحانی کا ذائقہ چکھ سکے اور جب تک انسان کسی چیز کو خود چکھ نہ لے اس کی لذت کو نہیں سمجھ سکتا

اس دور میں ضروری لگتا ہے کہ انسان کو ایسے اعمال سے متعارف کرایا جائے جس سے وہ ایک مرتبہ روحانیت کو چکھ لے تاکہ اس میں اس کے حصول کا شوق پیدا ہو اس کے لئے میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں تاکہ آپ اس حقیقت کا ادراک کرسکیں

حکایت

ایک دور دراز پہاڑی علاقے میں ایک بستی تھی وہاں تک جانے کا کوئی معقول راستہ

بھی نہیں تھا نہ وہاں بجلی تھی نہ کوئی دیگر جدید ترقی کے اسباب تھے کیونکہ وہ پوری دنیا سے کٹی ہوئی ایک بستی تھی وہاں غربت و افلاس کا دور دورہ تھا بیماری اور بے روز گاری تھی حتیٰ کہ ان کے پاس پہننے کو کوئی ڈھنگ کا لباس بھی نہ تھا اور نہ کھانے کی کوئی چیز اور نہ رہنے کو کوئی مکان تھا بس وہ جھونپڑیوں میں رہتے تھے

ان سے بیس کوس دور ایک بہت بڑا پہاڑ تھا اس پہاڑ پہ ایک عبادت گزار عارف رہتا تھا جو کبھی کبھار میں آجایا کرتا تھا

ایک دن وہ عبادت گزار زاہد ان کے پاس آیا اور ان کا حال دیکھا تو کہا کہ بھائیو! میں جس پہاڑ پر رہتا ہوں اس میں ایک غار ہے اور اس غار میں ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے اگر آپ لوگ میرا ساتھ دیں تو میں وہ خزانہ تمہارے حوالے کر دوں گا اور اس طرح تمہارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے غربت دور ہو جائے گی ، یہاں سڑک اور بجلی آجائے گی ، ہسپتال کھل جائیں گے ، ہر آدمی عالی شان محلات بنوا سکے گا اور تم دنیا کے امیر ترین لوگ بن جاؤ گے

ان لوگوں نے کہا یہ تو آپ نے ہمارے لئے بڑی بات کہہ دی ہے ہم آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں اور ہم ابھی اور اسی وقت ساتھ چلنے کو تیار ہیں

یہ سن کر اس درویش نے کہا بابا ایک بات اور بھی سن لو کہ وہ غار کسی آسان جگہ پہ نہیں ہے کہ یونہی جا کر خزانے سمیٹ لائیں گے بلکہ ہمیں ایک طویل جنگل سے گزرنا پڑے گا اور اس جنگل میں خونخوار شیر چیتے ، پینتھر ، بھیڑیئے اور سانپ اژدہا اور بہت سے موذی جانور رہتے ہیں اور ہمیں اس غار تک جانے کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر ان درندوں سے لڑنا پڑے گا اس میں تمہاری کچھ جانیں ضائع بھی ہوں گی

ہاں تم اب بتاؤ کیا میرے ساتھ جانے پر تیار ہو؟

ان میں سے ایک آدمی بولا بھائیو! میں یہ یقین سے کہتا ہوں کہ اس درویش نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر اسے اشتباہ بھی تو ہوسکتا ہے ممکن ہے اس نے جس چیز کو خزانہ سمجھا ہو وہ خزانہ نہ ہو اس لئے ہمیں اس کے ساتھ جانے سے پہلے سوچنا چاہیے

اسی طرح دیگر لوگوں نے بھی تقریریں کیں تو لوگوں نے کہا درویش بابا ایک ان دیکھی اور غیر یقینی چیز کے لئے کون اپنی جان کی بازی لگا سکتا ہے یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہم درندوں سے لڑیں اپنی بعض قیمتی جانیں بھی گنوائیں اور وہاں سے ہمیں وہ خزانہ کسی بڑی مقدار میں حاصل ہی نہ ہو۔

اس پر اس درویش بابا نے کہا بھائیو! میں تمہاری بات سمجھ چکا ہوں اس لئے آپ کو ایک اور راستہ بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف سے ایک راستہ جاتا ہے جو اس غار کی پشت کی طرف سے آتا ہے اس میں ایک طرف سے ایک چھوٹا سا سوراخ ہے اگر اس سوراخ سے صبح کے وقت جھانکا جائے تو وہ خزانہ سامنے نظر آتا ہے اور وہ راستہ بے خطر ہے یعنی اس راستہ میں کوئی درندہ مداخلت نہیں کرتا اس لئے تم ایسا کرو کہ سارے لوگ میرے ساتھ چلو میں صبح کی پہلی کرن کے ساتھ تمہیں وہ خزانہ دکھا دوں گا مگر اس سوراخ سے خزانے کو صرف دیکھا جا سکتا ہے حاصل نہیں کیا جا سکتا اسے حاصل کرنے کے لئے وہی درندوں والا راستہ اختیار کرنا پڑے گا

یہ سن کر سارے لوگوں نے کہا چلو بھائی ہم اس خزانے کو دیکھ تو لیں

اس پر وہ درویش بابا انہیں لے کر گیا اور اس سوراخ سے انہیں وہ خزانہ دکھایا تو پھر واپس آکر سارے لوگ درندوں سے لڑنے پر تیار ہو گئے

دوستو! اس دور میں آدمی کو ایک تو کسی پر پورا یقین نہیں جو انسان ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے مقدس کتب کو ہضم کر چکا ہے وہ چند عرفا کی تبلیغ سے کیسے بدلا جا سکتا ہے؟ اب اس کے لئے کوئی شارٹ کٹ ہی تلاش کرنا پڑے گا اور جب تک یہ ظاہر بین اور مادیت پرست انسان عالم ماورئی کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے گا کبھی اس کے حصول کی کوشش نہ کرے گا اب اس دور میں لمبے لمبے اعمال اور طویل پراسس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کسی خفیہ سوراخ سے ایک مرتبہ عالم ماورئی کے خزائن اس کو دکھانا پڑیں گے جب یہ ان کی ایک جھلک دیکھ لے گا تو پھر یہ لالچی اس کے حصول کے لئے بھی کوشش کرے گا۔

یہ انسان لمبے اور ان دیکھے ادھار پر نقد لذتوں کو کبھی قربان نہیں کر سکتا اس لئے اس دور میں سب سے اول اسے کچھ دکھانے کی ضرورت ہے پھر یہ سب کچھ کرنے پر تیار ہو جائے گا

دوستو! اس سوراخ والی مثال سے یہ کبھی نہ سمجھ لینا کہ انسان اعلیٰ مقامات کو کسی چور دروازے سے حاصل کر سکتا ہے بلکہ اس سے صرف مشاہدہ ہو سکتا ہے حصول کے لئے وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو اولیائے کرام اور پاک ذوات متعالیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور اس کے حصول کے لئے وہی لمبا پراسس Process ہو گا، خاردار جنگل ہوں گے اس میں خواہشات نفس کے سانپ اور اژدھا ہوں گے۔ لذات دنیا کے درندے ہوں گے ان سے لڑنا پڑے گا ابلیس جیسا موذی مقابلے میں آئے گا نفس امارہ چیتے کی طرح چھپ کر حملے کرے گا اس میں زخمی ہونا پڑے گا طالبان دنیا Wild Dogs کی طرح کاٹ کھانے کو دوڑیں گے ان سے لڑنا پڑے گا غرض ہر قسمی

داخلی وخارجی دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہونا پڑے گا لیکن اس کا ایک فائدہ ہوگا کہ آپ کو اپنے راستے کی صداقت اور درستی کا سو فی صد یقین ہو جائے گا اور ملنے والا ریٹرن سامنے موجود ہوگا اس طرح آپ میں روحانیت کے پر خطر راستے پر چلنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے گا

اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ دین حق کا راستہ اور اس کے اعمال کی جزا ادھار نہیں بلکہ فوری ملنے والا ریٹرن ہے کیونکہ راہ حق پر چلنے والوں کو دو طرح کے منافعے ملتے ہیں ایک دنیا میں ملتے ہیں ایک آخرت میں اب جو آخرت میں ملنے والے ہیں وہ نظر نہ بھی آئیں تو پھر بھی اس دنیا میں ملنے والا منافع اتنا ہوتا ہے کہ اگر اخروی منافع نہ بھی ملے تو یہی منافع بھی آدمی کے لئے کافی سے زیادہ ہوتا ہے

روحانیت کی افادیت

دوستو! یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر روحانیت کی افادیت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ایک نہیں کئی فائدے ہیں مثلاً

( ) روحانیت سے انسان کا عالم ماوریٰ سے رابطہ پیدا ہو جاتا ہے

( ) انسان اسی دنیا میں عالمِ مابعد الموت کا مشاہدہ کر کے آخرت کا یقین حاصل کر لیتا ہے

( ) عام حالات میں انسان کی آخرت غیر یقینی ہوتی ہے مگر روحانیت سے یقینی ہو جاتی ہے

( )انسان ان مادی آنکھوں سے عالم ملکوت اورانوارکااور عالم ارواح کا مشاہدہ کر سکتا ہے

( )اوراس دنیا سے چلے جانے والوں سے رابطہ پیدا کر لیتا ہے اور وہاں کے حالات انہی کی زبانی سن سکتا ہے

( )اوراس سے آخرت پر یقین کے ساتھ اطمینان قلب کا حصول بھی ہوتا ہے

( )انسان اپنے مالکِ مطلق علیہ الصلوات والسلام سے بلا واسطہ احکامات و ہدایات حاصل کر سکتا ہے

( )روحانیت ہی سے انسان مکاشفات کی منزل تک جاتا ہے اور مکاشفات کے کئی فائدے ہیں یعنی سفر خیر کے سنگ ہائے میل نظر آتے ہیں جو درستیٔ سفر کی علامات ہوتی ہیں اوراس سے شوق سفر بڑھتا ہے

( )عبادات میں لذت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان عبادت میں بوریت محسوس نہیں کرتا

( )نجات بھی یقینی ہو جاتی ہے

( )ان سے دین پر اعتماد بحال رہتا ہے

( )ان سے مالک پر اعتماد بحال رہتا ہے

( )ان سے عقائد میں استحکام پیدا ہوتا ہے

( )ان سے صعوبات دنیا سے ٹکرانے کو حوصلہ قائم رہتا ہے

( )خواہشاتِ نفس اور دنیا کی مخالفت کے سامنے سینہ سپر رہنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے

( )مصیبتوں اور آلام میں انسان ان سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ اس کی نظر ان

کے مبدے پر ہوتی ہے

روحانیت کی اخروی افادیت

دوستو! روحانیت کے آخرت میں بھی لاتعداد فائدے ہیں مثلاً

() انسان اس سے جنت کی بجائے خدمتِ سلطانی پر مامور کیا جائے گا جو جنت سے اربوں گنا زیادہ اعلیٰ درجات کی حامل ہوتی ہے

() ساتوں جنتوں کے بجائے قربِ محبوب حقیقی حاصل ہوگا اور یہی وہ رضوان اِلٰہی ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ''رضوان من الله اکبر''

() بروزِ حکومت اِلٰہیہ اسے مہمان کے بجائے شرفِ میزبانی ملے گا

اگر دیگر ساری چیزیں نہ بھی ہوں تو یہ کیا کم ہے اس سے مالک پاک علیہ الصلوات والسلام کی اطاعت کاملہ کا حصول ہوگا

سچ تو یہ ہے کہ ہم تو اپنے مالک پاک علیہ الصلوات والسلام کے عبد مملوک ہیں اور غلام کی ساری کمائی مالک ہی کا حق ہوتا ہے اس طرح ہمارے عبادات کی جزا ہمارے مالک ہی کو مل جائے تو اس سے بڑی غلام کی سعادت کیا ہوگی؟

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل الله فرجه الشریف و صلوات الله علیه

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 13

شریعت وطریقت

دوستو!

ہم دیکھتے ہیں علمائے شریعت عرفاء وفقراء کے خلاف سر پہ کفن باندھ کر مصروفِ پیکار ہیں اور عرفاء ان کی نادانیوں پہ ہنس کر رہ جاتے ہیں اور جواب تک نہیں دیتے ہاں بعض فقراء جو ابھی تکمیل کے مراحل سے گزر رہے ہوتے ہیں وہ علمائے شریعت پر نقطہ چینی بھی کرتے ہیں اور جو نام نہاد فقراء ہیں وہ شریعت پہ تنقید کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں اور علمائے شریعت فرماتے ہیں کہ فقر (طریقت) اور شریعت یہ دو کشتیاں ہیں جو ایک کا سوار ہے وہ دوسری کشتی کا سوار نہیں ہوسکتا

دوستو! یہ علمائے شریعت کا مغالطہ اور نادانی ہے کہ وہ ان دونوں کو ایک دوسرے کا مخالف ونقیض سمجھتے ہیں جبکہ شریعت اور روحانیت (طریقت) ایک دوسرے کے حریف نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت کی دو مختلف تصویریں ہیں انہیں دو علیحدہ علیحدہ کشتیاں سمجھنا نادانی ہے بلکہ یہ ایک کشتی کو چلانے والے دو ہاتھ ہیں

آپ دیکھیں اگر کشتی سیدھا آگے لے جانا ہو تو پھر دونوں چپو برابر چلانے پڑیں گے اگر ایک بھی روکا گیا تو کشتی ایک ہی مقام پہ چکر کھانا شروع کردے گی آگے نہیں جا

سکے گی

یا یوں سمجھیں یہ دونوں انسان کے ایک چہرے پہ دو آنکھیں ہیں جس طرح دونوں آنکھیں مل کر ایک چیز کو دیکھتی ہیں اسی طرح شریعت اور روحانیت مل کر دین کو مکمل کرتی ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ صراط مستقیم پر چلنے کے لئے انسان کا ایک پاؤں روحانیت ہے اور دوسرا شریعت ہے اگر ان میں سے ایک بھی پاؤں کم ہوا تو انسان سیدھا نہیں چل سکتا اور وہ کسی نہ کسی منزل پہ کاروانِ نجات سے بچھڑ جائے گا

حقیقت یہ ہے کہ شریعت دین کا جسم ہے اور روحانیت اس کی روح ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ روح کے بغیر جسم فاسد اور مردہ ہوتا ہے اور اس میں کچھ وقت بعد بدبو پیدا ہو جاتی ہے کیڑے پڑ جاتے ہیں

روحانیت شریعت کی اصل ہے اس لئے روحانیت کے بغیر اعمالِ صالحہ اور عبادات بے معنی و بے جان ہوتے ہیں اور ان اعمال کی حیثیت اعمال و عبادات کی نقل سے زیادہ نہیں ہوتی اور روحانیت کے بغیر عبادت میں مصروف شخص گویا عبادات کی نقل اتار رہا ہوتا ہے اور ہر عقلمند جانتا ہے کہ اگر ایک بندر انسان کی نقل کرنے کا کتنا بڑا ماہر کیوں نہ ہو انسان نہیں کہا جاسکتا ہے ایک طوطا چاہے سارا قرآن حفظ کر لے وہ انسان کا مقام نہیں پاسکتا نقال نقال ہی رہتا ہے

روحانیت ہی اصل دین ہوتی ہے اگر روحانیت نہ ہو تو دین ایک مسودہ ء اخلاق و حدود و تعزیرات تو ہوسکتا ہے دین نہیں ہوسکتا اور مالکِ کائنات ذات کو ایک متوازن شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے

شریعت

دوستو! کئی حقیقت نا شناس فقراء یہ کہتے ہیں کہ شریعت بے سود ہے اور سارے کا سارا دین روحانیت اور فقر ہے

میں سمجھتا ہوں یہ ان کا مغالطہ ہے کیونکہ روحانیت کا اصل مرکز شہنشاہ اولین و آخرین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہیں اور انہوں نے فرمایا تھا

☆اَلفَقرُ فَخرِیِ وَالفَقرُ مِنیِ

یعنی فقر ہماری ذات کا فخر ہے اور فقر ہم سے ہے

یعنی ان کی ذات اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو مالک فقر و روحانیت ہوتے ہوئے انہوں نے شریعت کا لباس کبھی اپنی ذاتِ اقدس سے جدا نہیں فرمایا اور نہ ان کے پاک اوصیاء علیہم الصلواۃ والسلام نے شریعت کے لباس کو اتارا ہے تو ان کے بعد کسی دوسرے کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اس مقدس لباس پہ اعتراض کرے

حقیقت یہ ہے کہ شریعت ایک پردہ ہے جس میں فقر بخیر خوبی پروان چڑھتا ہے اور شریعت ایک حجاب ہے جس میں انسان کے سارے عیب چھپ جاتے ہیں

اس بات کو یاد رکھیں کہ شریعت ایک محکم قلعہ ہے جس میں عارف کے علم و عرفان کے خزانے دشمن کی دست برد سے محفوظ رہتے ہیں

یوں سمجھ لیں شریعت ایک کنکریٹ کی دیوار ہے جس کے سائے میں طریقت اور روحانیت نشو ونما پاتی ہے فقر جوان ہوتا ہے

جملہ اہل فقر اس حقیقت کو سمجھتے ہیں شریعت ہی ایک ایسی آہنی دیوار ہے جس سے

بڑے سے بڑا دشمن بھی اپنا سر ٹکراتا ہے تو اپنا ہی سر پھوڑتا ہے جملہ معترضین کے جملہ اعتراضات شریعت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں

دوستو! شریعت کی چادر میں انسان کا دین محفوظ رہتا ہے۔ آپ اپنی روحانیت اور فقر کو اور اپنے مقصد پاک کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو پھر شریعت کی فصیل کو مضبوط بناؤ کیونکہ ان کے تحفظ کی بہترین فصیل یہی شریعت ہی ہے

آپ ماضی کا مشاہدہ کریں جس قوم نے بھی اپنی شریعت کی چادر کو تار تار کیا وہ برہنہ ہو گئے ہیں جو لوگ بھی شریعت کا لباس اتار پھینکتے ہیں وہ معاشرے میں بے عزت اور بے وقار اور تنہا رہ جاتے ہیں

شریعت کی فصیل کو جن لوگوں نے توڑا ہے انہوں نے گویا اپنے مالک اور مرشد پاک کو لوگوں کے تیر ہائے ستم کے نشانے پر بٹھا دیا ہے اب مخلوق کی مرضی رحم کریں یا نہ کریں

یہ بات تمہیں ذہن نشین کر لینا چاہیے جس شخص یا جماعت نے شریعت کی آہنی دیوار گرائی ہے تو یہ گویا اس نے اپنے مالک اور مرشد پاک کو ان کے دشمنوں کے حوالے کر دیا کہ اب وہ جو جی میں آئے کریں

دوستو! آپ اپنی شیعہ برادری کو دیکھیں جہاں جہاں بھی اس قوم نے شریعت کی چار دیواری کو منہدم کیا وہیں سے اس کی ذلت کا آغاز ہوا ہے اور یہ اوروں کی نظر میں ذلیل ہونے کے ساتھ ساتھ خود اپنی نظر میں بھی گر گئے ہیں اور دیگر اقوام کے سامنے رسوائی کے سوا انہیں کچھ بھی نہیں ملا

اگر یہ قوم شریعت کے لباس کو ترک نہ کرتی تو آج دنیا میں کوئی دوسرا مسلک موجود

ہی نہ ہوتا

بعض تارکین شریعت سے بات ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہمارے خلافِ شرعِ مقدس افعال کو مالک پاک معاف فرمادیں گے کیونکہ وہ بہت کریم اور رحیم ہے

میں کہتا ہوں گناہ معاف فرمانا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ وہ رحیم و کریم ذات گناہوں کو معاف فرمادے گی مگر ہمیں یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ ہم اپنے پاک مالک کو دے کیا رہے ہیں؟ گناہ تو معاف ہو جائیں گے مگر جوزبانیں ہماری وجہ سے ان کے بارے میں کھلی ہیں ان کا کیا ازالہ ہوگا؟

کیا جوزبانیں ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے کھلی ہیں ان کے زخم بھی مندمل ہو سکتے ہیں؟

دوستو!

شریعت تمہارے قیمتی پودوں کے گرد حفاظتی باڑ کا کام کرتی ہے اس کی سختی سے حفاظت کرو ورنہ یہ دین وعلم وعرفان کے پودے برباد ہو جائیں گے

حقیقت یہ ہے کہ فقر وطریقت وحقیقت ومعرفت کی ابتدا بھی شریعت ہے اور انتہا بھی شریعت ہی ہے کیونکہ فقر وعرفان کی مبدہ و منتھیٰ ذات شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لباس شریعت ہی ہمیشہ زیب تن رکھا اس لئے ہمیں اس لباس کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہیے

شریعت اخروٹ یا بادام کے باہر والے سخت چھلکے کی طرح ہے اور جب تک یہ باہر والا چھلکا باقی رہتا ہے اخروٹ یا بادام کا مغز کھایا نہیں جا سکتا اور جب یہ چھلکا ٹوٹ جاتا ہے تو پھر ہر چیز اسے کھا جاتی ہے اگر کوئی چیز اسے نہ بھی کھائے تو بھی وہ بدبودار ہو جاتے ہیں اخروٹ اور بادام کا مغز فاسد ہو جاتا ہے اس لئے شریعت کی حفاظت

کرنا بڑا ضروری ہے

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اصل مالک ذات پاک علیہ الصلوات والسلام شریعت کے پردے میں محفوظ ہیں اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ اس پردے کو تار تار کر کے اپنے مالک پاک علیہ الصلوات والسلام کو بے حفاظت کردیں یا محفوظ رکھیں

دوستو! میری اس بات سے نہ سمجھ لینا کہ سب کچھ شریعت ہے کیونکہ جو لوگ شریعت پر اکتفیٰ کرتے ہیں عرفاء انہیں قشری کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے بادام یا اخروٹ کے چھلکے ہی کو بادام سمجھ لیا ہے حالانکہ بادام یا کسی بھی چیز کا چھلکا اصل مغز نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی کوئی اسے اصل چیز سمجھتا ہے یہ شریعت تو اصل رازوں کی محافظت کے لئے ہوتی ہے مگر اصل وہ ہوتا ہے جو اس کے اندر محفوظ ہوتا ہے جیسے جسم کے اندر روح ہوتی ہے اور وہی روح جسم سے نکل جائے تو جسم مردہ ہوتا ہے اور چند روز بعد اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور وہ فاسد ہو جاتا ہے

میں نے اس سے قبل گزارش کی تھی کہ مالک پاک علیہ الصلوات والسلام کو ایک متوازن شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ کسی بدنام زمانہ شخص کی۔

متوازن شخصیت

دوستو! ایک شخصیت وہ ہوتی ہے جو معاشرے میں عزت و وقار کی حامل ہوتی ہے اور اس کے کردار پر کوئی شخص انگلی نہیں اٹھا سکتا اور یہ بات شریعت کی وجہ سے حاصل ہو سکتی ہے

ہمارے مالک پاک علیہ الصلوات والسلام کو ایسی شخصیت پسند ہے جس میں شرعی و اخلاقی اور

روحانی کوئی عیب نہ ہو

حقیقت یہ ہے کہ شریعت انسان کو پروقار اور جاذبِ نظر شخصیت بناتی ہے شریعت پر عمل پیرا شخص بردبار، صاحبِ عزت اور محبوب خلق ہوتا ہے

آپ دیکھیں کہ جو لوگ صرف ظاہری طور شریعت کا لباس پہنے رہتے ہیں اور باطنی طور پر خباثتوں اور برائیوں میں آلودہ ہوتے ہیں اور سارے لوگ یہ جانتے بھی ہیں کہ یہ لوگ حقیقتاً بدکردار ہیں مگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود انہیں ان کا ظاہراً احترام کرنا پڑتا ہے جیسا کہ آپ اس دور میں علماء کے لباس میں بعض بدکردار لوگوں کی ظاہری طور پر عزت کر لیتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اپنے سارے جرائم کو شریعت کی چادر میں چھپا رکھا ہے اور اگر کوئی شخص واقعی شریعت کا پابند ہو باطنی طور پر بھی خلاف شرع کام نہ کرے تو اس کی عزت کیسی ہو گی؟ یہ خود سوچیں

خلافِ شریعت کام خود انسان کی شخصیت کو بدنما بنا دیتے ہیں اور خود انسان کو گھٹیا ثابت کر دیتے ہیں مثلاً گالی گلوچ، بدزبانی، جھوٹ فراڈ، اوچھی حرکتیں، بدعہدی، دھوکہ دہی، بے نمازی، کسی کی بے حرمتی کرنا، غلیظ اور سیکسی باتیں کرنا، غلیظ لطیفے بیان کرنا یہ ساری چیزیں انسان کو بے رعب بناتی ہیں اور اس کے وقار اور پرسینیلٹی Personality کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں اور انسان کی عزت مٹی میں ملا دیتی ہیں

اسی لئے داناؤں کا قول ہے کہ دھوکہ دینے سے دھوکہ کھانا ہزار درجے بہتر ہے کیونکہ اس طرح یہاں تو مال کا نقصان ہو گا مگر یہاں کی بے عزتی اور آخرت کی باز پرس سے تو بچ جائیں گے اور دھوکہ دینے والا یہاں بھی بے عزت ہو گا اور آخرت میں گرفتار ہو گا

یہ بھی ہے کہ دھوکہ کھا کر پھر بھی اعتماد کرنا بڑے پن کی علامت ہے ایک متوازن شخصیت میں حیا کا ہونا بہت ضروری ہے اور حیا ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے اور برائی کو چھپانا بھی حیا ہے اس لئے اگر کوئی برائی کو چھپا کر کرتا ہے تو اس کی بخشش کی امید رہتی ہے مگر ظاہراً برائی کرنے والے کی بخشش کی کوئی امید نہیں ہوتی

اونچا قہقہہ لگانا بھی چھوٹے پن کی علامت ہوتا ہے اس لئے مومن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ''وضحکھم تبسم '' مومنین جب ہنستے ہیں تو ان کا ہنسنا مسکراہٹ تک محدود رہتا ہے

زیادہ ہنسنا انسان کے رعب اور وقار کو ختم کر دیتا ہے

کسی کا ذکر ادب و احترام سے کرنا، چھوٹوں بڑوں کا ادب کرنا، تواضع اور انکساری کرنا ، رکھ رکھاؤ اور سلیقہ شعاری یہ ساری چیزیں ایک متوازن شخصیت کے لئے ضروری ہیں

تواضع کے بارے میں یہ بھی عرض کر دوں کے ہر معاملے میں انسان کو اتنا نہیں گرنا چاہیے کہ اس کی عزت نفس بھی جاتی رہے یعنی امیر لوگوں کے سامنے ہر کوئی جھکتا ہے اور وہ ان کے جھکنے کو اپنا پہلا حق سمجھتے ہیں یاد رکھیں امیروں کے سامنے اتنا نہ جھکیں کہ آپ کی عزت نفس مجروح ہو یا آپ کا جھکنا خوشامد اور چاپلوسی میں داخل ہو جائے یاد رکھیں تواضع خوداری کے بغیر مذموم ہوتی ہے

ایمان داری اور اچھی ساکھ اور عزت دار ہونا پوری جماعت کے لئے باعثِ عزت ہوتا ہے اور ان چیزوں سے پوری جماعت کا مورال MORAL اونچا ہوتا ہے

میری اس بحث کا مقصد یہ تھا کہ میں آپ کو بتاؤں کہ روحانیت کے ساتھ شریعت کا

کیا رشتہ ہے اور شریعت کا اور روحانیت کا آپس میں کیا ناطہ ہے اور روحانیت میں شریعت کی کیا اہمیت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے یہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں اور ان کا ایک توازن ہی اعلیٰ شخصیت پیداCREATE کرتا ہے۔

مرشدِ کامل

دوستو! آپ نے اگر اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم کے ملفوظات کا مطالعہ کیا ہو گا تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہر ولی اپنی ولایت کو مرشد کی عطا سمجھتا ہے جیسے حضرت باہو سلطان رحمتہ اللہ علیہ کے ابیات ہی میں دیکھ لیں وہ فرماتے ہیں

جیوے مرشد سوہناں باہو جیں اے بوٹی لائی ہو

یعنی وہ بار بار ''جیوے مرشد جیوے مرشد'' فرما کر بتا رہے ہیں کہ مرشد ہی سب کچھ ہوتا ہے

اب کوئی بتائے کہ مرشد کا کام صرف احکام فقہ سے آگاہ کرنا ہوتا ہے یعنی وہ نکاح و طلاق واستنجا واستبرا کے مسائل بتاتا ہے اس لئے اس کا یہ مرتبہ ہے؟

مرشد کیا ہوتا ہے یہ تو اہل فقر وعرفان ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ جیسے ایک کمسن بچے کے لئے ماں باپ کا مقام ہوتا ہے وہی مقام ایک مبتدی کے لئے مرشد کا ہوتا ہے

روحانیت کا سفر مرشد کامل کے بغیر طے کرنا ناممکن ہوتا ہے اور مراحل فقر مرشد کی رہنمائی کے بغیر طے نہیں کیئے جا سکتے

مرشد کا مقام اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے جسمانی امراض کے لئے ایک حاذق حکیم یا ڈاکٹر ہوتا ہے جسمانی ترقی اور صحت کے لئے جیسے ایک کوچ کی ضرورت ہوتی

ہے یا جیسے عمومی تعلیم کے لئے ایک استاد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روحانی استاد مرشد کامل ہوتا ہے جس طرح نیم حکیم جان کا خطرہ ہوتا ہے اور نیم ملا ایمان کا دشمن ہوتا ہے اسی طرح نیم مرشد ابدی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اس لئے مرشد کو کامل ہونا ضروری ہے اور اسے فقر میں ''مرشد'' اور اہل شرع اسے ''شیخ'' کا نام دیتے ہیں ہندی زبان میں اسے ''گرو'' کہا جاتا ہے انگلش میں اسے ''Master'' کہتے ہیں

پہلے ذرا ''مرشد'' کے معنی کا اور مقام کا تعین کرتے چلیں

عربی میں ''رشد''، ''غی'' کی ضد مانا جاتا ہے جیسا کہ کلام اِلٰہی میں ارشاد ہے

☆ ''قَد تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ''

یعنی غی کے معنی اغوا کے ہیں اور اغوا کے معنی ہیں کسی کو سیدھے راستے سے دھوکے سے یا جبراً ہٹا کر لے جانا جس کا جدید ترجمہ ہے ہائی جیک Highjack یا کڈ نیپ کرنا اسے میں ایک مثال سے پیش کرتا ہوں

ایک شخص کسی سڑک پر جا رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچ جائے اچانک راستے میں چند ہائی جیکر مل گئے اور اسے ''اغوا'' کر لیا اس نے لاکھ کوشش کی مگر اسے انہوں نے آزاد نہ کیا۔ وہ ہائی جیکرز اسے دور لے جانا چاہتے تھے کہ راستے میں اسے اس حالت میں پولیس کے ایک اعلیٰ افسر نے دیکھ لیا اور سمجھ گیا کہ یہ اس شخص کو ہائی جیک کر کے لے جا رہے ہیں تو اس نے ان کا تعاقب کیا اور اسے ان ہائی جیکرز سے آزاد کروا لیا اور خود اسے اس شخص کے گھر تک پہنچا گیا

اس میں جو ہائی جیکرز تھے وہ ''اغوا کنندہ'' تھے اور جو اس شخص کو ان سے واپس چھین

کر گھر تک لایا اسے اصطلاحی طور پر ''مرشد'' کہتے ہیں

انسان بھی جب صراطِ مستقیم پر مصروفِ سفر ہوتا ہے اور اپنی منزل کی طرف گامزن ہوتا ہے تو ابلیس ملعون اسے ہائی جیک کر لیتا ہے تو اس وقت اسے اگر کوئی اس ملعون سے چھڑا کر منزل تک لے جاتا ہے تو وہ مرشد ہوتا ہے

اس دنیا میں جو کشمکشِ خیر وشر ہے اس میں ابلیس کے مقابلے میں جو اللہ کی طرف سے ریسکیو Rescue طاقت ہے وہ مرشد ہی ہوتا ہے

بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ اس کشمکش میں اللہ بمقابلہ شیطان ہے (نعوز باللہ) یا کچھ لوگوں کا کہنا ہے اس میں پاک ذوات متعالیہ علیہم الصلوات اولسلام بمقابلہ شیطان ہیں (نعوز باللہ)

ایسا نہیں ہے بلکہ اس جنگ میں ابلیس ملعون بمقابلہ مرشد ہوتا ہے کیونکہ ابلیس گمراہ کرتا ہے اور صراط مستقیم سے اغوا کرتا ہے اور مرشد ہی واپس راہِ ہدایت پہ لاتا ہے

مرشد کا کام فقہی مسائل بتانا نہیں ہوتا نہ ہی وہ استنجے اور استبرا کے مسائل بتاتا ہے یہ کام ایک فقیہہ کا ہے نہ کہ مرشد کا بلکہ مرشد روحانی سفر میں رہنمائی فرماتا ہے

جو یتیم کا مونس و مددگار ہو اسے بھی مرشد کہا جاتا ہے

اور جن لوگوں کا مالک غائب ہو انہیں بھی یتیم کہا جاتا ہے خصوصاً دورِ غیبت کے مومنین کو یتیم کہا گیا ہے جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے اور جو ان بے سہارا مومنین کی روحانی مدد و معاونت فرمائے اسے بھی مرشد کہا جاتا ہے

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مرشد کی ضرورت کیونکر ہے اور اس کی ڈیوٹی کیا ہے؟

دوستو! اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب انسان کسی ناواقف علاقے میں جاتا ہے تو اسے ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض منچلے بغیر راہنما کے سفر شروع کر دیتے ہیں تو انہیں قدم قدم پہ وہاں کے لوگوں سے راہنمائی لینا پڑتی ہے اور راستہ پوچھ پوچھ کر منزل تک جانا پڑتا ہے

اسی طرح سیر وسلوک میں عرفان وطریقت کے سفر میں بھی ایک ہدایت کرنے والے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ایک عام سفر اور سفر طریقت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عام مسافر کو راستوں پر چلنے والے ملتے رہتے ہیں اس لئے وہ بغیر رہنما کے بھی سفر جاری رکھ سکتے ہیں مگر اس راستے میں راہ دکھانے والے اور راہ سے بہکانے والوں کا مجمع رہتا ہے اس لئے اس سفر میں انسان کو ایک ایسے معتمد رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو ان مراحل سے پہلے گزر چکا ہو اور اسے معلوم ہو کہ وہاں کس چیز کی ضرورت ہوگی وہاں کونسی چیز نقصان دیتی ہے اور کونسی چیز وہاں فائدہ دیتی ہے جیسے ایک انٹرنیشنل ٹیم کا کھلاڑی اپنی تربیت ایک کوچ اور ایک ڈاکٹر کی مرضی کے مطابق کرتا ہے اسی طرح اس راہ کے مسافر کو بھی کسی کی زیر نگرانی سفر کرنا پڑتا ہے ورنہ اسے دو چیزوں میں سے ایک سے سابقہ ضرور پڑے گا یا تو وہ کسی نہ کسی موڑ پر راستے سے اتر جائے گا یا پھر وہ کسی سنگ میل کو اپنی آخری منزل سمجھ کر بیٹھ جائے گا

اس مقام پہ مناسب ہوگا کہ میں اپنے ایک قابلِ صد احترام مہربان کا واقعہ آپ کو سناؤں ان کا واقعہ یہ ہے جب انہوں نے اپنے مرشد پاک رحمتہ اللہ علیہ کا قلادہ ءارادت پہنا تو انہوں نے اس کی معنوی تربیت شروع فرما دی جو طویل عرصہ تک جاری رہی اور مراحل طے ہونے لگے اب وہ مقام بھی آ گیا جو ہر مرشد کے لئے امتحان کا وقت

ہوتا ہے

ہوا یہ کہ ایک دن یہ میرے محسن مرشد پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا اس رات تم نے دربار شریف میں نصف شب کے بعد فلاں وظیفہ کرنا ہے اور جب فارغ ہو جاؤ تو وہیں زمین پر سو جانا

انہوں نے ان کے حکم کی تعمیل کی جب وہ وظیفے سے فارغ ہوئے تو وہیں زمین پر سو گئے اور انہیں عالم خواب میں سعادت عظیم کا حصول ہوا یعنی اللہ کے نور اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا

جب صبح ہوئی تو وہ بہت خوشی خوشی اپنے مرشد پاک رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آکر دیکھا تو وہ اپنے حجرے کے سامنے بڑی بیقراری سے ٹہل رہے ہیں اور ان کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں

جونہی ان کی نظر ہمارے محسن دوست پر پڑی تو فوراً سوال کیا کہ ''کیا بنی؟''

انہوں نے عرض کیا آپ کے کرم سے میں نے سعادتِ عظیم کو پا لیا ہے یہ سن کر انہوں نے فرمایا تفصیل بتاؤ

انہوں نے عرض کی خواب میں اللہ کے نور اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا اعزاز میں نے حاصل کر لیا ہے

یہ سن کر انہوں نے عالم جلال میں فرمایا یہ ناکافی ہے آج رات دوبارہ عمل کرو

انہوں نے دوبارہ عمل کیا پھر دوسری رات بھی زیارت کا شرف بخشا گیا جب دوسرے دن پھر وہ مرشد پاک رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہیں پھر اسی طرح عالم پریشانی میں ٹہلتے پایا اور پھر اسی طرح انہوں نے سوال کیا تو انہوں نے دوبارہ

کل والا جواب دہرایا یہ سن کر وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے اور جلال سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ڈانٹ کر فرمایا یہ نا کافی ہے آج رات پھر یہی وظیفہ کرو

انہوں نے اگلی رات پھر وہی عمل کیا اور بہت گریہ زاری بھی کی اور عرض کیا کہ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ تو کرم فرماتے ہیں ادھر مرشد پاک جو آپ کے نمائندہ ہیں وہ اسے نا کافی فرماتے ہیں میں پریشان ہوں راز کیا ہے اب آپ ہی کرم فرمائیں یہ مناجات کر کے وہ سو گئے

رات عالم خواب میں اللہ کے نور اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی انہوں نے مسکرا کر فرمایا ''تم پریشان ہو گئے ہو اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہم تمہاری دنیا اور آخرت کے پورے پورے ذمہ دار ہیں'' اس کے بعد بہت کرم بھی فرمایا

اگلے دن جب یہ اپنے مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں گئے تو دیکھا کہ وہ پہلے کی طرح ٹہل تو رہے ہیں مگر اب ان کے چہرے پر جلال کی بجائے خوشی کی لہر دوڑ رہی ہے اور وہ مسکرا رہے ہیں

جونہی ان کی نگاہ ان پر پڑی فوراً پوچھا کیا بنی؟ انہوں نے بیان کیا کہ اب ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری ذمہ داری لے لی ہے۔

یہ سن کر انہوں نے فرمایا ''اب ہوئی نہ بات''

اب آپ یہاں خود سوچیں کہ اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو اس پہلی رات کی زیارت کو کافی سمجھتا مگر مرشد کا صرف مالکِ مطلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واصل کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ دنیا و آخرت کی انہی سے ذمہ داری دلا دینا بھی اس کا فرض ہوتا ہے اور یہی مرشد کا

مقامِ امتحان ہوتا ہے کیونکہ کوئی جتنا بڑا کیوں نہیں وہ اپنی ذمہ داری تو نہیں دے سکتا اصل مالکِ مطلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل علیہم الصلواۃ والسلام ہی سے ذمہ داری دلا سکتا ہے اور جب تک وہاں سے دنیا و آخرت کی ذمہ داری نہیں ملتی اس کا جینا دوبھر رہتا ہے

کیونکہ مرشد کا جسے عہدہ ملتا ہے وہ بھی اسے اس کا مرشد دلاتا ہے اور وہ اسے اس سارے پراسس Pocess سے پہلے پاس کرتا ہے اسے ان منازل سے گزرنا پڑتا ہے اس لئے وہ جانتا ہے کہ کس مقام پہ کیا درپیش ہوتا ہے اور کہاں کیا کرنا پڑتا ہے تبھی تو دو دن لیٹ ضمانت ملنے سے وہ پریشان تھے کہ کہیں میری تربیت میں تو کوئی نقص نہیں رہ گیا

مرشد کے فرائض اور مشکلات کا عام آدمی اندازہ نہیں کرسکتا کہ کسی کی دنیا و عقبٰی کی ذمہ داری لینا کتنا مشکل کام ہے اس دور میں لوگوں نے نام نہاد مرشد دیکھے ہیں اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ مرشد کا کام صرف تعویذات دے کر رقم بٹورنا ہے اور چند تبلیغی تقریریں کرنا ہی مرشد کا کام ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب کوئی کسی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس کی ذمہ داری بن جاتا ہے

اس بات کو سمجھانے کے لئے آپ کو ایک حکایت سناتا ہوں

ایک جگہ دو عرفاء مرشد جمع ہو گئے انہوں نے مشورہ کیا کہ یہ رات ہمیں ایک ساتھ گزارنا چاہیے اس بات پر ان کا اتفاق ہو گیا اور انہوں نے وہ رات ایک ساتھ گزاری ان میں سے ایک مرشد نے پہلی نصف شب آرام فرمایا اور نصف شب کے بعد انہوں نے عبادت کا آغاز فرمایا۔ جبکہ دوسرے مرشد نے اول شب سے ساری

رات عبادت میں گزار دی جب صبح ہوئی تو انہوں نے پوچھا بھائی صاحب آپ کے حلقہ ارادت میں کتنے لوگ شامل ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک سو کے قریب ہوں گے تو جنہوں نے ساری رات عبادت میں گزاری تھی وہ چونکے کہ اتنے زیادہ لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں اور آپ آدھی رات سوتے رہے

اس پر دوسرے نے سوال کیا آپ کے کتنے ارادت مند ہیں؟

انہوں نے فرمایا ہمارا تو صرف ایک ہی ارادت مند ہے مگر اس نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے اور ہم ساری رات سو نہیں سکتے

پہلے مرشد نے سوال کیا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا بھائی ہمارا ایک ارادت مند ہے مگر اس نے ہمار اراتوں کا سونا حرام کر دیا ہے گناوہ کرتا ہے توبہ مجھے کرنا پڑتی ہے، غلطیاں وہ کرتا ہے استغفار مجھے کرنا پڑتا ہے، الٹی سیدھی حرکتیں وہ کرتا ہے اور میں ساری رات اس کی طرف سے خالق کے حضور معذرت کرتا ہوں کہ خالق یہ تو ناسمجھ ہے تو اسے معاف فرمادے، یہ احمق ہے اس سے درگزر فرما اس طرح جرم وہ کرتا ہے اور کفارہ مجھے دینا پڑتا ہے، وہ رات کو آرام سے سوتا ہے اور میں ساری رات نہیں سو سکتا جیسے کسی عورت کے ہاں بچہ ہو جاتا ہے تو وہ بچہ جب جی چاہتا ہے سو جاتا ہے، اپنے کپڑے خراب کر لیتا ہے، جب چاہتا ہے شور مچا دیتا ہے مگر ماں بیچاری نہ دن کو سو سکتی ہے نہ رات کو آرام سے سو سکتی ہے اسے پتہ نہیں ہوتا کہ یہ بچہ کب اپنے کپڑے خراب کر لے نجانے کب جاگ جائے اور بھوک اور پیاس سے چلائے اور کب نجانے کونسا جانور اس پر حملہ کر دے کب اسے مچھر کاٹے یا کوئی بیماری لگ جائے اور یہ رونا شروع کر دے

بس اسی طرح ہمارا بھی آرام وسکون برباد ہو چکا ہے اور ہمیں آپ پر حیرت ہوئی ہے کہ آپ نے آدھی رات تک کیسے آرام فرما لیا ہے جبکہ آپ کے تو ایسے سو بچے ہیں
دوستو! آپ اسی حکایت سے سمجھیں کہ ایک مرشد کو کتنے مشکلات کا سامنا رہتا ہے
حقیقت یہ ہے کہ مرشد اپنے ارادت مند کو ایک معصوم، لاوارث اور یتیم بچہ سمجھتا ہے اس لئے وہ اس کا ہر قسمی خیال رکھتا ہے اور وہ ارادت مند ایک بچے کی طرح شرارتیں کرتا ہے خود اپنا نقصان کرتا رہتا ہے مگر مرشد اسے سنبھالتا رہتا ہے
جو مرشد ہوتا ہے وہ اپنے ارادت مندوں کا دنیا اور عقبیٰ کا ضامن ہوتا ہے اور وہ پہلے خود ضمانت دیتا ہے اور پھر مالک مطلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل علیہم الصلواۃ والسلام اور خصوصاً شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے ان کی دنیا و عقبیٰ کی ضمانت لے کر دیتا ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ کوئی بھی عقلمند انسان کسی بے اختیار اور غیر سنجیدہ اور دھوکے باز کی ضمانت نہیں دے سکتا اگر آپ نے مرشد سے استفادہ کرنا ہے تو اعتبار اور اعتماد پیدا کرو کیونکہ جو کسی کو مانتا ہے وہ اس کو ہر بات مانتا ہے جو نہیں مانتا وہ اسے کچھ بھی نہیں مانتا
دوستو! میں نے آپ کے سامنے ایک مرشد کے فرائضِ منصبی کا اجمالی طور پر ذکر کر دیا ہے اب اسی سے اور آگے تک آپ خود سمجھ سکتے ہیں

بیعت

دوستو! اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ عام پیر فقیر بھی بیعت لیتے نظر آتے ہیں اس لئے یہاں یہ بتا دینا بھی لازم ہے کہ شیعہ مسلمات میں سے ہے کہ دور غیبت میں کسی فرد کی

بیعت جائز نہیں ہے کیونکہ بیعت صرف امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف ہی کی ہوسکتی ہے
شیعہ طریقت و روحانیت میں جو سلسلہ بیعت ہوتا ہے وہ مرشد کی بیعت کا نہیں ہوتا بلکہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف کی بیعت مرشد کے ہاتھ پر ہوتی ہے
عام شیعوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ روزانہ اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف کی بیعت ضرور کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف کا دست مبارک قرار دیں اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیں پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں اور کہیں

☆اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ بَیعَۃٌ لَہُ فِی عُنُقِی اِلَی یَومِ القِیَامَۃِ

یعنی اے اللہ جل جلالہ یہ میں اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف کی بیعت کر رہا ہوں اور یہ بیعت میری گردن میں قیامت تک کے لئے ہے
عمومی طور پر جو بیعت ہوتی ہے اس میں بیعت لینے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے مگر جب کوئی امام علیہ الصلوات والسلام کی بیعت ہوتا ہے تو پھر ان کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کا طریقہ یہی تھا اور اس امر پر آیت کی سند بھی موجود ہے کہ جب آپ نے بیعت لی اور اصحابِ کرام کے ہاتھوں کے اوپر اپنا دست مبارک رکھا تو آیت نازل ہوئی

☆ید الله فوق ایدیهم

یعنی ان کے ہاتھ کے اوپر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک نہ تھا بلکہ ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا دست مبارک تھا
یعنی اگر انسان کو مرشد عطا نہیں ہوا تو بھی بیعت لازم ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ

جس کی ایک رات بھی بیعتِ امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام سے خالی گزری وہ جہالت کی موت مرگیا

اگر انسان کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف مرشد کامل عطا فرماتے ہیں تو پھر اپنے ہاتھ کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف کا ہاتھ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مرشدِ کامل کے دستِ مبارک کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف کا دست مبارک قرار دیں اور یہی فقرہ ادا کر کے بیعت کریں

☆اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ بَیعَتٌ لَہُ فِی عُنُقِی اِلَی یَومِ القِیَامَۃِ

دوستو! جو شخص اس دور میں اپنی بیعت لیتا ہے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈال رہا ہے اس لئے لازم ہے کہ پہلے مرشد کے بارے میں اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف سے دریافت کرلیں کہ میں کسے اپنا مرشد بناؤں؟ جب اس کا جواب مل جائے تو پھر اس کی بیعت جائز ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے بعد بیعت نہ کرنے کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہ جاتا مگر یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ بیعت امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف ہی کی ہوتی ہے نہ کہ مرشد کی اس میں صرف ہاتھ مرشد کا ہوتا ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر بیعت کیوں لازم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف سے منسلک نہیں ہوتا اس وقت تک اس کا اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف کے روحانی فیوض سے انسلاک نہیں ہوتا اس کی عموماً یہ مثال دی جاتی ہے کہ آپ ایک ریل گاڑی کو دیکھیں کہ اس کی بوگیوں کو انجن کھینچتا ہے مگر صرف ان بوگیوں کھینچتا ہے کہ جن کا اس کے ساتھ ہک لگا ہوا ہوتا ہے

اس کا سلسلہ آپ دیکھیں کہ انجن سے ایک بوگی کا ہک لگا ہوا ہوتا ہے پھر دوسری بوگی

کا انجن سے نہیں بلکہ پہلی بوگی کے ساتھ ہک لگا ہوا ہوتا ہے اسی طرح ایک قطار بن جاتی ہے یہاں بھی اسی طرح ہمیں اپنے مرشد پاک کے ساتھ اپنا ہک لگانا پڑتا ہے تب ہمیں امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کھینچیں گے بصورت دیگر ہم ان کی روحانیاتی کشش اور کھچاؤ کے عمل سے منسلک نہ ہوسکیں گے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارا ہک تو مرشد سے لگے گا مگر فیوضِ روحانی امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی سے ملیں گے

یارب محمدؐو آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 14

اہمیتِ ادب

اے متلاشیانِ راہِ سلوک!

جب آپ کو اللہ جل جلالہ کے خصوصی کرم سے مرشد پاک مل جائے تو اسے پاک ہی سمجھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس نے تو اپنے ارادت مند کی نجاسات کو دور کر کے انہیں پاک کرنا ہوتا ہے جب وہ خود پاک نہ ہوگا تو تمہاری نجاسات کو کیسے پاک کرے گا؟ خود سوچیں اگر پانی خود نجس ہو تو کسی چیز کو کیسے پاک کر سکتا ہے؟ اس لئے راہ سلوک میں پہلا درس ادب کا ہوتا ہے اس لئے ہم بھی ادب پہ روشنی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں ()

ادب کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ ادب ظاہر و باطن کی تہذیب ہے اس لئے انسان کو اخلاق میں ادب کو داخل کرنا چاہیے خلق اور خلق میں پیش اور زبر کا فرق ہے اسی لئے ایک ''اخلاق'' بنتا ہے اور دوسرے سے ''تخلیق'' انسان اپنی تخلیق میں تبدیلی نہیں کر سکتا لیکن اخلاق کو بدل سکتا ہے یوں سمجھ لیں ادب و اخلاق انسان کے اندر اس طرح ہوتے ہیں جیسے چقماق کے پتھر میں آتش ہوتی ہے یا جیسے کھجور کی گٹھلی میں کھجور کا پیڑ ہوتا ہے دراصل یہ اللہ کی ودیعت ہوتے ہیں مگر انسان کا کام

انہیں باہر نکالنا ہے

( )

ادب انسان کو آتے آتے آتا ہے اس لئے اس میں ہمیشہ کوشش جاری رکھنا پڑتی ہے کیونکہ انسان کی باطنی قوتوں میں فرقِ درجات ہوتا ہے اس میں کچھ قوائے باطنی ناقص ہوتے ہیں کچھ کامل ہوتے ہیں اس لئے بعض لوگ جلدی جلدی ادب واخلاق کو درست کر لیتے ہیں اور بعض کو کافی کوشش کرنا پڑتی ہے اس لئے کسی مرحلے پہ کوشش کو ترک نہیں کرنا پڑتا

انسان کے اندر کا شیطان (نفس امارہ) انسان کی ان اعلیٰ کوششوں کی مخالفت کرتا ہے مگر انسان کو یہ کوشش جاری رکھنا چاہیے اگر یہ کوشش ترک کر دی جائے تو یہ نفس امارہ کی باگ چھوڑ دینے کے برابر ہے اور نفس کی باگ چھوڑ دینا اپنی ہلاکت میں اس کے ساتھ تعاون کرنے کے برابر ہے اور اپنے قتل میں تعاون بھی خودکشی کے برابر ہوتا ہے اور یہ روحانی خودکشی جسمانی خودکشی سے لاکھوں درجے بدترین اور بڑا جرم ہوتا ہے

( )

عبودیت اور بندگی مداومتِ ادب کا نام ہے جس نے حصول ادب کی کوشش ترک کر دی اس نے گویا عبودیت کو ترک کر دیا ہے اور جس نے عبودیت کو ترک کیا ہے اس نے سوئے ادبی کی ہے اور جس نے بے ادبی کی ہے گویا اس نے طغیان اور سرکشی کی ہے اور سرکشی کفر ہے

( )

اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے کہ انسان اطاعت سے جنت تک جاتا ہے اور ادب سے مولا تک جاتا ہے اور یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جو مسند شاہی کی بے ادبی کرتا ہے

دربار کے دروازے تک بھگا دیا جاتا ہے اور جو دروازے کی بے ادبی کرتا ہے اسے اس کے گھر تک مردود کیا جاتا ہے اسی لئے عرفا فرماتے ہیں تارک ادب راندہ ء درگاہ ہوتا ہے

()

ادب عمل میں قبولیت کی علامت ہوتا ہے اور منسوبات کا ادب کرنا کامیابی کا ضامن ہوتا ہے جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا کہ ایک دن اس نے محراب میں مصلیٰ پہ پاؤں پھیلا دئے تو ایک آواز آئی کیا بادشاہوں کے دربار میں اسی طرح بیٹھا جاتا ہے؟

()

خدمت کا ادب خدمت سے اعلیٰ ہوتا ہے خدمتِ بلا ادب چاہے کتنی کثیر ہو گستاخی ہوتی ہے اور ادب کے ساتھ خدمتِ قلیل بھی حکم کثیر رکھتی ہے اس لئے ادب کا درجہ خدمت سے شروع ہوتا ہے یعنی پہلے خدمت کے آداب معلوم ہونا لازم ہے تب خدمت فائدہ بخش ہے

یہاں ایک وضاحت کرنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگر کہیں خدمت اور ادب میں تصادم ہو جائے تو پھر خدمت کو ترجیح دینا لازم ہے کیونکہ اگر مرشد پاک فرمائیں ہمیں سہارا دے کر اٹھا تو اس صورت میں ان کی مسند پہ قدم رکھنا پڑے گا جو سوئے ادبی ہے مگر ان کو خدمت کی ضرورت ہے تو ادب ساقط ہو جاتا ہے اور خدمت کو اولیت حاصل ہو جاتی ہے اس پہ گفتگو ہوگی

()

دوستو! ادب ہی سے نورِ علم حاصل ہوتا ہے اور نورِ علم سے نیتِ صحیح کا ادراک ہوتا ہے اور نیت صحیح سے عملِ صحیح کا حصول ہوتا ہے اور عمل صحیح ہی سے حکمت عطا ہوتی ہے اور

حکمت ہی سے زہد پیدا ہوتا ہے اور انسان میں ترکِ دنیا و آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور ترک آخرت ہی سے طلبِ مولا و مالک حقیقی کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور ترک آخرت ہی سے طلبِ مولا و مالک حقیقی جنم لیتی ہے جب یہ طلب پیدا ہوتی ہے تو پھر من طلبنی وجدنی کے تحت انسان اپنے مالک مطلق کو پالیتا ہے

( )

حسنِ ادب تب ظاہر ہوتا ہے کہ جب باطن میں ادب چھلک رہا ہو اگر باطن میں ادب نہ ہوگا تو ظاہری ادب مستحسن نہ ہوگا اس لئے ادب باطن میں ہونا بھی ضروری ہے اور اس کا ظاہر ہونا بھی ضروری ہے

( )

عرفا کا فرمان ہے کہ جس نے ادب کو حقیر سمجھا وہ سنتِ نبویؐ سے محروم ہوا جس نے سنت کو ترک کیا وہ فرائض سے محروم ہوا اور جس نے فرائض کو ترک کیا وہ عرفان سے محروم ہو جاتا ہے

( )

دوستو! یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ توحید کے لئے ایمان اشد ضروری ہے اور ایمان کے لئے عرفان اشد ضروری ہے اور عرفان کے لئے ادب بہت ضروری ہے یہ ساری چیزیں ایک دوسرے کے بغیر نہیں ہوسکتیں

( )

امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا فرمان ہے تم ادب سیکھو چاہے جس کے بیٹے ہی کیوں نہیں یعنی نسب کی پستی کو ادب چھپا لیتا ہے اور نسب کی بلندی بے ادبی کرنے سے فنا ہو جاتی ہے

آدابِ ارادت

اے تشنگانِ آبِ عرفان!

جب اللہ جل جلالہٗ کے کرم سے تمہیں مرشد پاک کا حصول ہو جائے تو پھر تمہیں یہ دیکھنا ہے تمہیں اس کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے؟

جو آدمی ارادت میں ادب سے ناواقف رہتا ہے وہ اس راستے پر چند گام بھی نہیں چل سکتا اور کسی بے ادبی کی وجہ سے ابدی ہلاکتوں کی گہرائیوں میں جا گرتا ہے اسی لئے عرفاءِ کرام کا مقولہ ہے کہ ''با ادب با مراد بے ادب بے مراد'' یعنی اگر کسی کو کچھ حاصل ہوتا ہے تو بقدر ادب ہی حاصل ہوتا ہے اور بے ادب محروم رہتا ہے اس لئے ایک نو واردِ راہِ سلوک کو آگاہ کرنے کے لئے میں یہاں چند آداب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں

( )

دوستو! یہ بھی یاد رکھیں کہ مرشد حلقہ ارادت میں بقیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے اس لئے اس کی محفل کے اور اس کی ذات کے آداب وہی ہوتے ہیں جو امت میں کسی رسول کے ہوتے ہیں کیونکہ مرشد عالمِ ربانی ہوتا ہے اور عالمِ ربانی انبیائے بنی اسرائیل سے افضل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نائب ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے اس لئے منیب کی عدم موجودگی میں نائب مقامِ منیب پہ فائز ہوتا ہے اس لئے احکام ادب میں وہ منیب کے پروٹوکول Protocol کا مستحق ہوتا ہے

( )

مرشد پاک یادگار رسول ہوتا ہے اس لئے اس کا احترام دو حوالوں سے ہوتا ہے ایک

تو یادگارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیثِ شریف میں ہے کہ جس نے تمہیں علمِ حقیقی کا ایک باب بھی تعلیم کیا گویا وہ تمہارا مولا ہے اور مرشد پاک ہزاروں ابواب علم تعلیم کرتا ہے اس لئے وہ بھی مولا کے مقام پر فائز ہوتا ہے اور اس کا ادب بھی مولا جیسا ہوتا ہے

( )

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ☆ ''لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْه ' یعنی شہنشاہ معظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے چلنا منع ہے اسی طرح مرشد پاک کے آگے چلنا منع ہے سوائے خطرات کے مواقع کے یعنی جہاں آگے چلنے پر خطرہ ہو جیسے جنگ وغیرہ میں تو وہاں ادب یہ ہے کہ اپنی جان کو خطرے کے سامنے رکھیں

( )

☆لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْه سے یہ بھی فرمایا گیا ہے ان کے کسی معاملے میں سبقت نہیں کرنا یعنی اگر سب کے ساتھ مرشد پاک کھانا پسند فرمائے تو جب تک وہ آغاز نہ کریں تم بھی کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اسی طرح بعض لوگ قربانی کے دن شہنشاہ معظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سبقت لے لیتے تھے اور قربانی پہلے کر کے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے تھے اس لئے اللہ نے فرمایا کہ کوئی ان سے سبقت نہ کرے

کیونکہ مرشد پاک یادگارِ شہنشاہ معظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہیں اس لئے ان سے بھی سبقت کرنا بے ادبی شمار ہوتا ہے

اس آیت سے ایک یہ حکم بھی ہے کہ بعض لوگ بارگاہ اقدس میں موجود ہوتے تھے

اورکسی مسئلے کے بارے میں انہوں نے پہلے فرمان سن رکھا ہوتا تھا تو جب کوئی نیا آدمی آکر اسی مسئلے کے بارے میں دریافت کرتا تھا تو بعض لوگ شہنشاہِ معظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام فرمانے سے قبل کہہ دیتے تھے کہ آپ کا اس کے بارے میں یہ فرمان موجود ہے اس پر یہ سرزنش ہوئی کہ تمہیں کلام میں بھی سبقت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مرشد پاک نائبِ شہنشاہِ معظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہیں اس لئے ان سے بھی سبقت جائز نہیں ہے

( )

☆لَا تُقَدِّمُوا بَیۡنَ یَدَیہ کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "لَا تُکَلِّمُوا بَیۡنَ یَدَیہ" کہ مرشد کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی بھی معاملے میں اس سے سبقت نہ کی جائے خصوصاً کلام میں جیسا کہ ایک عام محفل میں آدمی کلام کرنے والے کو لقمے دیتا ہے اور باتوں میں گرہ لگاتا رہتا ہے یہ بھی مرشد کی بزم میں سوئے ادبی شمار ہوتی ہے اس لئے حکم یہ ہے کہ مرشد کی محفل میں خاموشی کو لازم رکھیں اور جب تک مرشد حکمِ کلام نہ فرمائے خاموش رہے

( )

حسن ادب خاموشی ہے اس لئے کلام میں ابتدا کرنا بھی سوئے ادبی شمار ہوتا ہے یعنی قول وفعل میں کسی طرح سبقت نہیں کرنا چاہیے

( )

☆لا ترفعوا اصوا تکم میں یہ تنبیہ فرمائی گئی کہ ان کی بزم میں ان کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کریں

()

اسی آیت سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ ان کی بارگاہ میں ہنسی مذاق بھی نہ کریں کیونکہ یہ بھی ایک گستاخی ہے

آواز کا مرشد سے بلند کرنا اور اس کی محفل میں ہنسی مذاق کرنا اس کے وقار کے پردے کو چاک کرنے کے برابر ہے کیونکہ جب وقار دل پر قائم ہو جاتا ہے تو زبان کہنے سے بند ہو جاتی ہے اور جب وقار دل پر غالب ہوتا ہے تو ارادت مند مرشد کے چہرے پر بھی نگاہ نہیں کرسکتا

()

لا ترفعوا ایک ادنیٰ حد ادب پہ زجر و توبیخ تھی تا کہ اس سے زیادہ ترک حرمت و ادب کی طرف قدم نہ اٹھ سکیں

()

جب مرشد پاک کا عرفان حاصل ہوتا ہے اور اس کے مرتبہء روحانی کا ادراک ہوتا ہے تو اس کا وقار دل پہ غالب آجاتا ہے اور جب دل پر غالب آجاتا ہے تو ادب دل پر غالب آجاتا ہے

ایک عارف کو بخار تھا مرشد پاک اس کی عیادت کو اس کے کمرے میں تشریف لے گئے تو وہ اتنا گھبرایا کہ پسینے سے شرابور ہو گیا اور اتنا پسینہ آیا کہ اس کا بخار جاتا رہا

ایک اور عارف کو بخار تھا اور وہ زیارت کے لئے آیا اور اس نے نہ دیکھا انجانے میں اس کا پاؤں مرشد پاک کے رومال پر آ گیا تو اسے اتنی ندامت ہوئی کہ وہ پسینے سے شرابور ہو گیا اور اس کا بخار اتر گیا

( )

☆لا ترفعوا اصوتکم کے بارے میں یہ بھی ہے کہ انسان چاہے خلوت میں ہو یا جلوت میں برے اعمال سے اس کا ضمیر اسے ٹوکتا رہتا ہے اور ایک عارف ضمیر کی آواز کو مرشد پاک کا حکم سمجھتا ہے اس لئے ضمیر کی نافرمانی کرنا گویا اپنے نبی اور اپنے مرشد پاک کے فرمان اور آواز سے اپنی آواز بلند کرنے کے برابر سمجھتا ہے اس لئے حسنِ ادب یہ بھی ہے کہ ضمیر کی نافرمانی بھی نہ کرے

( )

حسنِ ادب کی ترجمان عقل ہوتی ہے جتنی عقل ہوگی ادب زیادہ ہوگا اس لئے عرفا فرماتے ہیں کہ سارے کا سارا فقر ادب میں ہے ہر حال اور ہر مقام کا ادب ہی فقر ہے

( )

☆لَا تَجۡهَرُوا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡض کی تفسیر میں عرفا فرماتے ہیں کہ مرشد کے ساتھ اس طرح کلام نہیں کرنا چاہیے جیسے آپس میں گپ شپ لگاتے ہو اور یہ دل میں مرشد پاک کے وقار کے اٹھ جانے کی علامت ہے کیونکہ جب مرشد کا وقار دل میں قرار پکڑتا ہے تو زبان کو کیفیت سکھا دیتا ہے اور جب مرشد کی عظمت دل پر حاکم ہوتی ہے تو زبان کو باادب عبارت اور الفاظ خود تعلیم کرتی ہے اگر دل حرمت واحترام و وقار سے لبریز نہیں ہوتا تو سب سے پہلے ادب بھول جاتا ہے

( )

جب دل مال و دولت اور اولاد و ازواج و طبائع کا گرویدہ ہو جاتا ہے تو زبان سے الٹی سیدھی باتیں نکلتی ہیں اور زبان سے بے ادبیاں پھوٹ نکلتی ہیں کیونکہ زبان دل

کی ترجمان ہوتی ہے اگر قلب مئودب ومہذب باتہذیبِ ادب ہوتو الفاظ خودبخود مہذب ہوجاتے ہیں

()

بزرگوں اوراولیاءکرام کا ادب صاحبِ ادب کو بلند درجات تک لے جاتا ہے اور یہی ادب انسان کو دنیاوعقبیٰ کی خیر تک پہنچاتا ہے

()

تارکِ ادب محروم ہوتا ہے یعنی جہاں سے بھی عطا کی امید ویقین ہوتا ہے وہاں سے بھی خالی ہاتھ آتا ہے اس لیئے حکم دیا جاتا تھا کہ عمل کو نمک اورادب کوآٹا بناؤ کیونکہ جوادب کو عادت بناتا ہے وہ مردوں کا مقام پالیتا ہے اورمردوہی ہوتا ہے جو طالبِ مولیٰ ہوتا ہے ورنہ طالبِ عقبیٰ تو مونث ہوتا ہے

()

جب آپ کو مالک پاک شہنشاہِ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف یا مالکِ مطلق شہنشاہ معظم حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک مرشد عطا ہوتا ہے تو اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کے یہ ہمیں ان پاک ذواتِ متعالیہ نے اپنے عوض عطا فرمایا ہے اور یہ ہمیں امامت ورسالت کے متبادل کے طور پر عطا فرمائے گئے ہیں اور یہی ہمارے امیجیٹ Immediate نبی وامام ہیں ان پر مکمل اعتماد اوربھروسہ کرنا لازم ہوتا ہے اورمرشد پاک کے بارے میں یہی سوچے کہ اگر اس دور میں مسند امامت ونبوت موجود ہوتی تو اسے اس کا کس طرح ادب واحترام کرنا پڑتا یا وہ اس کا کیسا ادب کرنا پسند کرتا؟ بس ویسا ہی مرشد کا ادب کرے یعنی اس کا ادب، اس کے متعلقات کا ادب، اس کے منسوبات کا ادب، اس کے درگھر کا ادب، اس کے

سائے کا بھی ادب کرے کہ اس پہ بھی قدم نہیں آنا چاہیے رفع حاجت کے وقت اس کے گھر کی طرف رخ نہ کرے اسی طرح خود سوچتا چلا جائے

( )

اگر مرشد کے ساتھ کسی دوسرے کے رشد و ہدایت کی طرف توجہ مبذول ہو یا ضرورت محسوس ہو تو اس سے مرشد پاک کی صحبت پاک نہیں رہتی اس طرح مرشد کا کلام انسان کے اندر نفوذ نہیں کرتا جس نے مرشد کو یکتا جانا اسی نے الوھیت کے فضل کو پایا اسی لئے عرفا فرماتے ہیں کہ جس نے مرشد پر کسی کو فوقیت دی اس نے عروۃ الوثقیٰ کو توڑ دیا ہے

( )

مرشد سے اگر کوئی سرگوشی کرنا ہو تو پہلے صدقہ دے اس کے بعد سرگوشی کرے کیونکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں

( )

مرشد کی کراہت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے یعنی وہ اگر کسی چیز کے بارے میں معمولی سی ناپسندیدگی کا اظہار کریں تو اسے ارادت مند حرام کی حد تک سمجھے

( )

جس شخص میں ادب کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہونا شروع ہو تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اسے توفیقِ خیر ملنا شروع ہو گئی ہے

آدابِ استفادہ

دوستو! جب آپ کو مالک پاک شہنشاہ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف سے

مرشد پاک مل جائے تو پھراس سے استفادہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ عمومی ادب کو سمجھ لینے کے بعد جب آپ مرشد پاک سے روحانی استفادہ کرنا چاہیں تو اس کے بھی چند آداب ہیں جو آدمی ان آداب کو اپنا مرکب بناتا ہے وہ منزل پہ جلدی پہنچ جاتا ہے

()

پہلی بات یہ ہے کہ طالب و مرشد کے مابین جو اصل رابطہ ہوتا ہے وہ مرشد کی محبت اور عشق ہوتا ہے اس لئے یاد رکھیں جتنی محبت شدید و کامل ہوگی اتنا زیادہ مضبوط اور کامل رابطہ ہوگا اور مرشد ہمیشہ محبت کی قوت اور شدت کے مطابق مطلوب میں نفوذ فرماتا ہے

()

مرشد اپنے ارادت مندوں میں امینِ الہام ہوتا ہے جیسے جناب جبریل علیہ السلام امینِ وحی ہوتے تھے اور وہ اپنی وحی میں جس طرح خیانت کے مرتکب نہیں ہوتے تھے اسی طرح مرشد اپنے الہام میں خیانت کا ارتکاب نہیں کرتا اب اسی بات سے سمجھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب "مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى" کے مصداق تھے اور ہوائے نفسی سے کلام نہیں فرماتے تھے تو ان کا نائب کیسے ہوائے نفسی کے ماتحت کلام فرمائے گا؟ کیونکہ یہ ظاہر اور باطن میں مقتدیء رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے

ہویٰ کے دو اقسام ہوتے ہیں

ایک یہ کہ انسان میں جلبِ قلوب کی خواہش ہو یعنی وہ لوگوں کو اپنی طرف اٹریکٹ Attract کرنے کے لئے کلام فرمائے

دوسرا ہوئ یہ ہے کہ اپنے کلام میں خود شیرینی پیدا کرے تا کہ اس شیریں کلامی کی وجہ سے وہ انسانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا سکے یہ دونوں چیزیں خیانت کے مترادف مانی جاتی ہیں اس لئے ارادت مند کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ مرشد حظِ نفس کے لئے کلام نہیں فرماتا جیسا کہ عام لوگوں کو بولنے میں ایک لذت محسوس ہوتی ہے یاد رہے حبِ کلام کو بھی حبِ دنیا میں سے شمار کیا گیا ہے اور مرشد کو حبِ دنیا سے ماورئ سمجھنا لازم ہے

( )

مرشد کے کلام میں ''ہوئ'' کا شائبہ تک نہ آنے دو یعنی یہ گمان بھی نہ کرو کہ مرشد اپنی خواہش نفس کے ماتحت کلام فرما رہے ہیں بلکہ یہ سمجھو یہ مالک کائنات کی رضا میں کلام فرما رہے ہیں کیونکہ اسی مالک پاک علیہ الصلوات والسلام نے تو ہمیں یہ عطا فرمائے ہیں اس لئے حکم ہے کہ مرشد کے کلام سے دوران مسلسل خالق سے توفیقِ ہدایت وعرفان طلب کرتے رہو

( )

اگر مرشد پاک سے کما حقہ استفادہ کرنا چاہے تو طالب کو اس کے سامنے مسلوب الاختیار رہنا لازم ہے یعنی مال اور جان اور اولاد میں بھی اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کرے

( )

ایک اہم بات سے آپ کو آگاہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ جو منزلِ حقیقی کا متلاشی ہوتا ہے وہ طالب نعمت نہیں ہوتا بلکہ طالبِ منعم ہوتا ہے جیسے کچھ لوگ بادشاہ کی نعمات کو حاصل کرنے کے متلاشی ہوتے تھے اور کچھ لوگ خود بادشاہ کو اپنا بنانے کے

خواہش مند ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اونچا وہ ہے جو بادشاہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے کیونکہ جب بادشاہ مل جاتا ہے تو اس کے سارے نعمات بھی مل جاتے ہیں مگر نعمات کے ملنے سے ضروری نہیں بادشاہ بھی ملے ہمیں بھی مالک کے نعمات کو طلب کرنے کی بجائے خود مالک پاک علیہ الصلوات والسلام کو طلب کرنا چاہیے اور اسی سے حصولِ الٰہی ہوتا ہے یعنی انسان اپنے خالق کو پالیتا ہے یہی وہ مقامِ خلوص ہے جہاں ابلیس کو اذنِ دخول نہیں ہے اور ملکوت وکروبیاں کو طالب ومطلوب کے اس مقامِ راز میں مداخلت کی اجازت نہیں ہے

()

ایک اور اہم بات بھی عرض کرتا چلوں وہ یہ ہے کہ ایک طالبِ مولیٰ کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے کچھ بھی طلب نہ کرے جملہ عطیاتِ بزرگ اور مقاماتِ عالیہ مواہباتِ غریبیہ کو اپنے مرشد کے لئے طلب کرے یعنی اپنے لئے انہیں قربان کرکے اپنے مرشد پاک کے لئے انہیں طلب کرے اس میں حسن ارادت کا جوہر کامل ہے

یہ دوطرح سے ہوتا ہے

ایک تو یہ ہے کہ اپنے تزکیات وریاضات کا جو ثمر اللہ جل جلالہ سے عطا ہوا سے مرشد کی جھولی میں ڈالتا جائے یعنی اپنے لئے جزا طلب نہ کرے مرشد پاک کے لئے کرے جیسا کسی نے کہا ہے

ساڈے حصے دیاں خوشیاں اللہ بھانویں تیڈے گھر بار کوں ملن

دوسرا یہ ہوتا ہے کہ جو بات اس کے مقامِ علو کی نشان دہی کرے اسے اپنی طرف

منسوب نہ کرے جیسا کہ شہنشاہ کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ جل جلالہ نے ہمیں زمین و آسمان کے خزائن دکھائے" یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے دیکھے حالانکہ انہوں نے یہ خزائن خود مشاہدہ فرمائے تھے مگر مقام ادب کو واضح کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ نے دکھائے

اسی طرح ایک طالب کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مکاشفات کا جب بیان کرے تو انہیں اپنی طرف نسبت نہ دے بلکہ مرشد پاک کی طرف نسبت دے کہ انہوں نے مکاشفات کروائے ہیں

پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کا یہی دستور تھا کہ جب بھی علم غیب میں سے کسی کو مطلع فرماتے تھے تو یہ نہیں فرماتے تھے یہ ہم جانتے ہیں بلکہ فرماتے ہمیں ہمارے محبوب حقیقی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے

یہ اسلوبِ بیان ہی ادب ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے افعال عالیہ کو اللہ سے منسوب فرماتے ہیں اور ان کی پاک آل اپنے کرامات و معجزات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت دیتی ہے یہی حد ادب ہے

( )

مرشد کی بزم میں اس طرح بیٹھنا چاہیے جیسے ایک مچھلی کا شکاری دریا کے کنارے خاموشی سے کانٹا لگا کر بیٹھا ہوتا ہے کہ جونہی مچھلی آئے وہ فوراً پکڑ لے اسی طرح مرشد کی بزم میں رزقِ علم و عرفان کے لئے ہمہ وقت تیار رہے ذرا سی غفلت سے کسی بڑے کرم سے محروم ہو جائے گا

عرفا کا فرمان ہے معرفت اور حکمت وہ بے نیاز حقیقتیں ہیں کہ جو کسی ذہن کے بند

دروازے پر دستک دینے کی زحمت تک گوارا نہیں کرتیں اگر ذہن کا دروازہ کھلا پاتی ہیں تو اس میں داخل ہو جاتی ہیں ورنہ باہر ہی سے بلا دستک دیئے چلی جاتی ہیں

()

مرشد کی بزمِ قدسی میں اس طرح بیٹھنا چاہیے جیسے ایک بارانی علاقے کا آدمی موزوں موسم میں زمین تیار کر کے اس میں بیج کاشت کرنے کے بعد اللہ ﷻ کی رحمت کا منتظر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک طالب کو اپنی زمین قلب تیار کر کے اس میں حسن ادب کے بیج کاشت کرنے کے بعد انتظار میں بیٹھنا چاہیے کہ کب بارانِ رحمت ہو جائے

()

لازم ہے کہ مرشد پاک کی بزمِ قدسی میں اس وقت جائیں جب دل کو حصولِ فیض کے لئے مستعد پائیں ورنہ نہ جائیں ہاں اگر وہ یاد فرمائیں تو علیحدہ بات ہے

()

یہ بھی کہ مرشد پاک کی بزم میں اس وقت جائیں جب یہ معلوم ہو کہ وہ بھی تادیب و تہذیب نفس پر مستعد ہوں اور یقین ہو کہ وہ اس پر آمادہ ہیں اور وہ یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ تہذیب وتادیب کے لئے میٹھی باتوں کی نہیں بلکہ جھڑکیوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مریض کے لئے میٹھی چیزوں کی نہیں کڑوی دوائیوں کی ضرروت ہوتی ہے

()

مرشد پاک کی بزم کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے کلام سے ہدایت کی ہمہ وقت جستجو میں رہے اور یہ یقین کرے کہ مرشد ہدایت میں محتاجِ سوال نہیں ہوتا وہ کیفیات قلبی سے آگاہ ہوتا ہے اور مرشد کا کلام ایک بیج کی طرح ہوتا ہے اور اس

عرفان کے بیج کو ہویٰ خراب کرتی ہے اس لئے قلب کی زمین کو ہمیشہ اس کے لئے تیار رہنا چاہیے

( )

من جملہ ادب کے ایک یہ بھی ہے کہ مرشد پاک کے خیالات کا جزئیات اور کلیات میں ادب و احترام و رعایت کریں یعنی ان کا حق ادا کریں حتیٰ کہ ان کی موجودگی میں ہاتھ کا ایسا اشارہ یا جنبش بھی نہ کریں جو حد ادب سے خارج ہو یہاں بھی فرمایا گیا ہے کہ جس نے مرشد پاک کے سامنے لفظ ''نہیں'' کہا وہ کبھی فلاح نہ پائے گا

( )

مرشد پاک کی مجلس میں کثرت سوالات سے اجتناب کریں کیونکہ زیادہ سوالات کرنے والا تکلیف مالا یطاق میں گرفتار ہو جاتا ہے اور بنی اسرائیل کی طرح ایسی اطاعت پر مامور ہو جاتا ہے کہ جو اس کے بس کا روگ نہیں ہوتی اس لئے ان کی مجلس میں خاموشی کو لازم قرار دے اور اس حقیقت کو یاد رکھے کہ مجلس میں مجلس سے زیادہ خوشگوار محبوب کا دیدار ہوتا ہے بس اسی پر اکتفیٰ کرے

( )

اگر آپ مرشد کی زیارت کے لئے آئیں تو ان کے باہر تشریف لانے کا انتظار کریں اور انہیں باہر نہ بلائیں وہ جب تک خلوت گاہ میں رہیں اس میں مداخلت نہ کریں

( )

مقامات عبادت میں جہاں مرشد پاک کا سجادہ بچھایا گیا ہو وہاں اپنا سجادہ بچھانا اور ان کی جلوہ گاہ میں جہاں ان کی مسند لگائی جاتی ہو وہاں اپنی مسند بچھانا ترک ادب میں شمار ہوتا ہے اور ایک طالب حق کی اسی میں شان بھی ہوتی ہے کہ خدمت کے لئے

جملہ چیزوں سے انقطاع کر لے حتیٰ کہ جان و مال اور اولاد سے بھی ہاتھ اٹھانا پڑے تو انہیں بھی ترک کر دینا حسنِ ارادت اور مرشد کی شان شناسی ہے

( )

مرشد پاک کے کلام کو شہنشاہِ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی طرف سے ایک سلسلہِ الہام سمجھیں کیونکہ وہ جب مصروف ہدایت ہوتے ہیں تو خود انہیں بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کلام فرما رہے ہیں بلکہ وہ بھی اس الہام کے اسی طرح سامع ہوتے ہیں جیسے دیگر لوگ سن رہے ہوتے ہیں آپ دیکھیں جب کوئی غوطہ خور سمندر سے موتی نکالتا ہے تو وہ جب ساحل والوں کو وہ موتی دکھاتا ہے تو وہ بھی اسے دیکھنے میں دوسروں میں شامل ہوتا ہے کیونکہ جو موتی نکلتا ہے وہ نکالنے والا بھی اسے پہلی مرتبہ ہی دیکھ رہا ہوتا ہے اسی طرح مرشد خود کلام فرما رہا ہوتا ہے مگر وہ خود بھی اسے پہلی بار سن رہا ہوتا ہے کیونکہ یہ شہنشاہِ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے خزانہ ہائے عرفان سے اسے بھی اسی لمحے مل رہا ہوتا ہے

( )

اگر کسی مسئلے پر دماغ ساتھ نہ دے یا ان کے احکام پر دل میں تنگی محسوس کریں تو وہاں جناب خضر و جناب موسیٰ علیہما السلام کے واقعے کو یاد کریں اور یہی سوچیں کہ اس فرمان کی حقیقت وہی بہتر جانتے ہیں اس کا حقیقی علم انہی کی ذاتِ گرامی کو ہے اس طرح دل میں تنگی کا اثر کم ہو جائے گا

دوستو! میں نے ایک مرتبہ اپنے مرشد پاک دام ظلہ و دامت برکاتہ کی بارگاہِ عالیہ میں عرض کیا کہ آقا کبھی آپ ایسا فرماتے ہیں جس میں ہمیں بظاہر خسارہ نظر آتا ہے

لیکن آپ کے امر کی تعمیل تو آپ کے کرم سے ہو جاتی ہے لیکن دل میں ایک تنگی کا احساس ضرور ہوتا ہے آپ دعا کریں یہ بات بھی نہ ہواس پر وہ مسکرائے اور فرمایا یہ بات بھی مالک پاک شہنشاہِ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی عطائے محض ہے انہی سے توفیق طلب کرو دنیاوی معاملات میں ہر کوئی مدد مانگتا ہے حقیقت میں نفس کے خلاف جہاد میں پاک خاندان علیہم الصلواۃ والسلام کے کسی بھی پاک فرد سے مدد مانگنا واجب ہے ورنہ دنیاوی امور تو وہ خود سنبھال لیتے ہیں

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 15

عزاداری اور روحانیت

اے جویندگان طریق سلوک!

اکثر حضرات نے روحانیت میں عزاداری کا کہیں ذکر نہیں کیا اور اس کی افادیت کو دائرہ روحانیت میں محسوس نہیں کیا حالانکہ شیعہ اثنا عشریہ کے علم روحانیت میں اس کا مقام بہت اہم ہے

عزاداری ہی وہ پہلا قدم ہے جو روحانیت کی طرف اٹھتا ہے کیونکہ روحانیت کی بنیاد ارتکاز پر ہے اور ایک عام آدمی عزاداری ہی سے محمدؐ وآل محمدؐ پر ارتکاز کا آغاز کرتا ہے یعنی ان کے واقعات کو سنتا ہے اس پر توجہ مرتکز کرتا ہے اور ان کے فضائل میں اس پر ایک سرور طاری ہوتا ہے جو ارتکاز کے بغیر ناممکن ہے اسی طرح جب مصائب سنتا ہے تو پھر ان کی اس تصویر کو تصور میں قائم کرتا ہے کہ جو انہوں نے مظلومیت کے فریم میں انسانیت کی روحانیت کے لئے لگائی تھی

جب اس تصویر پر نظر کرتا ہے تو اس کا ارتکاز ان کی ذات پر ہوتا ہے مصائب پر ہوتا ہے اور یہ ارتکاز جب شدید ہو جاتا ہے تو انسان ان کے ساتھ پیش آنیوالے واقعات کو اپنی ذات پر محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح وہ اس مقام پر پہنچ

جاتا ہے کہ جہاں وہ اپنی روح کو پاک خاندانؑ کے انوار میں جذب کر لیتا ہے اور اس طرح اس کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں
یہ مسلمہ ہے کہ جب تک انسان کسی کے واقعات میں اپنی ذات کو جذب نہ کر لے اس پر رقت طاری نہیں ہوتی اور انسان کسی کے واقعات میں جذب نہیں ہوسکتا جب تک اس پر ارتکاز نہ کرے
بنیادی طور پر مجالس عزا کا ادارہ ایک طرح کا اجتمائی ارتکاز کی مشقوں کا ادارہ ہے کہ جہاں سارے مومنین اپنے آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام پر ارتکاز کرتے ہیں
انسان کی فطرت یہ ہے کہ اس کا فوری ارتکاز مصائب پر اور مظلوم پر ہوتا ہے یعنی مظلومیت میں یہ کشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کی سوچ کو اپنے اوپر مرتکز کر لیتی ہے اور انسان کے جذبات تک کو اپنا ہمنوا بنا لیتی ہے وہ مظلومیت چاہے کسی ڈرامے میں یا فلم ہی میں کیوں نہ دکھائی جائے اس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ انسان کی توجہ کو جذب کرتی ہے اور مظلومیت کی اس جاذبیت کی وجہ سے اللہ کے انوار ازلیہ نے مظلومیت کو اختیار کیا تا کہ ہماری مظلومیت میں جو بھی جذب ہو جائے گا اور ہمارے احساسات کو اپنے اوپر طاری کر لے گا تو وہ ایک طرح سے ان کے انوار کے سمندر میں غسل کر لے گا یعنی اس پر جو محبت کی وجہ سے درد کی کیفیت طاری ہوگی تو وہ اس کیفیت کے سمندر میں ڈوب جائے گا اور جب اس میں کوئی ڈوبے گا تو وہ سمندر اتنا پاک ہے کہ انسان کو گناہوں کی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک کر دیتا ہے بشرطیکہ پھر باہر آتے ہی وہ خود کو دوبارہ نجاستوں میں نہ ڈال دے
اگر کوئی کسی عزادار کی اس کیفیت کا گہرائی سے مشاہدہ کرے کہ جو اس پر ذکر

مصائب کے دوران طاری ہوتی ہے تو ایسا محسوس ہوگا کہ انسان امام حسین علیہ الصلوات والسلام کی ذات پر مراقبہ (Meditation) کر رہا ہے اوران کی ذات اور کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر رہا ہے اوران پر ہونے والے ہر ظلم کو اپنی ذات پر محسوس کر رہا ہے گویا وہ ان کی کیفیات میں نہار رہا ہے اوراس پر استغراق کا عالم طاری ہو جاتا ہے اوراس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جب بھی استغراق اور محویت پیدا ہوتی ہے تو کبھی بھی بے اثر نہیں ہوتی

استغراق (Meditation) کا بلند ترین مقام وہ ہوتا ہے جب انسان کو اذیت تک کا احساس نہیں ہوتا اور وہ استغراق ماتم میں پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان ایک زنجیر ہاتھ میں لے کر آتا ہے اور آٹھ انچ لمبی برچھیوں کو اپنی پشت پر چلاتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں تو اسے اذیت کا احساس تک نہیں ہوتا ہے اور یہی وہ کیفیت ہے جو روحانیت کی طرف ایک اہم قدم شمار ہوتا ہے مگر یہ روحانیت کے لئے ایک تربیتی عمل شمار ہوتا ہے اور یہ وہ مراقبہ ہے کہ جو ایک انسان آسانی سے کرسکتا ہے

انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کوئی فلم یا ڈرامہ دیکھتا ہے یا قصہ سنتا ہے تو اس میں محو ہو جاتا ہے اور جب کسی فلم میں کوئی Tragic scen آتا ہے تو اس کی محویت اسے رلا دیتی ہے، بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں یہ محویت اگر بار بار پیدا ہو تو یہ بھی کسی غیر مرئی قوت کے حصول کا موجب بن سکتی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ غیر مرئی قوت شیطانی سفلی ہو مگر جب انسان محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے مصائب پر بار بار ارتکاز کرتا ہے تو اس میں ایسی شدت آتی ہے کہ آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور

انسان جذباتی طور پر اور قلبی طور پر محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام میں مستغرق ہو جاتا ہے یوں یہ استغراق بھی عبادت ہوتا ہے اور اس کے مسلسل ارتکاز سے انسان ایک دن محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کی بزم قدسی کو پا لیتا ہے اور ان کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کا ایک غیر مربوط سا روحانی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اب یہ اس کے اوپر Depend کرتا ہے کہ وہ اس غیر مسلسل رابطے کو مستقل رابطے میں بدل سکتا ہے یا نہیں لیکن یہ غیر مسلسل رابطہ بھی ایک گناہ گار کی نجات کے لئے کافی ہو جاتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ کوئی اونچا منصب و مقام حاصل نہ کر سکے مگر جہنم سے نجات ضرور حاصل ہو جاتی ہے

عزاداری کے ویسے تو لاتعداد فوائد ہیں مگر ہم صرف اس کی روحانی افادیت کے حوالے سے دیکھ رہے ہیں

جب انسانی نفسیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی ان دیکھی چیز پر ارتکاز کا عمل ممکن نہیں ہوتا اور ان دیکھی چیز کی جاذبیت اور کشش کی قوت انسانی توجہ کو جذب نہیں کر سکتی اگر کر بھی لے تو وہ بہت تھوڑی مقدار میں ہو گی جس سے کوئی بڑا عمل واقع نہیں ہو سکتا اگر کوئی عمل ہوتا ہے تو اس ان دیکھی چیز میں اس وقت ایک عملی تحریک کی شکل میں ہوتا ہے جب انسان کو اس کے دیکھنے کی امید بھی ہو اور جس چیز کے دیکھنے کی امید ہی نہ ہو تو اس پر توجہ کا تادیر مرتکز رہنا محال ہوتا ہے

اسلامی حدود میں جو مرکز اصلی یعنی اللہ جل جلالہ ہے اس کا رویت میں آنا یا اسے کہیں دیکھا جانا محال ہے اس لئے اس کی ذات پر ارتکاز محال ہے جو لوگ ارتکاز کرتے بھی ہیں تو اس کے اسمائے حسنٰی پہ ارتکاز کیا جاتا ہے اور وہ بھی ان لوگوں کو اس کا

شعوراورطریقہ ملتا ہے جو کسی روحانی شخصیت کو مرشد مانتے ہیں اور وہ انہیں اس کے اصول وضوابط تعلیم کرتے ہیں تب کہیں کوئی کامیاب ہوتا ہے لیکن عوام کے لئے یہ پراسس process مشکل ہے یا یوں سمجھیں ان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس کی طرف توجہ کریں ساتھ ہی جو شریعت پرست زاہد ہے وہ اس کا ویسے بھی مخالف ہوتا ہے اس لئے بھی عوام میں اس کا شعور بیدار ہونے کے بجائے مائل بہ فنا ہے اس لئے کسی ایسے پراسس process کی ضرورت ہے جو عوام کو روحانیت کی طرف اٹریکٹ Attract کرے اور اس کے لئے عزاداری سے بڑھ کر کوئی پراسس process نہیں کیونکہ عوام کو اٹریکٹ Attract کرنے کے جملہ صفات عزاداری میں موجود ہیں مثلاً

()

انسانی فطرت ہے کہ وہ ہنگامے کے نقوش ذہن میں زیادہ دیر تک باقی رکھتی ہے عزاداری میں ماتم اور گریہ وبکا سے جو ہنگامہ ہوتا ہے وہ ایک دفعہ تو ایک لا مذہب آدمی کو بھی اپنی طرف کھینچتا ہے اور وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر یہ بات کیا ہے؟ اور یہ ہنگامہ بھی اس کی توجہ کو ایک واقعہ پر مرتکز کر دیتا ہے اور اس طرح وہ ایک واقعہ کے حوالے سے ایک ذات پر ارتکاز کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح اس ذات کے آئینے میں توحید کو پا لیتا ہے

()

انسانی فطرت ہے کہ مظلوم کی مظلومیت کی داستان اسے اچھی لگتی ہے اور مظلوم کے ساتھ اس کی ہمدردی وابستہ ہو جاتی ہے اور عزاداری میں ایک ایسے مظلوم کی

داستان بیان ہوتی ہے جس کے ساتھ کئی مظلوموں کی داستانیں موجود ہوتی ہیں ان میں جسے اپنے ضعیف باپ سے محبت ہوتی ہے اس کے لئے ضعیف باپ کی داستان بھی ہوتی ہے جسے اپنے جوان بیٹے سے محبت ہوتی ہے اس کے لئے یہاں کئی جوان بیٹوں کی مظلومیت کا ذکر ہوتا ہے جسے اپنے کمسن شیرخوار بیٹے سے محبت ہوتی ہے اسے اس میں کئی کمسن بچوں کا ذکر بھی ملتا ہے الغرض اس ذکر پاک میں انسانی رشتوں کے سارے زاویے موجود بھی ہوتے ہیں اور ان کی مظلومیت کا عکس بھی ہوتا ہے تو پھر یہی مظلومیت کی جاذبیت سننے والے کو پہلے اس داستان کی طرف کھینچتی ہے پھر اس کے کرداروں کی طرف لاتی ہے اور اس کے بعد ان کے مقصد اعلیٰ کی طرف لاکر دائرہ ء روحانیت میں داخل کر دیتی ہے

( )

انسان جب ظلم و ستم کی داستان سنتا ہے تو ظلم کی وجہ ضرور پوچھتا ہے اس طرح اسے امام علیہ الصلوات والسلام کی شہادت کی وجہ کے طور پر اسلامی اقدار کا علم ہو جاتا ہے اور زندگی اور موت کا فلسفہ اور حیات و موت کے مقاصد اعلیٰ کا شعور بھی بیدار ہو جاتا ہے

( )

نوجوان لڑکے فطرتاً ایسے کھیلوں کو پسند کرتے ہیں کہ جن میں مشقت ہو اور وہ حرکت میں رہیں اور لوگ انہیں دیکھیں اور شاباش بھی دیں اس طرح ماتم میں ایک تو انہیں خون گرم رکھنے کا ایک بہانہ بھی مل جاتا ہے اور ساتھ ہی لہو ولعب میں مشغول ہونے اور بے ہودہ کھیلوں کی بجائے انہیں ایک ایسی عبادت مل جاتی ہے جسے وہ پہلے تو نہیں سمجھتے مگر بعد میں اس میں جذب ہو کر عبادت کے جذبات کو بیدار کر لیتے ہیں

اور کئی اخلاقی برائیوں سے بچ جاتے ہیں

( )

تزکیات نفس کے اصول اربعہ عشر میں سے ایک ہے درد

عزاداری میں شرکت کرنے سے درد کی دونوں قسموں کا حصول ہوتا ہے یعنی جسمانی درد و اذیت اور قلبی درد کا حصول بھی ہو جاتا ہے اور اس طرح روحانیت کی ایک جز و اعظم اس میں شرکت کرنے سے خود بخود مل جاتی ہے عابد و زاہد لوگ اپنے گناہوں پہ گریہ کرتے ہیں مگر یہاں امام علیہ الصلوات والسلام کے مصائب پر گریہ کرنے کا ایک اجتماعی موقع مل جاتا ہے اور یہ گریہ اپنے گناہوں پہ رونے سے لاکھوں کروڑوں گنا اعلیٰ و اشرف و افضل ہے اور ان کا تو آپس میں موازنہ بھی نہیں ہوسکتا

( )

روحانیت کے جو اصول اربعہ عشر ہیں ان میں سے ایک ہے بے خوابی (جگراتا) وہ بھی عزاداری میں مل جاتی ہے یعنی شب عاشور شب بیداری کا ایک کورس ہوتا ہے اس میں درد بھی شامل ہو جاتا ہے اور خود اذیتی اور مشقت بھی ہوتی ہے اور جب اس میں روز عاشور کا فاقہ بھی شامل ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایسا مقام ہوتا ہے کہ انسان مقام ولایت سے قریب تر ہو جاتا ہے میں سمجھتا ہوں اگر اسی طرح کے ماحول میں کوئی شخص صرف چند دن رہے جس میں بھوکا پیاسا بھی ہو اذیت میں مبتلا بھی ہو اور درد قلبی ہو جاگا ہوا بھی ہو اور یہ سب کچھ اس نے اپنی مرضی ہی سے کیا ہو تو پھر اس کی آنکھوں کے حجابات کے اٹھنے میں کوئی چیز مانع رہتی ہی نہیں

میں کئی لوگوں کو جانتا ہوں کہ جنہوں نے اس موقعہ عاشور کا کما حقہ استعمال کیا تو روز

عاشوران کی آنکھوں سے حجابات اٹھا دیئے گئے تھے اور انہوں نے عالم انوار پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے انوار کا مشاہدہ کیا اور صرف ایک رات میں اس مقام کو پالیا جو مقام ادعیہ اور اعمال و وظائف پڑھنے والے لوگ دس بیس سال بعد بمشکل حاصل کرتے ہیں

( ) انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی یہ سنتا ہے کہ فلاں جگہ ایک قتل ہوا ہے تو فوراً چار سوال پوچھتا ہے

(1) مقتول کون ہے؟

(2) قاتل کون ہے؟

(3) قتل کی وجہ کیا ہے؟

(4) کیا مقتول کا کوئی وارث یا بدلہ لینے والا بھی کوئی ہے؟

اسی طرح جب کوئی واقعات کربلا سنتا ہے وہ بھی دریافت کرتا ہے یہ واقعہ کن ذوات پاک کے ساتھ پیش آیا ہے اس طرح اسے پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے افراد کا تعارف ہوجاتا ہے

پھر وہ قاتلین ملعونین کے بارے میں معلوم کرتا ہے تو حق کی مخالف جماعت کا تعارف ہوجاتا ہے

پھر وہ وجہ قتل پوچھتا ہے تو اسلام اور کفر حق اور باطل کے حدود کا اسے علم ہوتا ہے

پھر جب وہ مقتولین کے پسماندگان کے بارے میں پوچھتا ہے تو دستار رسالت کے جملہ وارثان پاک علیہم الصلوات والسلام کا تعارف ہوجاتا ہے اور اس طرح وہ منتقم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف سے بھی متعارف ہوجاتا ہے اور ان کی نصرت کی خواہش بھی اس کے دل میں

پیدا ہو جاتی ہے اس طرح انسان دائرہ روحانیت میں داخل ہو جاتا ہے

ہاں اگر کسی نے بالترتیب ان سوالات پر غور نہ کیا اور ان میں سے کسی ایک سوال کو بھی غیر اہم سمجھا وہ منزل روحانیت تک نہیں پہنچ پاتا ہے جیسا کہ بعض ناسمجھ لوگ مظلومیت پر رو لیتے ہیں اور دشمن سے بریت کر کے خود کو مطمئن کر لیتے ہیں اور اگلی منازل کے حصول کی کوشش نہیں کرتے تو وہ ایک مقام پر جامد ہو جاتے ہیں اور وہ نجات تو پا لیتے ہیں مگر روحانی ترقی نہیں کر سکتے

اور جو لوگ روحانی منازل کی طرف گامزن ہوتے ہیں تو وہ عجائبات کا مشاہدہ کرتے ہیں مثلاً وہ تعزیہ ہائے اقدس میں ان پاک انوار علیہم الصلوات والسلام کو موجود دیکھتے ہیں کہ جن سے وہ منسوب ہوتے ہیں

ان پر سردی گرمی کا احساس ختم کر دیا جاتا ہے بلکہ آگ جیسی چیز بے اثر ہو جاتی ہے وہ آگ میں داخل ہوتے ہیں اس میں ماتم کرتے ہیں اسے جھولیوں میں ڈال لیتے ہیں مگر ان کے کپڑے نہیں جلتے وہ اسے منہ میں ڈال لیتے ہیں مگر ان پر آگ گلزار ہو کر بتاتی ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بالکل درست ہے

ہمارے مغرب میں نشیبی علاقہ ہے اس میں مختلف بستیوں سے تعزیہ ہائے مقدس حضرت علی راجن رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پہ لائے جاتے ہیں ایک مرتبہ سیلاب آیا ہوا تھا اور راستے میں بیس بیس فٹ پانی تھا اس وقت کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سال وہاں تعزیہ پاک لے جانا ناممکن ہے اس پر کچھ عرفاء اور صاحب عقیدہ لوگوں نے کم عقیدہ افراد کی حوصلہ افزائی کے لئے کہا کہ اگر یہ پانی آج ہمارے راستہ میں حائل ہوتا ہے تو پھر ہم آئندہ تعزیہ پاک ہی نہیں بنائیں گے اس پر دوسرے بہت سے لوگوں نے

بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور وہ سبھی مولا پاک علیہ السلام پر توکل کر کے یا حسینؑ یا حسینؑ کرتے ہوئے مالک کل کے سہارے پہ چل پڑے جب وہ لوگ اس پانی میں داخل ہوئے تو جن لوگوں نے تعزیہ پاک کو کاندھا دیا تھا ان لوگوں کو پانی گھٹنوں کے برابر آرہا تھا اور جو ان کے ساتھ تھے وہ پانی میں تیر کر آرہے تھے اور ان میں سے بھی جو کاندھا دینے آتا اسے پانی گھٹنوں تک آتا تھا یہ باتیں عام حالات میں ناممکن ہیں مگر روحانیت کے حصول کے بعد یہ چیزیں آسان ہیں اور مشاہداتی ہیں عزاداری کی وجہ سے لاتعداد لوگوں نے روح عالمین شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت کا اعزاز بھی حاصل کیا ہے اور کچھ لوگوں نے عزاداری کی وجہ سے ان سے فیض اقدس بھی پایا ہے یہاں ان کا ذکر کرنا کتاب کی ضخامت بڑھانے کے مترادف ہوگا اس لئے ان واقعات کو ترک کرتا ہوں

انتباہ

دوستو! جو لوگ عزاداری اور مراسم عزاداری کا احترام نہیں کرتے وہ ہمیشہ نامراد رہتے ہیں یعنی شبیہوں کے قریب جوتے پہن کر جانا، ان کے سامنے سر نیاز نہ جھکانا ،عزاداری میں نجس حالت میں شریک ہونا، وہاں سگریٹ نوشی، حقہ نوشی کرنا ،تمباکو کھانا یا پان چبانا یا امام بارگاہوں میں تھوکنا یا شبیہوں کے قریب تھوکنا یا ناک صاف کرنا یا ان کی طرف منہ کر کے تھوکنا یا ان شبیہوں کے پاس ہنسنا یا قہقہ لگانا عزاداری کی محفلوں میں جنسی خیالات لانا یا کسی نامحرم پہ نگاہ کرنا (ہر بے ریش لڑکا بھی اسی حکم میں آتا ہے) الغرض بری سوچ ، بری نگاہ، برا خیال تک یہ ساری چیزیں ان

مقدسات کی تحقیر کرنے کے مترادف ہیں اوران مقدسات کی تحقیر کرنے والا ہمشیہ محروم رہتا ہے یعنی ایک تو ان کے فیض سے محروم رہتا ہے اور دوسرا وہ روحانی مکاشفات سے محروم رہتا ہے بلکہ وہ روحانی طور پر شیطانی ذلتوں کی گھاٹیوں میں جا گرتا ہے کہ جہاں نجات بھی ناممکن ہو جاتی ہے دنیا اور عقبیٰ دونوں کی تباہی ہو جاتی ہے دعا ہے کہ مولا پاک علیہ الصلوات والسلام ہر موالی اور عزادار کو ان امور سے محفوظ رکھیں اور آداب کو ملحوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 16

سلسلہ مکاشفات

اے تشنگان عرفان!

جب انسان قیام تصور میں مصروف ہوتا ہے تو زیادہ دن نہیں لگتے کہ عالم خواب میں سلسلہ مکاشفات شروع ہو جاتا ہے اور مرشد پاک کے باطنی احکامات ملنا شروع ہو جاتے ہیں آپ کو اس مرحلے میں بہت زیادہ محتاط ہونا پڑے گا اس لئے میں چند باتوں سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں

( )

مکاشفات کے معاملے میں شرط اول اخفیٰ ہے یعنی مرشد پاک کے احکامات جو ملیں انہیں مخفی رکھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ یہ مرشد پاک کے راز و اسرار ہوتے ہیں اور انہیں چھپانے کا شدت سے حکم ہے

فرمان ہے جس نے مومن بھائی کا راز فاش کیا گویا اس نے اس مومن کو عمداً قتل کیا ہے اسی سے سمجھ لیں کہ جس نے مرشد پاک کا راز فاش کیا ہے اس نے کتنا بڑا جرم کیا ہے؟

جناب جابر بن یزید جعفی سلام اللہ علیہ سے فرمایا گیا تھا ہم نے تمہیں اپنے رازوں سے مطلع

فرمایا ہے اگر ان میں سے ایک بھی کسی کے سامنے بیان کیا تو تم پر ہماری اور ہمارے آبائے طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام کی لعنت ہوگی

انہوں نے ایک بار عرض کیا کہ اب میرا سینہ پھٹتا ہے مجھے کہیں نہ کہیں ان کے بیان کی اجازت بخشی جائے تو فرمایا گیا کہ تم شہر کے باہر ایک کنواں ہے اس میں منہ ڈال کر اپنے راز بیان کر لیا کرو جب جناب جابر بن یزید جعفیؒ نے شہر کے باہر جا کر اس کنویں میں منہ ڈال کر راز بیان کئے تو دیکھا اس کنویں کا پانی تازے خون کی طرح جوش مارنے لگا

احادیث میں ہے کہ جس نے ہمارے رازوں کو فاش کیا اسے دو میں سے ایک سزا ضرور ملے گی یا راز فاش کرنے والا مجنون ہو جائے گا یا پھر قتل ہو جائے گا بعض عرفا پر کرم کی وجہ سے درگزر کیا جاتا ہے مگر انہیں مالی نقصان میں اس کی سزا ضرور دی جاتی ہے

()

دوستو! بعض راز ظاہراً دوسروں کے متعلق ہوتے ہیں یعنی ملنے والے رازوں کا بظاہر تعلق دوسرے لوگوں سے ہوتا ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ان کا اصل تعلق تمہارے ساتھ ہوگا نہ کہ تمہارے غیر کے ساتھ جیسے کلام الہیٰ میں جناب آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ بیان ہوا اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس قصے میں صرف ابلیس کی مذمت مقصود تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے یعنی ہمیں ابلیس جیسا کام نہیں کرنا چاہیے اس میں ہمارے لئے تنبیہ ہے اسی طرح جب تمہیں کسی کی غلطی سے آگاہ کیا جائے تو اس کا تعلق اس شخص کے ساتھ نہیں بلکہ آپ کے ساتھ ہوگا

بڑے ابا حضور نور اللہ مرقدہ جب زیارت پر تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ کافی احباب اور ارادت مند بھی زیارت پر ساتھ تھے وہاں دوران قیام بہت سے مکاشفات ہوئے اور بہت سے احکامات ملے اسی دوران انہیں شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے آگاہ فرمایا کہ فلاں فلاں شخص کی زیارت منظور نہیں ہے

یہ سن کر انہیں بہت دکھ ہوا کہ یہ لوگ کیوں محروم ہو گئے ہیں اور بڑے ابا حضور احباب کی روحانی خیر میں بہت کوشاں رہتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی رحمت سے محروم نہ رہے اس لئے انہوں نے ان لوگوں کو بلایا اور انہیں سمجھانے کے انداز میں فرمایا کہ یہاں توبہ کرو کیونکہ تم زیارت کے ثواب سے محروم ہو چکے ہو انہوں نے سنا مگر اس پر عمل نہ کیا اسی دن شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے فرمایا کہ آپ نے ان کے سامنے ہمارا راز فاش کیا اس لئے سزا کے لئے تیار ہو جائیں لیکن اپنے لئے سزا خود منتخب کریں ایک تو وہی مجنون ہونے والی سزا ہے اور ایک قتل والی ہے اور ایک مالی نقصان کی ہے اس پر انہوں نے عرض کیا مالک ہیں آپ جو بھی مناسب سمجھیں وہ حق ہے شہنشاہ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے فرمایا کہ اب آپ مالی نقصان کے لئے تیار ہو جائیں (اس طرح انہیں لاکھوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑا)

اس میں ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ جب انسان کو حکم دیا جائے کہ فلاں شخص کو یہ حکم دو تو پھر اس کی تعمیل کرنا چاہیے

()

پہلے پہل جب سلسلہ مکاشفات شروع ہوتا ہے تو اس کی غرض آزمائش ظرف ہوتی

ہے کہ کیا یہ اس قابل بھی ہے کہ اسے رازوں پر امین بنایا جا سکے اس لئے چند معمولی قسم کے راز عطا فرمائے جاتے ہیں جیسے ہم جب کسی برتن میں دودھ رکھنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو پہلے اس میں پانی ڈال کر دیکھتے ہیں کہ یہ برتن لیک تو نہیں کرتا اسی طرح جو آدمی راز لیک آوٹ کرتا ہے گویا اس کا ظرف لیک کرتا ہے اس طرح اسے پھر کسی راز پر امین نہیں بنایا جاتا اس لئے اخفائے راز بہت ضروری ہوتا ہے

( )

رازوں کے معاملے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ پہلے درجے میں خوابوں کے ذریعے ملتے ہیں کیونکہ خواب بھی وحی کا چالیسواں حصہ شمار ہوتے ہیں بعض احادیث میں تو خواب کو وحی کے دس اقسام میں سے ایک قسم قرار دیا گیا ہے

اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ دورِ غیبت کے مومنین پر جو خصوصی کرم ہوا ہے وہ رویائے صادقہ ہے یعنی سچا خواب ہے

اسی طرح فرمایا گیا ہے کہ دورِ غیبت میں جو مومن خود جھوٹ نہ بولتا ہوگا اس کا خواب کبھی جھوٹا نہ ہوگا اسی لئے فقر میں ''صدق مقال'' کا پہلا درس دیا جاتا ہے تاکہ اسے ملنے والے راز متشابہ نہ ہوں محکم ہوں تاکہ وہ ان پر عمل کر سکے

یوں سمجھ لیں خواب کی سچائی زبان کی سچائی پر قائم ہے اور زبان کی سچائی سے مشروط ہے اسی لئے شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا

☆لعنت الله على الكاذب ولو كان مازح

یعنی اللہ کی لعنت جھوٹے پر ہو جاتی ہے چاہے وہ ہنسی مزاح ہی میں کیوں نہ بولے

( )

ایک مبتدی کو یہ بھی بتا دوں کہ اخفائے راز کے حکم کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرشد

پاک گونا گونیت میں ظہور فرماتا ہے جس کا متحمل عام آدمی نہیں ہوتا اور اس پر افشائے راز کرنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے

()

بعض اوقات افشائے راز کی وجہ ظرف کی تنگی ہوتی ہے یعنی کم ظرفی کی وجہ سے راز زبان سے چھلک کر باہر آجاتے ہیں اس لئے افشائے راز کو کم ظرفی مانا جاتا ہے

()

انسان کے اندر دو روحانی قوتیں ہوتی ہیں ایک کا نام ہے آخذہ کہ جس سے انسان اسرار اخذ کرتا ہے یعنی وصول کرتا ہے اور دوسری قوت کا نام ہوتا ہے معطیہ کہ جس سے انسان کسی کو راز عطا فرماتا ہے اور جب معطیہ آخذہ پر غالب آجاتی ہے تو افشائے راز ہو جاتا ہے اور یہ عارف کا بہت بڑا عیب ہے اس لئے انہیں اعتدال میں رکھنے کے لئے عقل سے کام لینا بڑا ضروری ہوتا ہے

()

ایک طالب عرفان کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مکاشفات اور واردات قلبی یا عطیہ الٰہی یا کرامات یا قبولیت میں سے کوئی چیز مرشد پاک سے نہ چھپائے اس میں بعض اوقات انسان کو اس کے قبائح اور معائب سے آگاہ کیا جاتا ہے تو انہیں مرشد پاک کے سامنے بیان کرے اگر اسے اس کے بیان میں شرم آئے تو اسے کنایہ و اشارہ سے بیان کرے اگر ایسا نہ کیا جائے تو دل میں الجھن کی ایک گرہ لگ جاتی ہے اور یہ گرہ سفر عرفان میں گرہ بن جاتی اور انسان گرہ کو خود نہیں کھول سکتا اس لئے اسے ہر بار بیان کر دینا چاہیے

عرفا کا قول ہے جو حکیم اور ڈاکٹر کے سامنے مرض بیان کرنے سے شرمایا وہ کبھی شفا

یاب نہ ہوا اور جس نے عالم کے سامنے اپنی جہالت چھپائی وہ ہمیشہ جاہل رہا اور جس نے اپنے وکیل کے سامنے اپنا جرم چھپایا اسے سزا ہوئی اور جس نے مرشد پاک کے سامنے اقرار گناہ نہ کیا وہ گناہ سے کبھی پاک نہ ہوا یعنی اس کا گناہ کبھی نہ بخشا گیا

مکاشفاتی معمات

دوستو! اس راستے میں آنے والے ایک اور مسئلے کو بھی یاد رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جب سلسلہ عطا و کرم شروع ہوتا ہے تو اس میں طالبِ عرفان کا اپنے وقائع اور مکاشفات اور واردات قلبی پر بغیر مرشد پاک سے رجوع کئے اعتماد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات انسان کو آزمائشی طور پر کچھ دیا جاتا ہے جو اس کا امتحان ہوتا ہے کہ یہاں یہ کیا عمل کرتا ہے وہاں عمل نہیں کرنا ہوتا مگر بظاہر اس کے کرنے کا حکم مل جاتا ہے ایسی صورت میں آپ کو مرشد پاک سے رجوع کرنا لازم ہے کیونکہ وہ ان مراحل سے اپنے مرشد پاک کی نگرانی میں گزر چکے ہوتے ہیں اس لئے وہی اس کے راز کو سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق حکم دیتے ہیں آپ تو نووارد ہیں اور وہ ان راستوں کے پیچ وخم سے واقف ہیں اس لئے ان سے رہنمائی لئے بناں عمل نہیں کرنا چاہیے

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بعض لوگوں نے اپنے مکاشفات میں مرشد پاک سے بے نیازی دکھائی اور گمراہ ہو گئے اور حبِ دنیا کی آلائشوں میں گرفتار ہو گئے

()

دوستو! بعض طالبان عرفان کو خلاف فقر وعرفان اور خلاف دین احکامات ملے اور انہوں نے سمجھا کہ اس میں مرشد پاک سے راہنمائی لینے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ

اس طرح امتحان میں ناکام ہو گئے اس لئے یہاں میں ایک بات عرض کرنا لازم سمجھتا ہوں کہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مکاشفات اور وجدانی طور پر جو کچھ عطا ہو رہا ہوتا ہے وہ بطفیلِ مرشد پاک ہو رہا ہوتا ہے اور جملہ فیوضِ الٰہی کا وسیلہ مرشد پاک ہوتا ہے اور جو شخص بلا واسطہ حصولِ فیض کی طرف مائل ہوتا ہے وہ تکبر کرتا ہے اور خود کو وسیلے سے بے نیاز سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور یہ عمل اس کی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے

اس حقیقت کا کما حقہ ادراک اس صورت میں ہوتا ہے جب ہمیں منصب امامت اور روحانیت کے مابین جو مرکزی تعلق ہے اس کا مقام معلوم ہو جائے اس لئے میں اس پہ بھی روشنی ڈالنا لازم سمجھتا ہوں

جب انسان روحانیت کے حصول کی کوششیں کرتا ہے تو چند دنوں میں مکاشفات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے مگر ابتدا میں جو مکاشفات ہوتے ہیں وہ مبہم ہوتے ہیں اور اس میں کئی معمے مخفی ہوتے ہیں کہ جن سے کوئی مطلب اخذ کرنا آسان نہیں ہوتا اور ان معمات کی بھول بھلیوں میں سے گزر کر حقیقی راستہ اور دستور العمل تلاش کرنا ایک نو مشق مبتدی کے لئے مشکل نہیں محال ہوتا ہے اور کئی شہسوارانِ ریاضات یہاں آ کر مات کھا جاتے ہیں اور غلط راستوں پر چلنا شروع کر دیتے ہیں

یہ معمے کئی طرح کے ہوتے ہیں مثلاً

ایک فقیر جب ریاضت میں مصروف تھا تو وہاں ایک مکاشفہ ہوا اور اسے حکم دیا گیا کہ تم فلاں دوست کو قتل کر دو، وہ بہت حیران ہوا اور مالک کا حکم سمجھ کر اس پر آمادہ ہو گیا اچانک اسے خیال آیا کہ میں نے اپنے مکاشفے کو سمجھنے میں تو غلطی نہیں کی یہ سوچ کر وہ مرشد پاک کی بارگاہ عالیہ میں خلوت میں حاضر ہوا اور اپنا مکاشفہ بیان کیا تو

انہوں نے فرمایا تیرے دل میں دو دو محبتیں کیوں موجود ہیں ایک طرف تو مالک سے محبت کرتا ہے اور دوسری طرف تو ان کے غیر سے محبت کرتا ہے اور جب بھی عاشق کے دل میں دوسری محبت آ کر بیٹھ جاتی ہے تو ایسا ہی حکم ہوتا ہے جیسا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام مالک کے خلیل تھے جب ضعیفی میں بیٹا ملا تو فطرت کے مطابق انہوں نے اپنے نور نظر سے محبت کرنا شروع کر دی مالک نے جب دیکھا کہ ان کا دل تو میرا عرش تھا اب اس میں ایک غیر کو اس نے مسند لگا دی ہے تو انہیں یہ منظر دکھایا کہ آپ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں وہ اس مکاشفے کو سمجھ گئے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ بیٹے کی محبت کی گردن پر چھری چلا دو مگر انہوں نے سوچا کہ ممکن ہے اس کے بارے میں یہ حکم عین حقیقی ہی نہ ہو تو انہوں نے اس محبت کی گردن پر چھری چلانے کے بجائے بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی اس طرح جناب اسماعیل علیہ السلام کی محبت کو خالق نے ایک دنبے کی شکل میں متشکل کر کے چھری کے نیچے رکھ دیا اور ان کو بچا لیا

اب تمہارے مکاشفے میں حکم یہ نہیں کہ تم اس کی جان لے لو بلکہ حکم یہ ہے کہ تم اس کی محبت کو دل سے نکال دو کیونکہ ''قَلبُ المُومِنِ عَرشُ اللّٰه'' کے بموجب تمہارا دل عرش الٰہی ہے اور اس میں مالک ذات کسی کی شراکت پسند نہیں فرماتی کیونکہ تجھ سے یہ بات لاشعوری میں ہوئی ہے اس لئے یہ مکاشفہ ہوا ہے ورنہ جس دل میں غیر کی محبت آ جاتی ہے خالق اس دل کو اپنی محبت سے خالی کر دیتا ہے اس لئے تمہیں اس مکاشفے میں حکم ملا ہے کہ اس دوست کی محبت کو دل سے نکال دو

اسی طرح کئی قسم کے معماتی مکاشفے ہوتے ہیں ایک اور بھی پیش کرتا چلوں ایک مجاہد نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا بہت بڑا سانپ ہے جو مرشد پاک پر حملہ کرتا ہے تو وہ

فوراً خود کو سانپ کے آگے ڈال دیتا ہے اور مرشد پاک کو بچا لیتا ہے
اس کا مطلب وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ کوئی ظاہری دشمن اب مرشد پاک پر حملہ کرے گا اور میں نے انہیں بچانا ہے یہ سوچ کر وہ ہر آدمی کو شک کی نگاہ سی دیکھنے لگا
حقیقت یہ تھی کہ وہ سیاہ ناگ کوئی ظاہر وانسانی دشمن نہ تھا بلکہ اس کی سرپینٹ پاور serpent power تھی یعنی جنسی خواہش تھی جو اس کے دل میں مالک کی محبت پر حملہ کر کے اس محبت کو نقصان پہچانا چاہتی تھی یعنی اس کی جنسی خواہش مالک کی رضا سے متصادم ہونا چاہتی تھی جو اسے اس طرح دکھائی گئی اور اس نے واقعی ایسا کیا کہ اس نے اس محبت کی رعایت کی اور اس کا حق ادا کیا اور اس خواہش کو ٹھکرا دیا
ایک شخص دیکھتا ہے کہ اس کے مرشد پاک بہت کمزور اور علیل ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ انہیں سہارا دے کر اٹھائے اور وہ سہارا دے کر اٹھاتا ہے اس مکاشفے کا مطلب ان کے ظاہر سے نہ تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کے دل میں مالک کی محبت کمزور پڑ رہی تھی اور وہ نہیں سمجھ رہا تھا اس طرح سمجھایا گیا کہ جب تک دل میں مالک کی محبت مضبوط رہتی ہے گویا مرشد اس کی من کی دنیا میں صحت مند رہتا ہے جب ان کے من میں مالک کی محبت کمزور ہوتی ہے تو اسے مرشد کمزور دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ سمجھے کہ اس نے کیا کرنا ہے مگر انسان باطنی چیزوں کے ظاہر میں مفہوم ڈھونڈتا ہے تو اسے دھوکہ ہوتا ہے اور وہ معماتی مکاشفات کے مقصد کو نہیں پا سکتا
( )
ایک شخص نے دیکھا کہ ایک میدان میں مرشد پاک جلوہ افروز ہیں اور وہاں ان پر کئی لوگوں نے حملہ کر دیا ہے اور وہ اسے حفاظت کے لئے بلاتے ہیں اور یہ ان کی

نصرت کرتا ہے

اس سے اس نے یہ مطلب اخذ کیا کہ مرشد پاک کی جماعت میں ان کے مخالفین موجود ہیں اور وہ ایک طرح سے ان پر حملہ کرر ہے ہیں

مگر اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے من میں مالک کی جو محبت تھی اس پر اس کے خواہشات نفس حملہ کر کے اسے مٹانا چاہتے تھے اور مالک نے اسے آگاہ کیا کہ ہماری محبت کے منافی اعمال کا صدور ایسا ہے جیسے کسی میدان میں مرشد پاک پر حملہ کیا جا رہا ہو اور اس محبت کو بچانے کے لئے ان خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا پڑے گی کیونکہ خواہشات نفس سے لڑنا جہادِ اکبر ہے اس لئے اسے جہاد اصغر کا نہیں بلکہ جہادِ اکبر کا حکم دیا گیا تھا

من کی دنیا میں بھی اس دنیا جیسا ماحول ہوتا ہے اگر وہاں کوئی ہنگامہ ہوتا ہے تو اس کا تعلق اسی دنیا ہے ہوتا ہے وہاں مالک بھی ہوتا ہے اور ابلیسی قوتیں بھی ہوتی ہیں اور جو ابلیسی قوتیں ہوتی ہیں وہ مالک پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں یعنی مالک کی محبت کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں تو انسان کے اندر کا زندہ انسان ان کی حفاظت میں مصروف ہو جاتا ہے کبھی اس میں کامیاب ہوتا ہے اور کبھی ناکام ہوتا ہے اور یہ مناظر اس کی اصلاح کے لئے اسے دکھا دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ اس اندر کی جنگ سے باخبر رہے اور یہ بھی مالک کا کرم ہی ہوتا ہے کہ اسے دکھا دیا جاتا ہے مگر اسے کسی اور کو متہم بالجسارت نہیں سمجھنا چاہیے

( )

ایک شخص نے خواب میں دیکھا جس میں کسی پاک ذات کی زیارت ہوئی ان کا رنگ

اطہرا سے سانولا نظر آیا تو اس نے یہ بات درست سمجھی

ایک شخص نے مرشد پاک کو دیکھا کہ انہون نے کلین شیو کر لیا ہے یعنی غیر متشرع شکل میں وہ اسے نظر آئے تو اس نے شیو کو جائز سمجھنا شروع کر دیا ایسے کئی طرح کے معماتی مکاشفات ہوتے ہیں مگر ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی پاک ذات اپنا جلوہ دکھاتی ہے تو وہ بلا واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے آئینۂ قلب میں اپنا عکس ڈالتے ہیں اور انسان دیکھتا ہے اب یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب کسی ٹیڑھے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھیں گے تو ہمیں وہ ٹیڑھا لگے گا اور کسی رنگین آئینے میں اپنا عکس دیکھیں گے تو ہمیں اپنا چہرہ بھی اسی رنگ کا نظر آئے گا اسی طرح ہماری قلبی کیفیت کے اظہار کے لئے اور ہماری اصلاح کے لئے مالک ذات یہ اہتمام فرماتی ہے کہ اس میں اپنا جلوہ دکھا کر یہ دکھایا جاتا ہے کہ ابھی تمہارا دل سیاہ ہے اور شفاف بھی نہیں ہے اس لئے ان کا رنگِ انور سانولا نظر آیا اور تمہارا دل ابھی نور شریعت و طریقت سے منور نہیں اس لئے مالک کو بھی تم نے غیر متشرع شکل میں دیکھا یہ اصل میں تمہارے آئینۂ قلب کی وجہ سے ہوا تھا مگر وہ اس معمہ کو نہ سمجھ سکا

اسی طرح بعض اوقات انسان کوئی لوگ اپنی باطنی شکل میں دکھا دیئے جاتے ہیں یعنی کچھ لوگ خنزیر کی شکل میں دکھائے جاتے ہیں اس لئے یاد رکھنا چاہیے کہ جس شخص کو دین کی غیرت نہ ہوگی اور وہ مالک کے دشمنوں سے بھی کوئی نفرت نہیں رکھتا اس کی باطنی صورت خنزیر کی ہوتی ہے اور یہی وہ دیوث ہے کہ جس کی نجات نہیں ہے

جو خدا اور رسول و آل رسول علیہم الصلوات والسلام کا دشمن ہوتا ہے یا دین کا دشمن ہوتا ہے اس کی باطنی شکل کتے کی ہوتی ہے مکاشفات میں جب کسی شخص کی ایسی شکل دکھائی جاتی

ہے تو آگاہ فرمایا جاتا ہے کہ اس سے بچنا یہ دشمن ہے اور اس کے سامنے عرفانیاتی رازوں کو منکشف نہیں کرنا یہ رازوں کا چور ہے لیکن اسلامی رواداری کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے کیونکہ مہمان بن کر چاہے کافر ہی کیوں نہ آئے اس کی مدارات میں کمی نہیں ہونے دینا لیکن دلی طور پر اس سے انس بھی نہیں کرنا

بعض اوقات انسان خود کو مرشد پاک کے ساتھ (خدا نہ کرے) گستاخی کرتا ہوا دیکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان مرشد پاک کے قوانین کی قانون شکنی کرتا ہے تو اسے متنبہ کیا جاتا ہے

کوئی شخص مرشد کے حرم میں خود کو یا کسی شخص کو داخل ہوتا دیکھتا ہے یہ اس مرض کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ وہ ان کے اندرون خانہ کے بارے میں باتیں سننے میں دلچسپی رکھتا ہے اور ان کے اندرون خانہ کی باتوں میں سننے سے اس کا ذہن حدود پردہ کو عبور کر لیتا ہے اور یہ گستاخی ہے

ایک شخص نے خواب میں امام صادق آل محمد علیہ الصلوات والسلام کی زیارت کی اور دیکھا کہ وہ مسند پہ تشریف فرما ہیں اور ان کے سامنے ایک دین کا دشمن بیٹھا ہے اور وہ ان کے ساتھ مناظرہ کر رہا ہے اور یہ خود اسے امام علیہ الصلوات والسلام کی مخالفت میں لقمے دے رہا ہے یعنی اس مخالف کا ساتھ دے رہا ہے یہ توبہ توبہ کرتا ہوا بیدار ہو گیا اور اس کی تعبیر چاہی تو فرمایا گیا کہ کیا تو مخالفین کی کتابیں تو نہیں پڑھ رہا اس نے عرض کیا واقعی ایسا ہی ہے تو اسے فرمایا گیا جو شخص ابھی ناپختہ شعور ہوتا ہے جب مخالفین کے کتب پڑھتا ہے تو اس کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جو اسی طرح ہے کہ جیسے وہ مناظرے میں اپنے مالک کی مخالفت کر رہا ہو

کشف والہام اور شرع

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشف والہام کی شریعی حیثیت کیا ہے یعنی جب عالم خواب میں کوئی ذات اقدس کوئی حکم فرمائے تو کیا اس پر عمل کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟

اس کا ہم بھی وہی جواب دیں گے جو جملہ عرفاء واولیائے کرام رضوان اللہ علیہم نے دیا ہے وہ فرماتے ہیں ''کشف والہام کو اگرچہ مستقل دلیل شرعی نہیں مانا جاتا مگر جب دلیل قطعی کے مطابق ہو تو یقینی حجت ہوتا ہے''

عالم اسلام کا یہ مسلمہ ہے کہ جب عالم خواب میں شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو تو وہ ایسے ہے جیسے عالم بیداری میں ان کی زیارت کا اعزاز ملا ہو اس کے لئے ایک حدیث صحیح سے سند لائی جاتی ہے فرمان ہے

☆قَالَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَن رَآنِی فِی المَنامِ فَسَیَرانِی فِی الیَقظَۃِ وَلَا تَمثَلَ الشَیطَان بِی

فرمایا جس نے ہماری عالم خواب میں زیارت کی عنقریب وہ ہماری زیارت سے ظاہراً بھی مشرف ہوگا اور کوئی شیطان ہماری صورت اختیار نہیں کرسکتا

اسی طرح ایک اور حدیث صحیح سے بھی سند لائی جاتی ہے

☆من رانی فی المنام فقد رانی و من رآنی فقد راء الحق

کہ جس نے عالم خواب میں ہماری زیارت کا شرف حاصل کیا گویا اس نے ظاہراً ہماری زیارت کا اعزاز حاصل کیا ہے اور ہماری زیارت اللہ جل جلالہ کی زیارت ہے

اسی موضوع پہ بہت سی احادیث ہیں یہاں صرف دو احادیث پر اکتفیٰ کر رہا ہوں

دوستو! جب ہم

اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَ اَوسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَ آخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَ کُلُّنَا مُحَمَّدٌ علیهم الصلوات والسلام

جیسی احادیث کو خواب والی احادیث کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو پھر اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاک خاندان علیہم الصلواۃ والسلام کے کسی بھی پاک فرد کا عالم خواب میں دیکھنا ایسا ہوتا ہے جیسے ان کی ظاہر بظاہر زیارت کی ہو اور اس بارے میں سوچنا کہ نعوذ باللہ ان کی صورت شیطان بھی اختیار کر سکتا ہے یہ کفر و شرک ہے بلکہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو وہ خود شیطان مردود ہی ہے

جب بات یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ جس طرح اس پاک خاندان علیہم الصلواۃ والسلام کا ہر حکم ظاہراً موجودگی میں واجب التعمیل تھا اسی طرح عالمِ خواب میں بھی فرمایا ہوا ہر فرمان واجب التعمیل ہوتا ہے اور اس کی شرعی حیثیت وہی ہے جو ان کی ظاہری موجودگی کے فرمان کی ہے اور جو اس پر شک کرے وہ گنہگار رہے

دوستو! بات صرف اتنی ہے کہ بعض فرامین حکم صریح کی طرح کے ہوتے ہیں اور بعض اشاراتی اور معماتی ہوتے ہیں اس لئے جن فرامین میں حکم صریح نہ ہو ان کی تشریح خود نہیں کر لینا چاہیے بلکہ مرشد پاک سے اس کا مفہوم اور مراد معلوم کرنا چاہیے کیونکہ وہ ان مراحل سے گزر چکے ہوتے ہیں اس لئے وہی ان اشاراتی اور معماتی فرامین کو سمجھ سکتے ہیں

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم
عجل اللہ فرجه الشریف و صلوات اللہ علیه

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 17

اعمال و وظائف

اے مشتاقانِ طیر و سیر!

اب ہم روحانیت کے حصول کے اعمال کی وادیٔ پر خار میں آپ کو ساتھ لے کر داخل ہو رہے ہیں لیکن داخل ہونے سے پہلے اس کی درجاتی بلندیوں کے بارے میں آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ آپ کو سفر شروع کرنے میں آسانی رہے

دوستو! جو لوگ اس وادی میں سیر کے خواہش مند ہوتے ہیں وہ کئی طرح کے ہوتے ہیں یعنی ان کے ظرف ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور ان کی منزل اگرچہ دیکھنے میں ایک ہوتی ہے مگر ہوتی جدا جدا ہے اس لئے اس حقیقت کو بیان کرنا بہت ضروری ہے

جب سے انسان میں سوچنے اور سمجھنے کی قوت پیدا ہوئی ہے یہ انسان اس کائنات کے سربستہ رازوں کو سمجھنے کی کوشش میں مصروف ہے

لیکن اس حقیقت سے انسان کبھی بھی انکار نہیں کر سکا کہ اس کائنات کے اوپر اسرار کا ایک دبیز پردہ پڑا ہوا ہے اور ایک عام انسان اس کے اندر نہیں جھانک سکتا لیکن مشاہدہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس پردہ اسرار میں کہیں نہ کہیں شگاف ضرور ہے جس سے

اس کے اندر جھانکا جا سکتا ہے

انسان در جاتی لحاظ سے ماضی ، حال اور مستقبل میں جھانکنے کی شدید خواہش رکھتا ہے کئی لوگ اپنے مستقبل کو جاننے کے لئے ہمیشہ بیقرار نظر آتے ہیں ایک انجانی خواہش یا خوف انہیں مستقبل کے بارے میں معلوم کرنے پر مجبور کرتا رہتا ہے اس لئے انسان جس کے بارے میں جانتا ہے کہ یہ مستقبل کے بارے میں کچھ نہ کچھ سچی پیش گوئیاں کرسکتا ہے اسے بہت بڑی چیز سمجھتا ہے یعنی اسی ایک بات سے کسی کو نبی ، ولی ، عالم تک مان لیتا ہے کہ یہ آدمی مجھے قبل از وقت کچھ باتیں بتا سکتا ہے

قدرت نے بھی انسان کی اس خواہش کے احترام میں اس کائنات کی ہر چیز پر ایک اشاراتی زبان میں عبارتیں لکھ دی ہیں کہ جو اس کے مستقبل کے بارے میں بہت کچھ بتا دیتی ہیں اس لئے روحانی یا پر اسرار علوم میں پرائمری قسم کے وہ علوم آتے ہیں کہ جو انسان کو اس اشاراتی یا معماتی زبان کو سمجھنے سمجھانے پر مبنی ہوتے ہیں

علمِ شگون

اس کا آغاز عام گھروں کی بڑی بوڑھیوں سے ہوتا ہے وہ بچوں کو بتاتی ہیں آج کوا اس طرح بول رہا ہے کوئی مہمان آنے والا ہے ، آج فلاں چیز گر گئی ہے کوئی بری خبر سننے میں آنے والی ہے ، آج آنکھ پھڑک رہی ہے اس سے یہ ہونے والا ہے آج ہتھیلی میں کھجلی ہو رہی ہے دولت ملنے والی ہے وغیرہ وغیرہ

اس شگون ودیا (علم) کے بعد دوسرے مسلمہ علوم آتے ہیں اس میں تھرڈ کلاس کے وہ علم ہوتے ہیں کہ جن سے انسان اللہ کی اشاراتی زبان کو پڑھنا سیکھتا ہے

علمِ رمل

کہ جس میں انسان پانسوں اور لکیروں اور نقطوں سے مستقبل کو پڑھتا ہے

علم الاعداد

اس میں انسان ناموں کے حروف کی قیمت مقرر کر کے اور مختلف عددوں کی علاماتی حیثیت مقرر کرتا ہے اور اس طرح ان سے مستقبل کے بارے میں کچھ پیشگوئیاں کرتا ہے

علمِ جفر

یہ بھی اعداد کے گرد گھومتا ہے یا یوں سمجھیں یہ سُپر super علم الاعداد ہے کیونکہ علم الاعداد میں ایک دو قلید ابجد استعمال ہوتی ہے مگر اس میں ساٹھ سے ستر تک کلید ہائے ابجد استعمال ہوتی ہیں یعنی ایک ایک حرف کی ساٹھ سے ستر قیمتیں مقرر ہوتی ہیں اور انہیں مستحصلوں میں استعمال کر کے کوئی پیش گوئی کی جاتی ہے

علم النجوم

یہ علم نجوم کی حرکت اور ان کے محل وقوع سے نتائج اخذ کرتا ہے یعنی پہلے بارہ بروج اور ان کے درجات کی ویلیو Value متعین کرتا ہے اس کے بعد سیاروں کی علاماتی حیثیت متعین کرتا ہے اور اس کے بعد ان کی گردشی حرکتوں سے مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں کرتا ہے

یہ علم بہت قدیم ہے اور ماضی میں یہ علمِ صحیح موجود رہا ہے اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی

ولادت کی خبر اور فرعون کا واقعہ اسی علم کی سچائی کے لئے کافی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ اس دور میں ناقص المعیا دلوگ وہ صحیح علم نہ رکھتے ہوں

علم الساعات

یہ علم بھی علمِ نجوم کی ایک شاخ ہی سمجھ لیں یا یوں سمجھ لیں کہ اس کی بنیاد بھی علم نجوم ہی پر ہے اس میں دن اور رات کے بارہ بارہ گھنٹوں کو ستاروں سے منسوب کیا جاتا ہے اور اس میں بیس بیس منٹ کے دورانیے بنائے جاتے ہیں اور ان دورانیوں کے احکام متعین کیئے جاتے ہیں اور ان دورانیوں میں جو بھی سوال ہوتا ہے اس پر وہی احکام لاگو کر دیئے جاتے ہیں جوتش بھی علم نجوم ہی کی بنیاد پر بنایا گیا ہے

علم التعبیر

یہ علم خوابوں کے اسرار کو سمجھنے پر مبنی ہوتا ہے اور خوابوں کی علامت کو سمجھنا ایک علیحدہ علم ہے کیونکہ انسان جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے وہ بھی ایک قدرت کی طرف سے اشارہ ہی ہوتا ہے جیسے جناب یوسف علیہ السلام خواب میں سورج چاند ستاروں کو اپنا سجدہ کرتے دیکھتے ہیں مگر اس سے مراد ان کے والدین اور ان کے بھائی علیہم السلام ہوتے ہیں

علم الاصوات

یہ آوازوں میں قدرت کے چھپے ہوئے اشاروں کو سمجھنے کا علم ہے اور اس سے بھی انسان مستقبل کے ساتھ ماضی اور پوشیدہ فطرتوں اور جبلتوں کو پڑھ لیتا ہے

علم قیافہ

یہ تو انسان کے پورے جسم اور حرکات وسکنات میں خالق کے چھپے ہوئے اشاروں کو سمجھنے کا علم ہے

میں جس دور میں علم قیافہ کی سٹڈی میں مصروف تھا تو اس وقت کئی حیرت انگیز باتیں میرے سامنے آئیں مثلاً میں نے ایک آدمی کے گلے (نرخرے) پر بالکل آمنے سامنے دو تل دیکھے تو فوراً اس کی طرف رجوع کیا تو پتہ چلا کہ یہ تو پھندے کی علامت ہے میں نے اس سے کہا تم یا تو خودکشی کرو گے اور گلے میں پھندا ڈال لو گے یا پھر تمہیں حکومت کی طرف سے پھانسی دی جائے گی اور میں نے اس کے مزاج کو دیکھا تو ایک بہادر آدمی تھا اور میں اس حقیقت سے بھی آشنا تھا کہ خودکشی بزدل آدمی کرتے ہیں اس لئے میں نے اسے کہا کہ اس کا قوی امکان ہے تمہیں پھانسی کی سزا ہو گی

جس وقت میں نے یہ پیش گوئی کی تھی اس وقت میں بچہ تھا اور اسے میری بات پر یقین نہیں آیا مگر وہ شخص ایک قتل کے جرم میں چند سال بعد پھانسی ہو گیا

اس بات سے میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ علم قیافہ بھی ایک یقینی علم ہے

پتی بینی Tasso Graphry

یہ علم جدید دور میں یورپ میں متعارف ہوا ہے اس میں چائے پینے کے بعد جو پیالی میں پتی رہ جاتی ہے اس سے احکام لگائے جاتے ہیں کہ اگر پتی پان کے پتے کی طرح کی شکل میں موجود ہو تو کیا ہوتا ہے اگر پرندے کی شکل میں ہو تو کیا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ

علم الید (پامسٹریPalmistry)

یہ ہاتھ کی لکیروں اور بناوٹ اور ابھاروں سے مستقبل کے بارے میں بتاتا ہے اس میں ایک طرح کا علمِ نجوم بھی ہوتا ہے یعنی ابھاروں کو سیاروں سے منسوب مانا جاتا ہے اور لکیروں کو علامت کے طور پر مانا جاتا ہے یعنی یہ لکیر زندگی کی علامت ہے، یہ دل اور اموشن Emotion کی علامت ہے، یہ ذہن اور دماغی قوتوں اور سر کی علامت ہے، یہ کامیابی اور شہرت کی، یہ قسمت کی وغیرہ وغیرہ

اس کی سٹڈی کے دوران بھی میں نے عجائبات کا مشاہدہ کیا یعنی ایک شخص کے ہاتھ میں تیز دھار آلے سے قتل ہونے کے علامات دیکھے تو سب کے سامنے بتا دیا اور وہ شخص اسی طرح قتل ہوا ایک اور شخص کو کند آلے سے سر پہ ضرب لگنے سے موت واقع ہونے کے علامات دیکھے تو اسے بھی بتا دیا کچھ عرصہ بعد وہ اسی طرح قتل ہوا اسی طرح کے لاتعداد واقعات کی پیش گوئی پامسٹری کے ذریعے کی جو درست ثابت ہوئی اور میرا مقصد اس علم کی سچائی کو پرکھنا تھا سو یہ درست علم ثابت ہوا

دوستو! میں نے جن علوم کا تذکرہ کیا ہے یہ پرائمری علوم شمار ہوتے ہیں کیونکہ اس میں انسان بہت محدود ہوتا ہے یعنی ایک تو مستقبل کو اشاراتی زبان میں دیکھتا ہے واضح اور سو فی صد یقینی حد تک اسے نہیں دیکھتا پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ بلا واسطہ نہیں دیکھ سکتا بلکہ کسی بزرگ اور ماہر کے متعینات پر بھروسہ کرنا بھی ناگزیر ہوتا ہے اپنے طور پر کوئی حکم متعین نہیں کرسکتا تیسری بات یہ ہے کہ وہ مستقبل کے بارے میں معلوم تو کرسکتا ہے مگر اس میں تغیر و تبدیل نہیں کرسکتا اور یہ علوم

ہوتے ہیں انسان نوشتۂ تقدیر کو مبہم الفاظ میں پڑھ سکتا ہے مگر اس میں تبدیلی کرنا اس کے بس کا روگ نہیں ہوتا

انہی وجوہات کی بنا پر ان علوم میں وہ لوگ دلچسپی لیتے ہیں جو تزکیاتی پابندیوں سے جی چراتے ہیں یا جو کسی بڑی محنت کے بغیر پیسہ کمانا چاہتے یا ان علوم کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس پر تحقیقی کام کرتے ہیں مگر اس دور میں ان علوم کو ایک سائنس کا درجہ مل چکا ہے اور ان پر کمپیوٹر سی ڈیز مارکیٹ میں عام مل جاتی ہیں

اعمال اولیاء

جو لوگ اولیائے کرام کے پاس روحانیت کے حصول کے لئے آتے ہیں وہ کئی قسم کے نظریات کے حامل ہوتے ہیں اور اولیائے کرام ان کے نظریاتی مقام کو دیکھ کر ان کے لئے اعمال تجویز کرتے ہیں مثلاً

()

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو اسلام کے ظاہر کو سب کچھ سمجھنے والے ہوتے ہیں اور باطنی اور روحانی دنیا کے منکر ہوتے ہیں حتیٰ کہ کسی پیر و مرشد اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم کے بھی قائل نہیں ہوتے اور وہ اعمال کی جزا کو موت کے بعد پر منحصر سمجھتے ہیں ان ظاہر بین لوگوں میں جہلا سے لے کر علماء تک ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں جو شان توحید کی آڑ میں مراتبِ رسالت و امامت و ولایت کا انکار کرتے ہیں

کیونکہ یہ لوگ صرف اللہ جل جلالہ تک محدود ہوتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی مراتب و استمداد کے منکر ہوتے ہیں اس لئے انہیں عرفائے حقائق نفی

اثبات کا کورس کرواتے ہیں اور اس کے ساتھ سلطان الاذکار یعنی ''اللہ ہو'' کی ریاضت کرواتے ہیں دعواتِ قرآن سورہ مزمل ویٰسین کے دعوات پر لگاتے ہیں یا پھر ذکر یونسیہ اور ایسے کئی اذکار و دعوات کا حکم فرماتے ہیں

( )

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ جل جلالہ اور اس کے نور اول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک تو ہر بات کو مانتے ہیں مگر ان کی نیابت عامہ و خاصہ کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو کائنات میں ہر قسمی تصرف فرما سکتے ہیں مگر ان کے علاوہ کوئی عالمِ ماورا میں مداخلت یا تصرف نہیں کر سکتا

ایسے طلباء کے لئے اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم مراقبات نور اول کرواتے ہیں اور اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ ارتکاز کا حکم فرماتے ہیں یعنی ان پر ارتکاز بالترتیب کرواتے ہیں درود شریف اور قصیدہ بردہ شریف وغیرہ پر عامل بناتے ہیں

( )

کچھ لوگ ہوتے ہیں جو باب مدینۃ العلم امیر المومنین غایت و نہایت العارفین علیہ الصلوات والسلام تک تو روحانی اقتدار و اختیار و تصرف و تدبر کو مانتے ہیں مگر ان کی نیابت پر آ کر سکوت کرتے ہیں یا (خدا نہ کرے) انکار کے مرتکب ہوتے ہیں

ایسے لوگوں کو اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم اسم ''علی'' علیہ الصلوات والسلام کی دائرہ بینی کرواتے ہیں اور اس اسم کے مراقبات کا حکم فرماتے ہیں اور وظائف میں دعائے نادِ علی صغیر و کبیر کی ریاضت و دعوت پر عامل ہونے کا حکم فرماتے ہیں یا پاسِ انفاس کے ساتھ دعوت اسم ''علی'' علیہ الصلوات والسلام اذن بخشتے ہیں

( )

کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خاندان تطہیر قدیر اور آئمۂ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی ولایت تکوینی اور تصرف باطنی اور اقتدار روحانی کے تو قائل ہوتے ہیں مگر زمانہ حال کے کسی بزرگ یا ولی و روحانی منصب دار کی ولایتِ تکوینی اور باطنی اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے یا اس کا انکار کرتے ہیں اور اپنے زمانے میں کسی کو مرشد کامل ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے حالانکہ کوئی زمانہ ایک قلندر دو قطب چالیس ابدال تین سو تیرہ اولیاء اور لا تعداد نقبا سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ یہی حکومت الٰہیہ کے عمال ہوتے ہیں اور حکومت چلانا عمال سلطنت کا کام ہوتا ہے اور مالکِ مقتدر کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ معمولی معمولی کام خود انجام دے بلکہ جو اولیائے کرام مقام ملکوت سے مافوق تک جاتے ہیں وہ بھی تصرف کی ذلت میں گرنا پسند نہیں کرتے کیونکہ تصرف کا تعلق عالم ملکوت سے ہے جب اولیائے کرام بھی معمولی چیزوں میں تصرف کو اپنی ذلت سمجھتے ہیں تو جو اللہ کے انوار ازلی ہیں وہ کیسے اس ذلت کو پسند فرما سکتے ہیں؟ اس لئے ان کے عمال حکومت ہی سارے کام انجام دیتے ہیں مگر کئی لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہوئے پوری زندگی بے مرشد رہتے ہیں اور بے مرشد ہی مرتے ہیں جب ایسے لوگ عرفا اور اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو انہیں آئمۂ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام سے توسل کے راستے پر لگایا جاتا ہے اور اعمال میں سے ایسے اعمال کی دعوت پر مامور کیا جاتا ہے کہ جس سے امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے اس کا رابطہ ہو جائے تاکہ وہ اپنے نائب کی خود نشاندہی فرمائیں اور اس کے لئے مرشد کا انتخاب اللہ کی طرف سے ہو نہ کہ ذاتی خواہش اور رائے پر

انتخابِ عمل کا کلیہ

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اولیائے کرام کس فارمولے کے تحت ایک شخص کے لئے عمل کو منتخب فرماتے ہیں؟

جواباً عرض کروں گا کہ یہ ایک مسلمہ ہے ''نائب کا تعارف ہمیشہ منیب کرواتا ہے''

اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم بھی اس کلیے پر عمل کا درس دیتے ہیں یعنی جو مقام رسالت کا منکر ہے اور اللہ ﷻ کو مانتا ہے اسے اللہ ﷻ کی طرف سے رجوع کرنے میں لگایا جاتا ہے تاکہ اللہ اپنے نائبِ حقیقی یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اور صفات و اختیار و قدرت کا تعارف خود کروائے کیونکہ یہ شخص منیب کو تو سب کچھ مانتا ہے مگر اس کے نائب کو نہیں سمجھتا اور نائب کا تعارف منیب پر واجب ہوتا ہے اس طرح ایک گمراہ آدمی کو اولین سنگ میل مل جاتا ہے

اسی طرح جب کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کامل ایمان رکھتا ہے اور ان کے اوصیاء و آئمہ ٔ ہدیٰ علیہم الصلواۃ والسلام کو نہیں مانتا اسے شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ ان پر بھی اپنے نائبین کا تعارف کروانا واجب ہے

اسی طرح جو آئمہ ہدیٰ علیہم الصلواۃ والسلام پر تو کامل ایمان رکھتا ہے مگر ان کے کسی نائب کے وجود کو نہیں مانتا تو اسے ان کی ذات کی طرف رجوعیہ اعمال و دعوات کا درس دیا جاتا ہے تا اینکہ جب کوئی کسی ماضی کے ولی کو تو مانتا ہے اور کسی ولیِ موجود کو نہیں مانتا تو اسے اس صاحب مزار ولی اللہ کی مزار پر دعواتِ قبور کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ زمانۂ حال میں اپنے نائب کا تعارف وہ خود کروائیں

اگر یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے اور نائب کو منیب سے نہ لیا جائے تو روحانیت کا میدان ہلاکتوں کے خطرات کی آماجگاہ بن جائے اور کسی کی نجات بھی یقینی نہ رہ جائے کیونکہ کوئی ناقص کسی کامل کا ادراک وانتخاب نہیں کرسکتا
کسی ناقص سے کامل کا صدور ناممکن ہے ایک اناڑی انجینئر کوئی کامل چیز ایجاد وتخلیق نہیں کرسکتا اس لئے انسان جب خود ناقص ہوتو وہ کس طرح کسی باطنی روحانیت کے حال کا ادراک کر سکے گا اس لئے اسے صرف ان ذوات پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے جو اللہ کے انوارِ کاملہ ہیں یا جوان کے اولیائے کرام ہیں ورنہ در ہر طریق گمراہی والی بات بن جاتی ہے

درجاتِ روحانیت

پیرانِ طریقت مرشدین راہ سلوک کا کام انبیاء علیہم السلام کی طرح کا ہوتا ہے کیونکہ وہ وارثانِ انبیاء ہوتے ہیں اس لئے ان کا کام اہل دنیا کو راہ ہدایت پر لگانا ہوتا ہے مگر اس دنیا میں لوگ ایک طرح کے نہیں ہوتے بلکہ روحانیت کے معاملے میں جو لوگوں کا رویہ ہوتا ہے اس رویہ کے حساب سے انہیں چھ 6 طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی منزلیں جدا جدا ہوتی ہیں اس لئے ان منازل کو کرات کہتے ہیں انہی درجات کے لحاظ سے روحانیت کے حصول کے جو اعمال ہیں انہیں بھی چھ درجات یا اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

پہلا طبقہ

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عوالمِ غیب کے سرے سے منکر ہوتے ہیں اور وہ عالمِ

ظاہر کے علاوہ کسی غیبی عالم کے قائل نہیں ہوتے اور عالمِ غیب کی باتوں کو وہ وہم محض سمجھتے ہیں اور وہ دین اور روحانیت کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے اور ان اعمال روحانی کو وہ فراڈ سمجھتے ہیں یا اس میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو شوقیہ عالم ماوریٰ میں جھانکنا چاہتے ہیں مگر وہ اس کے لئے سنجیدہ نہیں ہوتے بلکہ ایک ڈسکوری Discovry کے طور پر کچھ دیکھنا چاہتے ہیں

ان میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ جو نفسیاتی الجھنوں میں گرفتار ہوتے ہیں یا نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں

ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنی ذہنی قوتوں کو بڑھانا چاہتے ہیں چاہے وہ علمی ورک میں ہو یا کھیل میں

اس طبقے کے لوگوں میں مذہب وملت کی حد بندیاں نہیں ہوتیں اور اس مقام سے منسوب جتنے اعمال ہیں یا مشقیں ہیں وہ کسی مذہب کی پراپرٹی Property شمار نہیں ہوتیں اور انہیں ایک یونیورسل ٹرتھ Universal truth کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کے لئے جو مشقیں تجویز کی جاتی ہیں وہ کئی طرح کی ہیں مگر وہ عام ہیں اور ہر مذہب کے روحانیت کے ماہرین یہی مشقیں ہی تجویز کرتے ہیں مثلاً

( ) دائرہ بینی یعنی ایک سیاہ دائرہ لگا کر اس میں کوئی مخصوص لفظ لکھ کر اس پر نظریں جما دینا اور پلکیں جھپکائے بناں ایک گھنٹہ کی مشق کرنا

( ) شمع بینی کرنا یعنی ایک موم بتی کو یا ایک چراغ کو اپنے چہرے کے متوازی رکھ کر اس سے تین فٹ دور بیٹھ کر اس پر نظریں جما دینا اور اس میں پلکیں نہ جھپکنے کے دورانیے کو ایک گھنٹے تک بڑھانا

( )

سمندر نور کا تصور یا بارش نور کا تصور کروانا یا کسی خاص اسم کا تصور کروانا شامل ہوتا ہے
یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اولیائے کرام کی بیان کردہ مشقیں جدید ٹیلی پیتھی یا مسمائزازم یا ہپناٹزم سے مشابہہ ہوتی ہیں اس سے یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ ایک ہی چیز ہیں بلکہ اس حقیقت کو آپ اس طرح سمجھیں کہ جیسے کسی بھی بچے کو آپ تعلیم دینا چاہیں گے تو اسے ابتدائی جو قاعدہ پڑھائیں گے اس میں حروف تہجی سے آغاز کریں گے اور شروعات ابجد ہی سے کروائیں گے چاہے وہ تعلیم دینی ہو یا دنیاوی، سائنسی ہو یا روحانی اس کا آغاز ایک قاعدے سے ہوگا جس میں حروف ابجد ہوں گے اور ان حروف کو ابجد یعنی ''اب وجد'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ہر قسمی تعلیم کے باپ دادا ہیں اور انہی سے تعلیم کا سلسلہ چلتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ جس سکول میں بچے نے ایڈمیشن admission لیا ہے وہ صرف پرائمری تک محدود ہو یا کوئی مڈل تک یا میٹرک تک ہو اور کوئی کالج یا یونیورسٹی ہو جو سکالر شپ تک لے جاتی ہو مگر آغاز حروف ابجد سے ہوگا
یہ جو درجات میں نے بیان کئے ہیں ان میں تعلیم کا آغاز ایک جیسا ہوتا ہے مگر اس میں جو فرق ہے وہ آخری معیار کا ہے نہ کہ اولین نصاب کا یا مشقوں کا
آپ دیکھیں جو شخص آج ڈاکٹریٹ کر کے آیا ہے یہ بھی کبھی پرائمری سکول میں پڑھتا تھا اور اس نے بھی آغاز ایک قاعدے ہی سے کیا ہے اسی طرح جو بھی باضابطہ طور پر روحانیت کو سیکھے گا اس کے لئے ابتدا میں ''قیامِ ارتکاز'' کی مشقیں لازم ہوتی ہیں اور ان مشقوں کے نتیجہ میں ملنے ولی قوتیں بھی اسی طرح ملتی ہیں جیسے عام لوگوں کو ملتی

ہیں
اس کے لئے آپ کو ایک مثال پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص خلا کا سفر شروع کرتا ہے تو جیسے جیسے وہ اوپر جاتا ہے اسے ہوا اور درجات حرارت کے مختلف لیئرز (تہوں) سے گزرنا پڑتا ہے جن میں سے بعض تہیں نارمل ہونگی، بعض انتہائی سرد ہوں گی، بعض انتہائی گرم ہوں گی اور اسے اوزون کی تہہ سے بھی گزرنا پڑے گا اور ان سے گزرنا سب کے لئے ناگزیر ہے اسی طرح ''قیامِ ارتکاز'' کی مشقوں کے دوران آدمی ان وادیوں سے لازماً گزرتا ہے اور اسے وہاں پہ موجود خزائن بھی حاصل ہوتے ہیں
اس لئے کئی لوگ کسی ایک منزل تک جا کر رک جاتے ہیں اور اگلی منزلوں سے محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی آخری منزل وہی وادی ہوتی ہے مگر حقیقتاً وہ کوئی ابتدائی وادی ہوسکتی ہے
جیسے آج کل مہارشی جی ایک ٹی وی چینل پہ مسلسل یہ درس دے رہے ہیں کہ اپنے من کے تصور سے اندر کی جنت کو حاصل کرو اور جملہ پریشانیوں سے نجات حاصل کرو اور ہر قسمی الجھنوں سے گلوخلاصی کروالو اور فلائینگ یوگا سیکھیں
یہ ہمیں بھی معلوم ہے کہ سپر چوائل ازم پر 600 سکالرز نے ریسرچ کی ہے اور دوسو سے زیادہ یونیورسٹیوں میں اسے پڑھایا جاتا ہے مہارشی جی کی اپنی کتابیں پانچ ہزار صفحات پر مبنی ہیں اور یہ کام یہاں ختم بھی نہیں ہوا مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ جو کلاس لے کر بیٹھے ہیں وہ ابتدائی کلاس ہے اور اس کی کامیابی میں واقعی من کا سکون ملتا ہے اور اس دنیا میں دکھوں اور الجھنوں کے ترسائے ہوئے لوگ جب تھوڑا سا سکون بھی

پا لیتے ہیں تو اسے اپنی آخری منزل سمجھ کر ستانے بیٹھ جاتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں جیسے ایک پیاسے کو جب کہیں سے پانی ملنے کی کوئی امید نہ ہو تو اسے اگر وہاں ایک وقت میں آدھا گلاس پانی بھی مل جائے تو وہ اسے بہت بڑی نعمت مانتا ہے اسی طرح مغرب کے مادیت زدہ بے سکون لوگوں کے لئے یہ چھوٹی سی اچیومنٹ Achievement بڑی سمجھی جاتی ہے مگر یہ ہے چھوٹی سی

اسی طرح ابتدائی مشقوں میں یہ چیزیں ہر شخص کو ملتی ہیں مگر ہندو دھرم من کی شانتی کو آخری منزل سمجھتا ہے اور بدھ ازم اس شانتی کی آخری منزل یعنی سکونِ کامل (نروان) کو مانتا ہے اور عیسائیت کی عمومی منزل ''وچ ہنٹنگ'' تک جا کر رک جاتی ہے یا پھر بیماروں کی شفا وغیرہ تک جاتی ہے اور جب اس میں ترقی ہوا اور اس میں ہمزاد وغیرہ کا حصول ہو جائے تو اسے یہ اپنا معراج سمجھتے ہیں

دوسرا طبقہ

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کچھ نہ کچھ بن کر دکھانا چاہتے ہیں اور سنجیدگی سے عالم الغیب کی کسی قوت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں کسی مذہب وملت میں امتیاز نہیں ہوتا بلکہ ابتدائی قوتیں ہر مذہب کے لوگ حاصل کر سکتے ہیں یوں سمجھ لیں کہ جو بھی چاہے محنت کرے تزکیات کرے اور ابتدائی مشقیں کرے اسے ابتدائی قوتیں مل جاتی ہیں مگر ان کے حصول کے لئے روحانیت کے اصول اربعہ عشر میں سے کچھ پر عمل پیرا ضرور ہونا پڑتا ہے یعنی کم کھانا ،کم سونا، کم بولنا، مخالفت نفس ،ترک خواہشات اور ارتکاز وغیرہ ہی کے ذریعے کچھ نہ کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے

درجات روحانیت کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ حصول روحانیت کے لحاظ سے لوگوں کے چھ درجے ہیں جن میں سے دو کا ذکر تو کیا گیا ہے باقی چار طبقوں کا ذکر نہیں ہے

کرہ ظلمانی

دوستو! جب انسان روحانیت کے حصول کے لئے اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے تو جو کرہ سب سے پہلے اس کے سامنے آتا ہے اسے کرہ ءظلمانی کہتے ہیں بہ الفاظ دیگر کرہ ء سفلی بھی کہتے ہیں یعنی جو لوگ منزل توحید کی طرف محوِ پرواز ہوتے ہیں انہیں جس پہلے زون سے گزرنا پڑتا ہے وہ یہ سفلی وظلمانی کرہ ہے

جب آدمی اس کرہ میں داخل ہوتا ہے تو اسے ظلمانی مخلوق نظر آنا شروع ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص افریقہ میں جنگل میں داخل ہوتا ہے تو اسے وہاں جانور نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ اس انسان کو دیکھ کر ڈر جاتے ہیں کہ یہ یہاں کسی کے شکار کے لئے آیا ہے اس لئے وہ اس سے دور بھاگتے ہیں اور انہیں خود معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس جانور کا شکار کرنا چاہتا ہے اس لئے اس سے سارے جانور ڈرتے ہیں جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کس کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو باقی جانور مطمئن ہو جاتے ہیں اسی طرح جب انسان مخلوق ظلمانی میں داخل ہوتا ہے تو وہ مخلوق ظلمانی یہ سمجھتی ہے کہ یہ بشر یہاں ان کا شکار کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ مخلوق پہلے تو اسے صرف نظر آتی ہے جب وہ انسان کو اس وادی میں اس کرے میں مسلسل دیکھتی ہے تو وہ یقین کر لیتی ہے کہ اس کے ارادے نیک نہیں یہ ہم میں سے کسی کو ضرور شکار کر کے جائے گا اس لئے وہ مخلوق اسے اپنی حدود سے بھگانے کی کوشش کرتی ہے اور ان کے پاس ایک ہی

ہتھیار ہوتا ہے یعنی ڈرانا اس لئے وہ مخلوق اسے ڈراتی ہے اور جو انسان ڈر جاتا ہے تو پھر اسے مار بھگاتی ہے

جب انسان اس کرہ میں داخل ہوتا ہے اور وہاں کی مخلوق کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی منزل کوئی بڑی چیز نہیں تو وہ اسے بالکل نظر ہی نہیں آتی بلکہ وہ کوئی چھوٹا سا کھلونا اسے بڑی سعادت مندی سے دے دیتی ہے یعنی اس کرہ کے کھلونے اس قسم کے ہوتے ہیں مسمائرزم ہے، ہپناٹزم ہے، سائیکوٹری ہے، ہیلنگ پاور ہے، ٹیلی پیتھی ہے، تھرڈ آئی ہے

اس کرہ کی بڑی چیز ہمزاد ہے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمزاد دو طرح کے حاصل ہوتے ہیں ایک تو انسان کا اپنا ہمزاد ہوتا ہے ایک کسی مردہ شخص کا ہمزاد ہوتا ہے اس کے لئے ایسے مردہ شخص کے ہمزاد کو تسخیر کیا جا سکتا ہے کہ جو کسی حادثے میں کرش نہ ہوا ہو یعنی جس کی ڈیڈ باڈی صحیح حالت میں دفن ہوئی ہو جو شخص کسی حادثہ میں کرش ہوا ہو تو اس کا ہمزاد تسخیر تو ہو جاتا ہے مگر کام لینے والوں کے لئے وہ کسی بڑے کام کا نہیں ہوتا

اس ہمزاد کو لطیفہ خفی یا لطیفہ نفسی بھی کہتے ہیں اور اس کے چار اقسام ہوتے یعنی انسان کے جو ہمزاد ہوتے ہیں ان کے چار اقسام ہوتے ہیں جنہیں ان کے خصوصیات کے اختلاف کی وجہ سے آتشی و بادی و آبی و خاکی ہمزاد کہا جاتا ہے۔

اعمالِ ظلمانی

عام ہمزاد کے ماہرین جانتے ہیں کہ اپنے ہمزاد کی تسخیر کے لئے کئی طرح کے اعمال

کیئے جاتے ہیں اس میں اولین وہ اعمال ہوتے ہیں جو آئینہ بینی کے ہوتے ہیں یعنی ایک بڑا آئینہ لے کر جس میں انسان کا چہرہ گردن تک نظر آئے اس کے سامنے ایک چراغ یا موم بتی جلائی جاتی ہے اور اسے اس طرح آئینے کے سامنے رکھا جاتا ہے کہ وہ آئینے میں نظر نہ آئے مگر اس کی روشنی انسان کے چہرے پر پڑ رہی ہو اس کے بعد انسان اس آئینہ میں اپنی آنکھوں کے درمیان مقام مجمعِ نور پہ نگاہوں کا ارتکاز کرتا ہے آنکھوں کو جھپکائے بناں ایک گھنٹہ ریاضت کرنا پڑتی ہے اور اسی دوران دعوتِ ہمزاد پڑھی جاتی ہے تو چالیس دنوں میں وہ مجسم ہو کر انسان کے سامنے آجاتا ہے اور آخری دن انسان کو ایک صاف بوتل ساتھ رکھنا ہوتی ہے اور ہمزاد انسان کے سامنے آکر پوچھتا ہے کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس وقت اسے حکم دیا جاتا ہے کہ تم اس بوتل میں چلے جاؤ جب وہ اس میں چلا جاتا ہے تو اس پر کارک لگا دیا جاتا ہے اور اس سے عہد و پیمان ہوتے ہیں اور اطاعت کا وعدہ لیا جاتا ہے اور بلانے کا طریقہ پوچھ کر اسے رہا کر دیا جاتا ہے

اس طرح سب سے طاقتور ہمزاد وہ ہوتا ہے جو سورج بینی سے یا سورج کو پشت دے کر بیٹھنے سے جو سایہ بنتا ہے اس پر نظر جما کر دعوت کے ذریعے بلایا جاتا ہے اور مسخر کیا جاتا ہے اگر اس کے حصول میں جلدی ہو تو پھر دن کو سایہ بینی کی جاتی ہے اور رات کو شمع پشت پر رکھ کے سایہ بینی کی جاتی ہے اس طرح روزانہ دو گھنٹے کی محنت ہو جاتی ہے تو لطیفہ نفس جلدی بیدار ہو جاتا ہے

مغربی دنیا کا جو سپر چوائل ازم Spirtualism ہے یا اپورٹس apports ہے یہ اسی کا مرہون منت ہے اور ماضی کا علمِ کہانت بھی یہی چیز تھا اور اس کی ابتداء دائرہ بھرنے

سے ہوتی ہے اور مغربی تھرڈ آئی Third eye تیسری آنکھ بھی یہی لطیفہ نفس کی بیداری کا نام ہے

لطیفہ نفس بیدار ہو کر کئی قسم کے کام کرسکتا ہے مثلاً

() دور دراز کی خبریں لانا

() مستقبل کے بارے میں درست پیشگوئیاں کرنا

() چوری شدہ اشیاء کے بارے میں بتانا

() بے موسمی پھل وغیرہ منگوانا

() نفسیاتی بیماریوں کا علاج کرنا

() سینکڑوں میل کے فاصلے سے چیزیں منگوانا

() مادی چیزوں کو بند کمرے میں منگوالینا

() ذہنی باتوں کو پڑھ لینا

() طے الارض کر لینا

() خود ایک مقام پر رہ کر ایک ہی وقت میں کئی مقام پر لوگوں سے ملاقات کرنا

() پانی پہ چلنا

() آگ میں داخل ہونا اور آگ کا اس پر بے اثر ہونا

() ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے شخص کے حرکات وسکنات کے بارے میں آگاہ کرنا

الغرض اس طرح کے بہت سے کام انسان کرسکتا ہے بلکہ اس دور میں کر رہا ہے مغربی سپر چوائل لازم spiritualism کے کارنامے آج ساری مغربی دنیا جانتی ہے یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمزاد کے یہ افعال ایک خاص مقدار تک محدود ہوتے ہیں

وہ کلی طور پر با ختیار نہیں ہوتا

کئی لوگ عالم سفلی وظلمانی کے کھلونوں ہی پر اکتفیٰ کر لیتے ہیں اور ان سے کھیلنے میں مصرف ہو جاتے ہیں مگر عرفا یہاں ایک لمحہ بھی قیام جائز نہیں سمجھتے

کرہ ءنار

جب انسان ایک اعلیٰ منزل کی طرف محوِ پرواز ہوتا ہے اور اس کا گزر کرہِ ظلمانی سے ہوتا ہے اور یہ وہاں کی مخلوق کو فتح کرتا ہے تو وہ مخلوق (قوتیں) اس کی اطاعت کے لئے حاضر ہوتی ہیں تو انسان ان سے کہہ دیتا ہے کہ میں تو اگلی منزل کا مسافر ہوں مجھے آپ سے کوئی غرض نہیں آپ مجھ سے بے فکر ہو جائیں

وہ قوتیں انسان سے مرعوب تو رہتی ہیں اور اس کے مقابلے میں کبھی اعلان جنگ نہیں کرتیں مگر ایک طرح سے اس سے لاتعلق بھی ہو جاتی ہیں جب انسان اس کرہ کو عبور کر کے کرہ نار میں داخل ہوتا ہے تو عالم نار میں ہلچل مچ جاتی ہے کہ یہ آدم زادہ یہاں کیسے گھس آیا ہے اس کا آنا اچھا شگون نہیں مانا جاتا اس لئے وہ مخلوق اسے دیکھنے آتی ہے تو انسان بھی ان کا مشاہدہ کرتا ہے

ناری مخلوق قوم جنات ہے اور شیاطین ہیں جب انہیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ ایک آدم زادہ ان کی حدود میں داخل ہو گیا ہے تو وہ جوق در جوق اسے دیکھنے کے لئے آنا شروع ہو جاتے ہیں کہ شاید یہ بھولا بھٹکا کوئی ادھر آنکلا ہے مگر جب وہ اسے سنجیدگی سے فتح کے اعمال میں مصروف دیکھتے ہیں تو پھر اسے بھگانے کی کوششیں شروع کر دیتے ہیں اور وہ بھی ڈرانے کا حربہ استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہاں جو بھی داخل ہوتا

ہے وہ اپنے گرد حصار قائم کر کے داخل ہوتا ہے اس لئے وہ اسے صرف ڈرا سکتے ہیں کہ مجاہدہ فتح کے دوران کئی طرح سے حصار سے باہر نکل جائے تا کہ اسے پچھاڑا جائے

یہاں بھی وہی آدمی مار کھا جاتا ہے جو ڈر جاتا ہے کیونکہ ڈرتا ہے تو وہ حصار چھوڑ بیٹھتا ہے اور جب وہ حصار سے نکلتا ہے تو وہ اس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اس کی ایسی حالت بناتے ہیں کہ یہ پھر کبھی یہاں آنے کا نام نہ لے

کرہِ نار کی فتح کے بہت سے اعمال ہیں جو اعمال تسخیرِ جنات کے نام سے مشہور ہیں میں یہاں انہیں نہیں لکھنا چاہتا

یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ ناری مخلوق بھی وہی کام کرتی ہے جو سفلی مخلوق کرتی تھی مگر اس کا دائرہ اختیار اور قوت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ جب قوت ناریہ سے قوت سفلی کا تصادم ہوتا ہے تو قوتِ ناریہ غالب رہتی ہے یوں سمجھ لیں کہ اگر کوئی قوت سفلیہ کا حامل کسی قوتِ ناریہ کے حامل کے مقابلے میں آجائے تو قوت ناریہ کا حامل اسے ایک منٹ میں ناک آؤٹ کر دیتا ہے

یہاں یہ بات پھر دہراؤں گا کہ قوت ناریہ کو ایک نان مسلم بھی حاصل کر سکتا ہے بلکہ ایک لا مذہب بھی یہاں تک جا سکتا ہے اس لئے ایک عارف کے لئے یہ مقام کوئی قابل تحسین نہیں ہے مگر کئی لوگ اس مقام پر آ کر خیمہ زن ہو جاتے ہیں اور اس قوت کے شعبدوں سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور لوگوں کی تعظیم و تکریم دیکھ کر اپنی اوقات بھول جاتے ہیں اور یہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور اپنی منزل اعلیٰ سے محروم رہ جاتے ہیں اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں ان میں سے ایک بڑی وجہ مرشدِ

ناقص ہوتا ہے کیونکہ وہ خود کسی درمیانہ منزل کا ساکن ہوتا ہے اور وہ اپنے طالب علم کو یہیں تک ہی لا کر چھوڑ دیتا ہے اور اسے یہ باور کروانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہی آخری منزل ہے کیونکہ وہ خود اگلی منزل سے نا آشنا ہوتا ہے وہ اپنے طالب علم کو آگے کیسے لے جا سکتا ہے اور ان درمیانہ منزلوں کے ساکنین کو بعض اوقات اگلی منزل والوں سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اگلی منزل کا ساکن اس سے اس کی ساری محنت سلب بھی کر لیتا ہے اور پھر ساری زندگی بھٹکتے گزر جاتی ہے

جبکہ مرشدِ کامل ابتدا میں ہی اسے آگاہ فرما دیتا ہے کہ اس راستے میں کیا کیا ملنے والا ہے مگر تم نے آخری منزل پہ نگاہ رکھنا ہے اور انہیں مثالوں سے سمجھا دیتے ہیں کہ یہ قوتیں راستے کی وادیاں ہیں جنہیں آخری منزل نہیں سمجھنا چاہیے اور تمہیں ان لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے جو انہی وادیوں میں خیمہ زن ہو جاتے ہیں اور کشف وکرامات میں مشغول ہو کر لوگوں کے درمیان ایسے پھنستے ہیں کہ زندگی بھر اس سے نہیں نکل سکتے اس سے مرشد کامل کشف وکرامات میں کسی طالب کو داخل ہونے کی اجازت نہیں فرماتا

یہ بات یاد رہے کہ یہ نان مسلم کا آخری سٹاپ ہے اس سے آگے کوئی غیر مسلم نہیں جا سکتا یا یوں سمجھیں اس سے آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اور ان کے کرم کے بغیر کوئی نہیں جا سکتا

کرہ ءروحی

جب انسان اس روحانی سفر میں پرواز کرتے کرتے مخلوقِ نار سے گزر کرتا ہے تو وہ

اسے ایک مقام پر فاتح مان لیتی ہے اوراس کی اطاعت میں آنے کے لئے عہد و پیمان کے لئے حاضر ہوتی ہےتو اس مقام پہ طائرانِ قدس بغیر عہد و پیمان لئے انہیں رخصت دے دیتے ہیں کہ ہم تو مسافر ہیں یہاں قیام نہیں رکھنا چاہتے ہیں اس لئے ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے اس لئے آپ جائیں

اس طرح جب اس کرۂ نار سے انسان اوپر جاتا ہےتو وہاں کرہ ءروحی شروع ہو جاتا ہے جب انسان اس میں داخل ہوتا ہےتو عالم ارواح میں موجود روحیں حیران ہوتی ہیں کہ یہاں ایک جیتا جاگتا انسان کیسے داخل ہوگیا ہے؟ یہ خبر تمام عالم ارواح میں پھیلتی ہےتو اسے دیکھنے کے لئے ارواح پرے باندھ کر آنا شروع ہو جاتی ہیں اسی طرح وہ اسے دیکھ کر حیران ہوتی ہیں مگر ایک منزل پہ انہیں بھی احساس ہوتا ہے کہ یہ یہاں کسی شکار کے تعاقب میں آیا ہےتو وہ اسے ڈراتی بھی ہیں مگر بعد میں اس پرفرمائشیں کرنا شروع کر دیتی ہیں اور بعض اوقات انسان کو پوری پوری رات اپنی نیابت میں نمازیں پڑھواتی رہتی ہیں

اس مقام پہ حقیقی کشف قبور حاصل ہوتا ہے کیونکہ کشف قبور دو قسم کا ہوتا ہے ایک جز وقتی دوسرا حقیقی بس یہاں حقیقی کشف قبور حاصل ہوتا ہےاور یہاں اولیائے کرام کی روحیں صلحا کی روحیں اس کی مدد کے لئے تیار ہو جاتی ہیں

کچھ لوگ اس عالم میں بیٹھ کراس کا نظارہ کرتے ہیں تو یہاں کے ہو کے رہ جاتے ہیں اورآگے جانا بھول جاتے ہیں کیونکہ اس عالم میں پہنچنے کے بعد انسان کوارواح مومنین اوراولیائے کرام کی صحبت میسر آتی ہے کیونکہ یہ کرہ بادی ہوتا ہے اس لئے اس میں آدمی خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوامحسوس کرتا ہےاس میں انسان کوحضوراکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوان عام میں داخلے کی اجازت بھی مل جاتی ہے اور وہاں کبھی کبھی ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے اور انسان اسی کو اپنے لئے معراج تصور کر لیتا ہے مگر یہ تو ایک ابتدا ہے کیونکہ وہ شہنشاہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح اعلان نبوت کے وقت موجود تھے اسی طرح آج بھی موجود ہیں اور جس طرح اس دور کفار ومشرکین بھی ان کی زیارت کر سکتے تھے اسی طرح آج بھی کر سکتے ہیں پہلے بھی انہیں سفر کی صعوبتوں کے بعد زیارت ہوتی تھی آج بھی روحانی سفر کی صعوبتیں اٹھا کر جو بھی چاہے زیارت کر سکتا ہے مگر جس طرح ان کی موجودگی کے ظاہر زمانے میں کسی غیر عارف کو روحانی فیض نہیں ملا تھا اسی طرح آج کے مشرکین ومنافقین بھی زیارت تو کر لیتے ہیں مگر اسرارِ معنوی وروحانی سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو کیسے پتہ چلے کہ اس نے جو زیارت کی ہے وہ معنوی فیض بخش ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ اس نے کس قسم کی زیارت کی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب بھی انسان اعمالِ زیارت کرتا ہے یا روحانی سفر میں مصروف ہوتا ہے تو اسے دو طرح کی زیارت ہوتی ہے نمبر ایک زیارت عامہ ہوتی ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ انسان جب ان کی زیارت کرتا ہے تو یا تو ان کی صورتِ نورانی کے خدوخال کو نہیں دیکھ پاتا ایک غیر واضح تصویر دیکھتا ہے یا پھر وہ کسی کی شکل میں تصرف فرماتے ہیں یعنی انسان کے کسی دیکھے ہوئے آدمی کی شکل میں خود کو ظاہر فرماتے ہیں یا ان کی زیارت غیر متشرع صورت میں ہوتی ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے ان کے باطنِ نورانی کی زیارت نہیں کی بلکہ ماضی کے غیر عارفین کی طرح اس نے زیارت کی ہے

نمبر دو زیارت خاصہ ہوتی ہے جو عرفا و اولیاء ہی کو روحانی فیض پہنچانے کے لئے ہوتی ہے اس میں ایک تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اظہار نورانی صورت میں ہوتا ہے اور اس کے خدوخال واضح ہوتے ہیں زیادہ تر وہ تنہا ہی ظاہر ہوتے ہیں کسی مجمع میں انہیں نہیں دیکھا جاتا یعنی وہ کسی اجتماع میں نظر نہیں آتے اور ان کے ساتھ کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا بلکہ وہ صرف اسی شخص کے لئے ظاہر ہوتے ہیں جسے فیضِ روحانی پہنچانا مقصود ہوتا ہے

ایک اور بات بھی یاد رہے کہ زیارت عمومی و عامہ کرہ ءروحی میں جائے بناں بھی ہو جاتی ہے مگر زیارت خاصہ کرہ ءروحی میں جائے بناں نہیں ہوسکتی اور وہاں بھی اس کی یہی دوصورتیں باقی رہتی ہیں اور اگلے کرات میں بھی یہی صورت حال باقی رہتی ہے یعنی زیارت عامہ بھی ہوتی ہے اور زیارت خاصہ بھی

کرہ ءنوری

جب انسان اس سفر میں کرہ ءنوری میں داخل ہوتا ہے تو عالم نور کی مخلوق اسے حیرت سے دیکھتی ہے اور اسے دیکھنے کے لئے حاضر ہوتی ہے اور انسان بھی اسمائے مورودہ کے موکلین (ملکوت) کو دیکھتا ہے اور وہ بھی سابقہ کرامات کی مخلوق کی طرح (ڈرانے کے بعد یا ڈرائے بغیر) جب اس کی فتح مان لیتے ہیں تو اس کی اطاعت کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور عہد و پیمان کی دعوت دیتے ہیں مگر عرفا انہیں رخصت دے دیتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں مگر کئی ناقص المعیاد لوگ وہاں ساکن ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ عالم جلال ہوتا ہے اور یہاں انہیں تصرف فی موجود حاصل ہوتا ہے

یہاں کشف و کرامات کے مظاہرے بہت معمولی بات ہوتے ہیں اور یہاں بیٹھ کر لوگ اپنی ساری محنت کا اجر اسی دنیا میں لے سکتے ہیں اور جو چاہیں کر سکتے ہیں مگر عرفا یہاں قیام رکھنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی منزل تو اس سے بات بلند ہوتی ہے یہ عالم جلال تو عالم جمال سے بھی ادنیٰ عالم ہے اور عرفا کے لئے تو عالمِ جمال بھی نا کافی ہوتا ہے

کراتِ اسرار

جب ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو اس پردہ اسرار کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہ ہو گا کیونکہ جو شخص کرات اسرار تک خود جائے گا اسے اس کے بارے میں خود بخود معلوم ہو جائے گا اور جس نے عالم اسرار تک جانا نہیں اس کے سامنے ان رازوں کو منکشف کرنا گناہ عظیم ہے اس لئے میں بیان کے اس سفر کو یہاں ختم کرتا ہوں

قیامِ ارتکاز

دوستو! اب ہم اس کتاب کے عملی حصے میں داخل ہو رہے ہیں یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے ''ام الاعمال'' قیام ارتکاز ہے اور یہی وہ قوت فعالیہ ہے جو اعمال میں روح رواں اور حیات جاری کا مقام رکھتا ہے اور اسی سے نفس خائف ہوتا ہے اس لئے روحانی اعمال کی منزل چاہے جو بھی ہو اس کا آغاز قیام ارتکاز سے ہوتا ہے

اسلام سمیت جملہ مذاہب کی روحانیت کا پہلا سبق قیام ارتکاز کا ہوتا ہے اور قیام ارتکاز کے بغیر روحانیت سیکھنا ایسا ہے جیسے کوئی حروف تہجی کو یاد کئے بناں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہو

قیام ارتکاز اصل بنیاد ہے جس پر آپ روحانیت کی عمارت کھڑی کر سکتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ عمارت کتنی اونچائی پر لے جانا چاہتے ہیں اب یہ خود سوچ لیں مگر یہ نہیں بھولنا کہ آپ عمارت کی اونچائی جتنی بڑھاتے چلے جائیں گے بنیاد کو اتنا زیادہ مضبوط کرنا پڑے گا اور اگر بنیاد موجود ہی نہ ہو گی تو عمارت کے کھڑے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا عالم اسرار کے چاہے کتنے ہی چھوٹے علم کو لے لیں اس کے لئے قیام ارتکاز لازم ہو گا اور روحانیت کی آخری منزلوں تک آپ اسی ارتکاز کی مضبوطی کے مطابق جا سکیں گے

بات یہ ہے کہ ہر آدمی کا ذہن آوارہ خیالات کی تفریح گاہ کی طرح ہوتا ہے جب اور جس وقت جس خیال کا جی چاہتا ہے اس میں بلا اجازت داخل ہو جاتا ہے اور یہاں ساری بدتمیزیوں سمیت قبول بھی کیا جاتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہوتا کیونکہ وہ ذہن عوامی تفریح گاہ کی طرح ہوتا ہے یا ایک شارع عام کی طرح ہوتا ہے قیامِ ارتکاز کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی خیال بلا اجازت ذہن میں داخل نہیں ہو سکتا اور ہجومِ خیالات کا داخلہ بند ہو جاتا ہے تو ذہن نور روحانیت کی خلوت گاہ بننے کے قابل ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی بھی اہم شخصیت چوراہے پہ چوکی ڈال کر بیٹھنا پسند نہیں کرتی
ایک تو خیالات کا ہجوم انسان کی یکسوئی اور توجہ کی دولت کو روند کر چلا جاتا ہے جیسے ایک جولاہے نے شارع عام پہ کپڑے کا تانا بانا لگا دیا جونہی وہ کام شروع کرنے لگا کہیں سے کوئی آوارہ گدھا آ گیا اور اس نے سارا تانا بانا توڑ دیا اور بھاگ گیا اس جولاہے نے پھر وہاں تانا بانا لگایا تو کہیں سے کوئی ڈرا ہوا کتا اس میں آن پھنسا تو اس کی ساری محنت برباد ہو گئی اسی طرح ہوتا رہا اور وہ مدتوں کوئی چیز نہ بنا سکا اس

لئے انسان کو روحانیت کا تانا بانا لگانا ہو تو ہجوم خیالات کا داخلہ بند کرنا ضروری ہوگا
دوستو! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب آدمی قیام ارتکاز کی مشقیں کرتا ہے تو اسے سب سے بڑی مشکل یہی درپیش ہوتی ہے کہ وہ ہجوم خیالات کا داخلہ اپنے ذہن میں بند نہیں کرسکتا اور اس پر ایک محنتی شخص کو اس ہجوم خیالات سے مکمل نجات حاصل کرتے کرتے تین ماہ لگ جاتے ہیں مگر یہ تین ماہ آئندہ کے کئی برسوں کا وقت بچاتے ہیں

قیام ارتکاز کی مشقیں

دوستو! قیام ارتکاز کی مشقیں جو ہیں وہ سات قسم کی ہیں اور ان کی افادیت جدا جدا ہے وہ یہ ہیں

(1)۔تنظر (گھورنا)

(2)۔تذکر

(3)۔تنفس

(4)۔تحبس

(5)۔تصور

(6)۔ترقب

(7)۔تغرق

1......تنظر Strance

تنظر کسی چیز کو مسلسل گھورنے کو کہتے ہیں یعنی بلا پلکیں جھپکائے دیکھتے رہنا تنظر ہوتا

ہے اور قانون نظر یہ ہے کہ جب کسی شئے پر نظر مرکوز ہوتی ہے تو اس کے عکس کو دماغ میں لے آتی ہے اور دماغ اس چیز کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اسے معانی پہنا تا ہے جب کوئی عکس دماغ کی سکرین پر آتا ہے تو وہ پندرہ سیکنڈ تک اس پر باقی رہتا ہے اگر ہم کسی چیز کو گھورتے ہیں تو اس کا نقش بار بار دماغ کی سکرین پر پڑتا ہوا حافظے پر نقش ہو جاتا ہے اگر ہم ایک گھنٹہ ایک چیز کو دیکھیں اور پلک نہ جھپکائیں تو دماغ میں قیام عکس کا وصف پیدا ہو جاتا ہے اور یہ انتشارات ذہن کا خاتمہ کر دیتا ہے اور روحانی دنیا میں قدم رکھنے کا پہلا سٹیپ step انتشارات ذہن کا خاتمہ ہی ہوتا ہے

2......تذکر Remembrance

کسی کی یاد کو بار بار ذہن میں دہرانا تذکر ہوتا ہے اور یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کا ذکر زبان پر بھی آ جائے

یاد کا قانون یہ ہے کہ جب انسان کے ذہن میں ایک یاد آتی ہے تو اُسے عموماً قیام نہیں ہوتا اور جب ایک چیز کو بار بار یاد کیا جائے یا اُسے یاد دلایا جائے تو اس کے ذہن میں ایک نقش بنتا چلا جاتا ہے (اسی نفسیاتی مسلمے کی بنیاد پر ایڈور ٹائزنگ advertising کو متعارف کروایا گیا ہے)اور جب کسی چیز کی یاد دہانی مسلسل ہوتی رہے تو اس سے انتشارات ذہن کا بھی خاتمہ ہوتا ہے

اور یہ بھی ایک مسلمہ ہے کہ انسان کا ہر کام خیال سے شروع ہوتا ہے اور خیال ہی پر ختم ہوتا ہے اور یاد بھی ایک مستحکم بنیاد کا خیال ہوتا ہے

3......تنفس Respiration

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی سانسوں پر قائم ہے کہ جب سانس اندر جاتی ہے تو روح کے قریب کر دیتی ہے اور سانس جب باہر جاتی ہے تو انسان عارضی طور پر روح سے دور ہو جاتا ہے

اس کلیے پر کچھ پراسرار علوم وضع ہوئے ہیں اس میں روحانی علاج کو بھی اسی کے قوانین پر متعارف کروایا جا رہا ہے

فلائنگ flying یوگی کہتے ہیں کہ اگر تصوف کے پاس ہمارا یہ پران یاما نہ ہوتا تو اس میں کرامات دکھانے والی کوئی چیز نہ ہوتی یہ بات کچھ حد تک مانی بھی جا سکتی ہے مگر اختلاف پوائنٹ یہ ہے کہ کیا کوئی روحانی سچائی کسی مذہب کی پراپرٹی ہو سکتی ہے اس کو جواب نفی میں ہو گا تو یہ بات یوگیوں کی پراپرٹی نہ رہے گی اس پہ بہت لے دے ہوتی ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہے

اس کا کلیہ بھی عرض کرتا چلوں

اس میں ایک نتھنے سے سانس کو آہستہ آہستہ اندر لے جانا پڑتا ہے اور سانس اندر کھینچنے کا دورانیہ پہلے روز پانچ سیکنڈ کا ہوتا ہے اور یہ بڑھتے بڑھتے دس سیکنڈ تک جاتا ہے

پھر سانس کو سینے میں روکنا ہوتا ہے اس کا دورانیہ پانچ سیکنڈ سے بڑھا کر پانچ منٹ تک جاتا ہے

پھر سانس کو خارج کیا جاتا ہے تو اس کا دورانیہ سانس لینے کے دورانیے کے برابر ہوتا

ہے یعنی اگر سانس لینے کا دورانیہ پانچ سیکنڈ کا ہوگا تو سانس خارج کرنے کا دورانیہ بھی پانچ سیکنڈ کا ہوگا

اس میں یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ سانس اندر لے جاتے وقت جو نتھنا استعمال کریں سانس خارج کرتے وقت دوسرے نتھنے سے خارج کریں اور جس نتھنے سے سانس خارج کریں پھر اسی سے سانس اندر کھینچیں بس اسی سانس کے عمل میں وظیفہ پڑھا جاتا ہے

4...... تحبس Asthma

اسے حبس دم اور پران یاما بھی کہا جاتا ہے اور یہ سابقہ عمل تنفس کی آخری شکل ہے اور اس کے ماہرین تو سارا سارا دن سانس نہیں لیتے بلکہ کہا جاتا ہے کہ ہفتوں، مہینوں تک سانس نہیں لیتے

5...... تصور و تخیل Imagination&Visionary

6...... ترقب Medition

7...... تغرق Absorption Meditation

یہ دراصل ایک ہی چیز کے درجاتی نام ہیں یعنی جب انسان کسی چیز کا تصور کرتا ہے تو ایک لمحے کو اس چیز کی تصویر ذہن میں بن جاتی ہے جب یہ تصویرِ ذہن زیادہ دیر تک باقی رہے اور اس میں محویت پیدا ہو جائے تو اسے استغراق کہا جاتا ہے یعنی یہ وہ کیفیت ہے کہ اس میں انسان تصور میں اس درجہ غرق ہو جاتا ہے کہ وہ گرد و پیش سے

بے خبر ہو جاتا ہے اور جب یہ بے خبری اور استغراق انتہا کو پہنچ جائے اور اس میں ایک غنودگی سی طاری ہو جائے تو اسے مراقبہ کہتے ہیں اور یہی ذکر الٰہی میں مقصود ہوتی ہے کہ انسان کسی طرح اس مقام تک پہنچ جائے تو روحانیت کے دروازے کھل جاتے ہیں

عرفاء و مرشدین راہ طریقت اسی کیفیت کے حصول کے لئے انسان کی رہنمائی فرماتے ہیں اور بڑی بڑی ریاضتیں کرواتے ہیں اور اس سے انسان حقیقت مطلقہ کے مشاہدے تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ انسانی عقل جن مقامات کے بارے میں لاکھوں اوراق سیاہ کرنے کے باوجود عین الیقین تک نہیں لاسکتی وہاں ایک لمحے کا مراقبہ ہی انسان کو پہنچا دیتا ہے شاعر مشرق نے کیا خوب فرمایا ہے

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

عقل بیچاری کے پاس تو سنی سنائی باتوں اور عقلی دلائل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور اس دور کے انسان کے لئے اب خبروں کی نہیں بلکہ مشاہدات کی ضرورت ہے تا کہ وہ حقائق نورانیہ کا خود مشاہدہ کر کے عین الیقین کی منزل تک پہنچ سکے

ویسے بھی انسان کو دلائل عقلیہ سے قائل کرنا اس دور میں آسان نہیں کیونکہ انسان جس معاشرے میں تربیت پاتا ہے وہ معاشرہ اس کا عقیدہ بن جاتا ہے پھر اس کا ذہن اس قابل نہیں رہتا کہ اس عقیدے کا تجزیہ کر سکے اور درست اور نا درست پہ تحقیق کر سکے اس طرح اس کا عقیدہ چاہے کتنا ہی قبیح کیوں نہ ہو اس کے یقین میں داخل ہو جاتا ہے اور جب اپنی باتوں کی آفاقی تردید دیکھتا ہے تو وہ ان کی تاویلات

تلاش کرتا رہتا ہے اور اپنے فاسد عقیدے کو درست کرنے کی نہیں سوچتا ہاں ایک ہی صورت ہے کہ اسے اس کے عقائد کے خلاف مشاہدات کروائے جائیں اور وہ حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو پھر وہ اپنے عقیدے میں ترمیم کرسکتا ہے اس لئے اس دور میں کچھ کہنے کی بجائے کچھ دکھانا بہتر ہے اور یہی اس دور کے انسان کی روحانی بیماری کا علاج ہے

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 18

تلاشِ مرشدِ کامل

اے تشنگان دیدار حبیب!

اب وہ مقام آ گیا ہے کہ میں آپ کو ایک اور منزل کی طرف لے چلوں پہلے میں آپ کی توجہ ایک حقیقت کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ جب ہم ماضی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کوئی علاقہ اور کوئی زمانہ ہمیں اولیائے کرام سے خالی نظر نہیں آتا اور ہر جگہ کوئی نہ کوئی مسند ارشاد پہ جلوہ افروز نظر آتا ہے اور ہمارے اس دور میں نام نہاد پیران طریقت ہی نظر آتے ہیں جو قدم قدم پہ اپنے دام تزویر پھیلائے سادہ عوام کو پھانسنے میں مصروف ہیں اور ان نام نہاد پیران طریقت کی وجہ سے یہ مقدس مسند ارشاد بھی بدنام ہوئی ہے کیونکہ اس زمانے کے پیر اس مسند کو کاروبار معاش کا مقام دے چکے ہیں اور یہ پیسے بٹورنے کا ایک معزز ذریعہ بن کر رہ گیا ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے سارے اولیا کرام نے خود کو عوام سے چھپا لیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی کے لوگ اولیائے کرام کے احکامات پر چلنا چاہتے تھے مگر اس زمانے کے عوام اولیائے کرام کو اپنے احکام پر چلانا چاہتے ہیں اور اولیائے کرام کو

اپنی دنیا سدھارنے کا ایک ذریعہ بنانا چاہتے ہیں لیکن خود کو نہیں سدھارنا چاہتے
اس زمانے کے لوگ بھی یہ دیکھتے ہیں کہ کس پیر کے مریدوں میں زیادہ سے زیادہ
امیر لوگ ، وزراء اور افسران شامل ہیں یہ اسی کی بیعت میں جلدی کرتے ہیں تاکہ
پیر کے حوالے سے دنیا کے مسائل کو حل کروائیں گے اور ان کے خیال میں آخرت
نام کو چیز ہوتی ہی نہیں ہے اور سیاست دان طبقہ بھی یہی دیکھتا ہے کہ کس پیر کے زیادہ
مرید ہمارے حلقے میں ہیں اور جس کے مرید زیادہ ہوں اسی کی ارادت میں وہ بھی
شامل ہو کر اپنا الوّ سیدھا کرنا چاہتے ہیں اور ان کی نظر میں صرف اور صرف دنیا ہی
ہوتی ہے اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے مطلب کے لئے کسی بدترین انسان
کے قدموں میں بھی سر رکھنے سے نہیں چوکتا لیکن خالق و مالک کے قدموں میں کبھی
بھی سر جھکانے کو تیار نہیں ہوتا یہ دنیا دار لوگ پیروں کے قدموں میں سر جھکا کر انہیں
بیوقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کی ایک بھی نہیں مانتے اور آخرت کی طرف
توجہ نہیں دیتے

کیونکہ اولیائے کرام کا مقصد اپنے قدموں میں جھکانا نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ تو مخلوق کو
مالک سے واصل کرنے آتے ہیں اس لئے وہ اس ہوس پرستی کے کھیل میں شریک
ہونے سے خود کو چھپانے کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ہمیں
اولیائے کرام بالکل غائب نظر آتے ہیں اور اس میں مرشد کامل کو تلاش کرنا انتہائی
مشکل کام ہو گیا

دوستو! اس زمانے میں اولیائے کرام اور مشائخ عظام اور علمائے ربانیین موجود تو
ہیں مگر وہ ظاہر نہیں ہیں اور ہمارے پاس کوئی ایسا پیمانہ بھی نہیں ہے کہ ہم انہیں پہچان

لیں کیونکہ جعلی اولیا کی بھیڑ میں حقیقی کا وجود بھی مشکوک ہو گیا ہے

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے زمانے میں اگر کسی اعلیٰ روحانی مقام کے حصول کی حقیقی خواہش رکھتے ہیں تو پھر ہمیں مرشد کامل کی ضرورت ہو گی اور مرشد کامل کو تلاش کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں ہے تو پھر ہم کس طرح نمبر دو مرشدوں سے بچ کر اصلی کو پا سکتے ہیں

میں اس کے جواب میں آپ کی توجہ ایک کلیے کی طرف مبذول کرواؤں گا وہ یہ ہے کہ جملہ حکومتوں کا اور جملہ عہدوں کا یہ ایک مسلمہ قانون ہے کہ نائب کا تعارف منیب کے ذمہ ہوتا ہے

آپ دیکھیں جملہ انبیا علیہم الصلوات والسلام نے اپنے نائبین کا تعارف خود کروایا ہے ہر حکومت اپنے نمائندے کو خود ایڈنٹی فائی Identify کرتی ہے اور کسی کا خود کو حکومت کا اہل کار کہنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ حکومت اسے متعارف نہ کروائے

یہ بھی حقیقت ہے کہ جو مرشد کامل ہوتا ہے وہ بقیہء رسالت ہوتا ہے اور وہ نائب امام اور نائب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتا ہے اس لئے کسی کا خود کو نائب رسالت و نبوت و امامت کہنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس لئے ہمیں مرشد کامل کی تلاش کے لئے اپنے زمانے کے امام علیہم الصلوات والسلام کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ جو اس دور میں صاحب مسند ارشاد ہو گا وہ بلا واسطہ نائب امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام ہو گا کیونکہ امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام نیابت رسالت کے عہدے پر فائز ہوتے ہیں اس لئے ان کا نائب و بالواسطہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گا اس لئے اس نائب کا تعارف کسی اور پر فرض نہیں بلکہ ان کے تعارف کا فرضِ اولین تو امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام کا ہے اور ان کے

بعد شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض ہے کہ اپنے نائب کا تعارف کروائیں

دوستو! مرشدِ کامل کے حصول اور شناخت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شہنشاہ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے رابطہ کرنا بڑا ضروری ہے اور اگر اس معاملے میں ان سے رہنمائی نہ لی جائے تو گمراہی یقینی ہے اور اس سفرِ عرفان میں سب سے اہم مرحلہ یہی ہے یعنی مرشدِ کامل کا حصول

ویسے تو میں نے رابطہ بہ شہنشاہِ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے بارے میں اپنی کتاب جو حقوق امام علیہ الصلوات والسلام پر مبنی ہے اس میں کئی اعمال نقل کیے ہیں لیکن یہاں بھی کچھ عرض کرنا ضروری ہے

میں یہاں جو عمل لکھ رہا ہوں یہ عمل یقینی طور پر مشتاقانِ زیارت کو منزل مراد تک پہنچا سکتا ہے بشرطیکہ مقصدِ زیارت طلب ہدایت اور دینی راہنمائی ہو اور نیت میں یہ پکا ارادہ ہو کہ جو مالک و وارثِ عصر عجل اللہ فرجہ الشریف حکم دیں گے ہم اس پر عمل کریں گے چاہے پوری دنیا کی مخالفت ہی مول کیوں نہ لینا پڑے اس عزم صمیم کے بعد ناممکن ہے کہ انسان اپنے مالک کی زیارت سے محروم رہ جائے عالم بیداری یا عالمِ خواب میں ضرور زیارت ہوگی اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا کہ زیارت امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف خواب میں بھی ہو تو بیداری کی طرح ہے کیونکہ یہی اس حدیث کے مصداق ہیں جس میں فرمایا گیا تھا

☆مَن رَآنيِ فِي المَنَامِ فَقَد رَآنيِ

کہ جس نے ہمیں نیند میں دیکھا ہے گویا اس نے ہمیں ظاہراً بیداری میں دیکھا ہے

سب سے پہلے ہوتی ہے نمازِ زیارت پہلے اسی کو پیش کرتا ہوں

نماز برائے زیارت

اس نماز کی بہت اہمیت ہے اسے کئی کتب میں لکھا گیا ہے مگراس کا طریقہ نہیں لکھا گیا اس لئے کئی حضرات نے اسے ادا کرنے کے باوجود منزلِ مراد کونہیں پایا اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ جب تک کسی چیز کا طریقہ درست نہیں ہوتا اس کا نتیجہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں سینکڑوں لوگ ایسے ہیں جنہیں میں جانتا ہوں کہ انہوں نے اسی نماز کی مسلسل ادائیگی کی وجہ سے منزل مراد (محبوب حقیقی کی زیارت) کو پایا ہے اور یہ نماز مجربات میں سے ہے آپ اسے صحیح طریقہ سے ادا کریں اور نتیجہ حاصل کریں اس نماز کا مقدمہ نماز توبہ ہے یعنی نمازِ توبہ اس کے لئے وضو کا مقام رکھتی ہے اس لئے پہلے نمازِ توبہ کا طریقہ عرض کرتا ہوں

طریقہ نمازِ توبہ

پہلے غسل بہ نیت نماز توبہ کرنا ہے پھر وضو کرنا ہے اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا ہے ہر رکعت میں سورہ حمد کے بعد قل ھو اللہ 34 مرتبہ، قل اعوذ برب الفلق ایک مرتبہ، قل اعوذ برب الناس ایک مرتبہ پڑھ کر 70 مرتبہ استغفر اللہ کی تلاوت کریں یہ باقی نماز نمازِ صبح کی طرح ادا کرنا ہے اختتام پہ چند مرتبہ لَا حَــولَ وَلَا قُــوَّةَ اِلَّا بَاللّٰه پڑھیں اس کے بعد یہ دعا کرنا ہے

☆یَـا عَزِیزُ یَا غَفَّارُ اِغفِرلِی ذُنُوبِی وَ ذُنُوبَ جَمِیعِ المُومِنِینَ وَ المُومِنَات فَاِنّٰهُ لَا یَغفِرُ الذَّنُوبَ اِلَّا اَنتَ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح توبہ کرنے والے کی توبہ کی قبولیت کی ضمانت دی ہے

نماز توبہ کی افادیت

دوستو! نماز توبہ ایک طرح کا وضو یا غسل ہوتا ہے کیونکہ انسان ساری زندگی لذات نفسی کا ارتکاب کرتا رہتا ہے اس لئے اس کا آئینۂ قلب غبار معصیت اور لذات نفسی کی کدورت سے دھندلا چکا ہوتا ہے اور اس حالت میں جب محبوب حقیقی شہنشاہِ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا جلوہ دل کے آئینے پر عکس ریز ہوتا ہے تو اس میں ان کی تصویر واضح نظر نہیں آتی

اسی لئے جملہ عرفا کا مسلمہ ہے کہ عالمِ خواب میں غیر واضح جلووں کی وجہ کدورت قلبی ہی ہوتی ہے جیسے آپ چند مختلف رنگوں کے آئینے لیں اور ان میں بعض پر گرد ہ بھی ڈال دیں اور اس میں اپنا عکس دیکھیں تو آپ کو آپ کا اصلی رنگ نظر نہیں آئے گا بلکہ آئینوں جیسا نظر آئے گا اور غبار والے آئینے میں تو عکس نظر ہی نہ آئے گا اس لئے درست عکس دیکھنے کے لئے آئینے کا براق اور شفاف ہونا ضروری ہے

یہ نماز توبہ انسان کے آئینۂ قلب کی کدورتوں کو دھو دیتی ہے اور دل شفاف ہو جاتا ہے جس میں جلوہ ءحبیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جلوہ ءمحبوب دوراں امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف واضح نظر آتا ہے

ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ رخ حبیب شہنشاہ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی زیارت عبادت روحانی ہے اس لئے روحانی نجاسات کو دور کئے بغیر یہ عبادت واقع نہیں ہوتی جیسے اگر جسم نجاسات ظاہری سے آلودہ ہو تو عبادات جسمانی واقع نہیں ہوتے اور ان کے لئے غسل اور وضو ضروری ہوتا ہے اسی طرح اس عبادت کے لئے

نماز توبہ ایک غسل وضو کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے سب سے پہلے نماز توبہ پڑھنا لازم ہے

نماز توبہ کے بعد نماز توسل برائے زیارت ورابطہ ادا کریں

نماز توسل

دوستو! جملہ اعمالِ خیر کے لئے اہتمام اور تکلف کرنا بہت ضروری اور بہت بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس میں جتنا تکلف کیا جائے اتنی زیادہ افادیت ہوتی ہے مثلاً ایک آدمی نیند سے اٹھتا ہے اور دیوار پہ ہاتھ مار کر تیمّم کرتا ہے اور دو رکعت نماز صبح پڑھ لیتا ہے

نہ پڑھنے سے اگر چہ یہ بہتر ہے کہ اس سے آدمی بے نمازوں کی فہرست سے باہر ہو جائے گا مگر نماز کی حقیقی اور اعلیٰ درجوں کو نہ پا سکے گا اور اہداف صلوات کا حصول نہ ہوگا اس کے مقابلے میں کوئی شخص صبح کو اٹھتا ہے نماز کے لئے مخصوص لباس پہنتا ہے وضو کر کے یا غسل کر کے لباس پر خوشبو لگا کر جائے نماز کو احترام سے بچھاتا ہے یعنی تکلف کرتا ہے اور بڑے خشوع وخضوع سے یکسوئی اور حضور قلب سے نماز ادا کرتا ہے تو اس کی افادیت پہلے والی نماز سے ہزار گنا زیادہ ہوگی

اب دیکھیں نماز توسل کے لئے ہمیں اہتمام کیا کرنا ہے

نمبر 1

اس نماز کا اہتمام بدھ کی رات سے کرنا چاہیے یعنی منگل کے دن گزرنے کے بعد جو رات آتی ہے کیونکہ اس نماز کو کم از کم تین راتیں پڑھنا ضروری ہے اور اس طرح

تیسری رات شب جمعہ ہوگی جو "سیدة اللیالی" ہے یعنی جملہ راتوں کی سردار ہے اوراس رات اور دن میں ہر انسان اپنے وارث زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا مہمان ہوتا ہے اور شب جمعہ اور روزِ جمعہ ہمارے وارثِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے مخصوص ہے

نمبر 2

بعض لوگ منگل بدھ جمعرات اور جمعہ ان چار دنوں میں روزہ بھی رکھ لیتے ہیں جس سے اس کی افادیت بڑھ جاتی ہے اور کامیابی کے امکان بڑھ جاتے ہیں

نمبر 3

اعمال مخصوص بہ امام زمان عجل اللہ فرجہ الشریف کے لئے ایک لباس مخصوص کرنا چاہیے سادہ کاٹن کا لباس ہو اور اگر کھدر کا لباس ہو تو بہتر ہے رنگ بھی سفید ہو تو بہتر ہے اور اسے مالِ مخمس یعنی ایسے پیسوں سے لیا جائے جس کا خمس وزکواۃ ادا ہوا ور جس رقم کا حصول شرعی طرح سے درست ہو عرفا کے وصیت ناموں کو پڑھتے ہیں تو لکھا ہوتا ہے ہمارے کفن کے اوپر ہماری فلاں عبا ڈال دینا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عبا کے ساتھ ہم نے چالیس سال نماز شب ادا کی ہے یعنی ایک مخصوص لباس کو وہ چالیس سال تک عبادت کا ساتھی اور گواہ بنا کر رکھتے تھے عبادت کے لئے اوپر کرنے کی چادر کا رنگ سیاہ ہو تو بہتر ہے

جس رات نماز توسل شروع کرنا ہو اس سے پہلے اس لباس کو اپنے ہاتھوں سے طاہر کریں یعنی پہلے صابن وغیرہ سے دھو کر پھر صابن کو اچھی طرح نکال دیں پھر تین مرتبہ اس پر اس طرح پانی بہائیں کہ اس کے ہر ریشے پر پانی جاری ہو جائے اس طرح طاہر کر کے اسے خشک کر لیں

اس کے بعد اسے خوشبو وغیرہ لگا دیں آجکل خوشبو کے لئے پرفیومز کا استعمال ہوتا ہے جن میں الکحل یعنی شراب شامل ہوتی ہے یہ نجس ہیں کوئی دیسی طرز کی خوشبو لگائیں

نمبر 4

مصلیٰ یا جائے نماز جسے سجادہ عبادت بھی کہتے ہیں ان میں سے جو عبادت کے لئے رکھیں اسے بھی طاہر کرلیں جیسے لباس کو طاہر کیا تھا

نمبر 5

اس نماز میں تسبیح کی ضرورت بھی ہوتی ہے اس لئے خاک شفا کی تسبیح ہو تو بہتر ہے یا کوئی دیگر تسبیح ہو تو کوئی حرج نہیں اسے بھی طاہر کرلیں منسوبات عبادت کی حرمت کرنا بہت ضروری ہوتا ہے تسبیح چاہے کوئی بھی ہو اسے کھڑے کھڑے مصلیٰ پہ نہیں پھینکنا چاہیے مصلیٰ اور جائے نماز کو ادب اور احترام سے اٹھا کر رکھنا چاہئے جو شخص عبادت سے وابستہ چیزوں کا احترام نہیں کرتا اس کے لئے عبادت کے اصل مقصد کا حصول ناممکن ہوجاتا ہے یہ بات یاد رکھیں ''باادب بامراد بے ادب بے مراد''

نمبر 6

ان تین دنوں میں لذائذ سے بچنا چاہیے پرتکلف غذا، لذیذ کھانے ،لذیذ مشروبات ،فرائض ازدواجی (مباشرت) سے بھی پرہیز کرنا چاہیے جن آنکھوں سے زیارت حبیب حقیقی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کرنا چاہتے ہیں ان آنکھوں کی حفاظت کریں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ سے نگاہوں کو نجس نہ کریں ہر بری نگاہ سے بچنا ضروری ہے

غذا کے معاملے میں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے ''جو'' کی روٹی اور نمک کھا کر ہمیں

سکھا دیا ہے کہ نانِ جویں سے عبادت کی افادیت بڑھ جاتی ہے اور مرغن غذاؤں سے کم ہو جاتی ہے اس لئے سلسلہ نمازِ توسل میں ہمیں سنت امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام پہ عمل کرنا چاہیے

نمبر 7

جب بدھ کی رات ہو جائے تو پھر آدھی رات کے بعد تقریباً ساڑھے بارہ بجے کے بعد اٹھ کر پہلے وضو کریں پھر غسل ترتیبی یا ارتماسی جو بھی کر سکیں غسل کریں اور دورانِ غسل و وضو صلوات کاملہ کا ورد جاری رکھیں اور بعد از غسل وہ پاکیزہ لباس پہن لیں اگر تولیہ وغیرہ استعمال کرنا ہو تو اسے بھی دن کو طاہر کر کے لباس کے ساتھ رکھ دیں غسل کے دوران یہ دعا بھی کریں

☆اَللّٰهُمَّ اجعَلنیِ مِنَ التَّوَّابِینَ وَ جعَلَنیِ مِنَ المُتَطَهِّرِین

اس کے بعد صلوات کاملہ پڑھنا ہے

نمبر 8

نماز توسل کے لئے ضروری ہے کہ خلوت اور تنہائی میں ادا کریں اور کسی ایسی جگہ پہ ادا نہ کریں جہاں کوئی دیگر آواز یکسوئی کو توڑ ڈالے

دوسری شرط یہ ہے کہ زیر آسمان پڑھیں یعنی کسی کمرے میں ادا نہ کریں صحن میں یا گھر کے کسی کمرے کی چھت پر ادا کریں

نمبر 9

جب مقام عبادت پر پہنچیں تو مصلیٰ وغیرہ کو احترام سے بچھا کر جب اس پر کھڑے

ہوں تو فوراً سجدہ ء تعظیم بجا لائیں کیونکہ اپنے برابر کے لوگوں کو صرف سلام کہہ دینا کافی ہوتا ہے مگر مالک حقیقی کو سلام نہیں سجدہ بجائے سلام پیش کرنا ہوتا ہے اور اس دران میں صلواتِ کاملہ کا ورد زبان پر جاری رہے

نمبر 10

جب سجدے میں سر رکھیں تو ستر 70 مرتبہ اس طرح استغفار کریں اَستَغفِرُاللّٰہ رَبیِّ وَ اَتُوبُ اِلیہِ پڑھیں اور پھر نماز توسل کے لئے کھڑے ہو جائیں

نمبر 11

یہ نماز دو رکعت ہوتی ہے اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس نماز کو توسل بہ امامِ زمانہ علیہ الصلوات والسلام کی نیت سے ادا کریں کہ میں طلبِ ہدایت کے لئے اپنے وارثِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے توسل کرتا ہوں، رابطہ اور زیارت چاہتا ہوں یہ فقرے زبان پر ادا نہیں کرنا ہوتے دل میں صرف نیت رکھنا ہوتی ہے تکمیل نیت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر تکبیر کے ساتھ نماز کو شروع کریں

جیسا کہ نماز صبح کو ادا کیا جاتا ہے سب سے پہلے سورہ ء الحمد (فاتحہ) شروع کرنا ہے جب اس فقرے پر پہنچیں تو اس فقرے کو ایک سو مرتبہ دہرائیں اس لیے اس نماز میں تسبیح کو دائیں ہاتھ میں رکھنا ضروری ہوتا ہے

اِیَّاکَ نَعبُدُ وَ اِیَّاکَ نَستَعِین (100 مرتبہ) اس کے بعد جب یہ سو مرتبہ مکمل ہو جائے تو پھر آگے مکمل کریں یعنی اِھدِنَا الصَّرَاط سے لے کر وَالضَّالِین تک مکمل کریں

اس کے بعد سورہ قدر یعنی انا انزلناہ کو سات مرتبہ پڑھ لیں اس کے بعد اللہ اکبر

کہہ کر رکوع میں آ جائیں سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمِ وَ بِحَمدِہِ 7 مرتبہ پڑھیں پھر قیام میں واپس آ جائیں اور یہاں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمدَہ پڑھ کر سجدے میں چلے جائیں اور سجدے کی تسبیح کو 7 مرتبہ ادا کریں یعنی سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلیٰ وَ بِحَمدِہِ 7 مرتبہ پڑھیں

اسی طرح دوسری رکعت میں بھی پڑھنا ہے سورہ ءحمد میں اِیَّاكَ نَعبُدُ وَ اِیَّاكَ نَستَعِین سو مرتبہ پڑھ کر مکمل کرنا ہے اس کے بعد سورہ قدر پڑھیں یا سورہ اخلاص یعنی قُل ھُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ان میں سے جو پڑھیں سات مرتبہ پڑھیں اس کے بعد میں قنوت کا اضافہ کرنا ہے یعنی سورہ قدر کے بعد دعا کریں اور دعا میں دعائے تعجیل فرج یعنی ''اَللّٰھُمَ کَن لِوَلِّیكَ'' کی تلاوت کریں اور آخر میں صلوات کاملہ

یَا رَبَّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٌ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٌ وَ عَجِّل فَرَجَ آلِ مُحَمَّدٌ آخر تک چالیس مرتبہ ادا کریں اس کے بعد پہلی رکعت کی طرح اس رکعت کو مکمل کریں تشہد اور سلام کو فوراً بعد سجدے میں چلے جائیں اب یوں سمجھیں کہ آپ بارگاہ امام علیہ الصلوات والسلام میں پہنچ چکے ہیں سجدے میں جانے کے بعد فوراً ایک سانس میں جتنی مرتبہ استغفار کر سکیں کر لیں اس کے بعد اس طرح اپنی گفتگو کا آغاز کریں

اے میرے شہنشاہ میری رگ گردن کے مالک ،اے میرے جان و مال وعزت و ناموس و دین و دنیا کے مالک میں آپ کا عبدِ مملوک ہوں لیکن میری زندگی معصیت اور گناہوں میں گزری ہے میں جملہ گناہوں کا اقرار کرتا ہوں کہ میں مجرم ہوں

جب اس مقام پر پہنچیں تو اپنے جتنے گناہ یاد آسکیں ایک ایک کو بیان کریں اور گریہ وزاری سے معافی طلب کرنا ہے اس کے بعد عرض کریں اے میری ہر چیز کے مالک

جو گناہ مجھے یاد نہیں وہ آپ کو تو معلوم ہیں میں ان کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ میں نے وہ گناہ بھی کیے ہیں مگر آپ کے در اقدس کے سوا کہیں سے بھی معافی نہیں مل سکتی آپ معاف فرمائیں گے تو خالق بھی درگزر فرمائے گا میرے پاس جو کچھ ہے یہ میرا نہیں اس کے مالک آپ ہیں مجھے معلوم نہیں کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے کیا مجھ پر حلال ہے کیا حرام ہے آپ مجھے آگاہ فرمائیں میں آپ کے حلال کردہ کو حلال مانوں گا اور آپ کے حرام کردہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دوں گا اور آپ کی عطا کردہ توفیق سے آپ کی اطاعت اور نصرت کے لئے کمر بستہ رہوں گا مجھے آگاہ فرمائیں میں آپ کا دین اور آپ کے جد اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی دین کس سے حاصل کروں جس کے بارے میں آپ اشارہ فرمائیں گے میں اس کی اطاعت و فرمان کو آپ کی اطاعت تصور کروں گا

ہاں اگر آپ نے میری ہدایت نہ فرمائی اور مجھے زیارت کروا کے میری رہنمائی نہ فرمائی تو پھر بروزِ قیامت میں کسی چیز کا جوابدہ نہ رہوں گا اگر خالق کائنات پوچھے گا کہ تو کیوں گمراہ ہوا تو میں عرض کر دوں گا میرے ہادی زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے مجھے ہدایت فرمائی ہی نہ تھی

پھر عرض کریں اے میرے مولا، اے میرے آقا مجھ پر کرم کریں مجھ بدکردار کو ابدی ہلاکت سے بچائیں ابلیس ہماری گردنوں پر سوار ہو چکا ہے نفسِ امارہ نے ہمیں اپنا غلام بنا لیا ہے دوست کے لباس میں ہر طرف دشمنِ دین موجود ہیں میری گمراہی یقینی ہے جب تک آپ نجات نہ بخشیں میں اس تاریک رات میں ہلاکت سے نہیں بچ سکتا جب تک آپ نہ بچائیں

یہ ضروری نہیں کہ الفاظ یہی ہوں ضروری یہ ہے کہ جذبات یہی ہوں اور ان میں سچائی ہو اور گریہ وزاری سے حصولِ مراد آسان ہو جاتا ہے محبوب حقیقی جتنا کرم آنسوؤں پہ فرماتا ہے کسی چیز پر نہیں فرماتا بعض لوگ تو اس عمل کو چالیس دن تک کرتے ہے بعض تین دن، سات دن، دس دن میں مراد کو پا لیتے ہیں بات جذبات کی صداقت کی ہے اطاعتِ امر کا جذبہ جتنا شدید ہوگا زیارت کا شرف اتنا ہی جلدی حاصل ہو جاتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ نماز چالیس دن تک ایک ہی جگہ ایک ہی وقت پر ادا کی جاتی ہے اور کم از کم تین دن کی حد ہے چالیس دن تک کرنے سے ضرور مراد حاصل ہوتی ہے

جب اپنا عمل مکمل کر لیں تو 313 مرتبہ صلوات کاملہ پڑھ کر سجدہ شکر ادا کریں اس کے بعد پاکیزہ بستر پر سو جائیں اور زبان پر صلوات کاملہ کا ورد جاری رکھیں جن ایام میں یہ عمل کرنا ہے ان میں کوئی غیر اخلاقی کام نہ کریں اور نمازِ توسل کا احترام کریں تا کہ مالک حقیقی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے وصی موجود شہنشاہِ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو یقین ہو جائے کہ ہم واقعی اس کے ضرورت مند ہیں پیاسے ہیں

یہ عمل کرنے سے عالم خواب میں وہ پاک ذات عجل اللہ فرجہ الشریف جس شخصیت کے لئے فرما دیں اسے مرشد کامل تصور کریں اور اس کا ہر فرمان اللہ کا فرمان مانیں

مسئلہ تقلید میں بھی یہی ہے کہ مقلد کے لئے مرجع کا قول اللہ کا قول ہے

مرشد کامل وارث انبیاء علیہم الصلوات والسلام ہوتا ہے کیونکہ وہ علمِ آل محمد علیہم الصلوات والسلام کا عالم ہوتا ہے

اور یہ بھی یقین رکھیں مرشد کامل کے دو جنبے ہوتے ہیں جیسے انبیاء علیہم الصلوات والسلام کے دو

جنبے ہوتے ہیں ایک پہلوئے ذات اس کا مالک مطلق کے نور سے متصل ہوتا ہے دوسرا پہلو مخلوق سے متصل ہوتا ہے ایک جنبہ وہ ہوتا ہے کہ جس سے وہ اپنے مالک پاک شہنشاہِ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف سے حصولِ فیض کرتا ہے اور دوسرا جنبہ وہ ہوتا ہے جس سے وہ اپنے ارادت مندوں کو فیض منتقل کرتا ہے

مرشد پاک کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ ہمارے دل کے استعدادات کا عالم ہوتا ہے جیسے کسان اپنی فصل کے بارے میں عالم ہوتا ہے یا ایک عورت اپنے کھانے پکانے کے شعبے میں عالم ہوتی ہے اسی طرح مرشد پاک بھی اپنے ارادتمندوں کی فصل کا عالم ہوتا ہے اس لئے تو وہ بقدر عقول کلام کرنے کا اور بقدر ظرف احکام دینے کا پابند ہوتا ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خواص میں سے بعض کو انفاق فی الخیر (خیر میں خرچ کرنے) کا حکم فرماتے اور بعض اصحاب کو خیر کے مفہوم کی ناشناسائی کی وجہ سے انہیں کفایت شعاری کا حکم فرماتے

بعض کو ذرائع معاش اور کسبِ معاش کی ترغیب فرماتے تھے اور بعض کو ترکِ معاش کروا کر اصحابِ صفہ میں شامل فرما دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اوضاعِ خلائق کے عالم تھے اس لئے جانتے تھے کہ یہ ہر دو دعوت میں برابر ہی ہیں اختلاف احکام ان کی استعدادات ہی کا اختلاف ہے جو غیر حقیقی ہے اسی طرح مرشد پاک بھی اپنے ارادت مندوں کے دل کا احوال جانتے ہوئے انہیں ان کے ظرف کے مطابق احکامات صادر فرماتے ہیں

طریقہِ حصولِ روحانیت

اے متلاشیانِ منزلِ مراد!

جب کریم مالک شہنشاہِ معظم امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے کرم سے تمہیں مرشد پاک عطا ہو جائے تو اس سے استفادہ کرنے کے لئے بھی کچھ اصول اور طریقہ ہائے کار ہوتے ہیں

آپ دیکھیں جب انسان جسم کو مسکولر بنانا چاہتا ہے یا باڈی بلڈنگ body building کرتا ہے تو اسے اس کے مخصوص اصول اپنانا پڑتے ہیں اور اگر ان اصولوں کے خلاف کوئی ورزش اپنی طرف سے بنالی جائے تو جسم اتنی جلدی ڈویلپ Develop نہیں ہوتا

جس طرح روٹی اور سالن تیار کرنے کا اپنا اپنا ایک مخصوص طریقہ ہوتا ہے اسی طرح ہر چیز کا اپنا اپنا مخصوص طریقہ کار ہوتا ہے (Method) ہوتا ہے اس کے بغیر وہ چیز تیار نہیں ہوتی بس اسی طرح روحانیت کا حصول بھی ایک آرٹ کی طرح ہوتا ہے اور وہ کرتے کرتے آتا ہے اور اس کی مخصوص مشقیں ہوتی ہیں جن سے آدمی کامیابی کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے

اس سفر میں یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ مرشد پاک ہماری اصلاح اور تربیت کا کام کلام سے کم لیتے ہیں بلکہ وہ ہماری تربیت کا کام زیادہ تر روحانی طور پر لیتے ہیں اس لئے ان کے کلام کی بجائے ان کی روحانیت سے توسل پیدا کریں

مرشد پاک کا فیض ذہن سے ذہن کی طرف منتقل ہوتا ہے وہ عقلی اور منطقی دلائل نہیں

دیتے اور نہ عقلی طور پر بحث کر کے قائل کرتے ہیں بلکہ ان کی عطائے علم و عرفان باطنی طور پر ہوتی ہے اور وہ زبانی نہیں ہوتی کشفی ہوتی ہے، بیانی نہیں ہوتی حصولیاتی ہوتی ہے، ان کا کرم لفظی نہیں ہوتا وجدانی اور سری و مخفی ہوتا ہے

مرشد پاک بلا واسطہ نفس پہ تصرف فرماتے ہیں اور کیفیاتِ نفس میں مداخلت فرماتے ہیں اس لئے ظاہر بین کو علم بھی نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے بلکہ کراماً کاتبین کو بھی علم نہیں ہوتا کہ کون کس کو کیا دے رہا

مشقِ اول

دوستو! روحانیت کے حصول کے لئے سب سے پہلے مرشد پاک سے روحانی رابطہ پیدا کرنا پڑتا ہے اور اس کا اولین ذریعہ ''ارتکاز'' ہوتا ہے

میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ ارتکاز نفس کا سب سے بڑا دشمن ہے اور انسان نفس کے چنگل سے خزانہ ہائے انوار و عرفان کو ارتکاز سے آزاد کروا سکتا ہے

( )

پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ مرشد پاک کی مجلس میں جائیں اور ان کے رخ انور کی اس طرح زیارت کریں کہ ان کے چہرے کی تصویر کو تصور میں اور خیال میں جما دیں اور آنکھیں بند کر لیں اس کے بعد بار بار آنکھیں کھول کر ان کے چہرے کی تصویر کو خیال اور تصور میں واضح کرتے چلے جائیں

یہ کام ان کی موجودگی میں بار بار کریں اور جب ان کی مجلس برخاست ہو تو اس تصویر کو خیال میں بار بار لانے کی کوشش کریں تاکہ خیال میں ان کی ایک تصویر قائم ہو جائے یہ یاد رہے کہ نفسِ خبیث بار بار ایک نئی تصویر دکھانے کی کوشش کرے گا لیکن

آپ نے ایک ہی تصویر کو قائم کرنا ہے اسی طرح روزانہ مرشد پاک کی مجلس میں جائیں اوران کے رخ کی ایک تصویر ذہن اور قلب پر نقش کرنے کی کوشش کریں اس کے بعد آپ رات کو جب سارے لوگ سو جائیں تو ایک گھنٹہ تک آنکھیں بند کر کے مرشد پاک کا تصور کریں اور تصور کے دوران آپ گہرے گہرے سانس لیتے رہیں اور رخِ محبوب کی تلاوت کے دوران آہستہ آہستہ صلوات کاملہ زبان پر لائیں مگر بالکل آہستہ آہستہ صلوات کی تلاوت کریں

اس دوران جب تصور قائم ہونا شروع ہو جاتا ہے تو اس میں ایک عجیب سی لذت محسوس ہوتی ہے اس میں اگر لمبے لمبے سانس نہ لئے جائیں تو انسان سانس لینا ہی بھول جاتا ہے اور بعض اوقات اس میں جلوہ محبوب کی تمازت اور اس میں سانس بھولنے کی وجہ سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے اس لئے لمبے لمبے سانس لینا بہت ضروری ہے

( )

دوستو! جب انسان یہ اولین مشق شروع کرتا ہے تو اس میں کئی رکاوٹیں آتی ہیں اور انسان ان سے بددل ہو جاتا ہے ان میں سے پہلی رکاوٹ تصور کا بار بار ٹوٹنا ہوتا ہے آدمی ایک سیکنڈ کے لئے تصور قائم کرتا ہے وہ فوراً ٹوٹ جاتا ہے پھر قائم کرتا ہے وہ پھر ٹوٹ جاتا ہے اس جوڑنے اور ٹوٹنے کے عمل میں جب تسلسل پیدا ہوتا ہے تو انسان بددل ہو جاتا ہے

دوستو! اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے آپ کسی بھی فن سیکھنے والوں کو دیکھیں جیسا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اصحاب کو اس کے لئے فرمایا تھا کہ تم ان لوگوں کو جا کر دیکھو جو

تیراندازی سیکھتے رہتے ہوں آپ انہیں دیکھیں جب کوئی نئے سرے سے تیر چلانا سیکھتا ہے تو اس کے سارے تیر خطا ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی نشانہ پر نہیں لگتا لیکن وہ ہر تیر پہ یہی سوچتا ہے یہ تیر یقیناً نشانے پر لگے گا مگر وہ بھی چوک جاتا ہے تو اگلے تیر سے وہ یقین کی حد تک امید وابستہ کر لیتا ہے اسی طرح وہ ایک یقین کامل سے عمل کرتا رہتا ہے تو پھر اس کا سو میں سے ایک تیر نشانے پر لگ جاتا ہے جس سے اس کا حوصلہ جوان ہو جاتا ہے اور وہ مشق بڑھا دیتا ہے اسی طرح اس کے تیروں کے نشانے پر لگنے کی ریشو Ratio بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور ایک دن وہ سو کے سو تیر نشانے پر لگا رہا ہوتا ہے اسی طرح آپ کو بھی نا امید نہیں ہونا چاہیے اور یہ مشق کرتے کرتے آپ اس کے ماہر ہو جائیں گے

آپ جب یہ مشق جاری رکھیں گے اس میں تصور کے وقت میں اضافہ ہونا شروع ہو جائے گا اور ٹوٹنے کی تعداد کم ہونا شروع ہو جائے گی اور تصور کے دورانیے لمبے ہونا شروع ہو جائیں گے اور اس طرح یہ دورانیے بڑھتے بڑھتے پورے ایک گھنٹے تک محیط ہو جائیں گے

( )

یہ مشق پہلے پہل ایک گھنٹے کے لئے کی جاتی ہے مگر جب ایک گھنٹہ مکمل ہو جاتا ہے یا آدمی محسوس کرتا ہے اب تصور کے دورانیے کافی بڑے ہو گئے ہیں تو اس وقت چوبیس گھنٹے کا عمل شروع کرنا ہوتا ہے یعنی جس کام میں بھی آپ مصروف ہیں اس میں تھوڑی دیر کے بعد ایک لمحے کے لئے تصور قائم کرنے کی کوشش کریں اس طرح یہ تصور آپ کو اپنے مالک کے قریب لائے گا

بعض لوگوں سے جب یہ بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ کیا یہ عمل روزمرہ کے کاموں میں رکاوٹ نہیں بنے گا ؟

تو میں نے انہیں عرفا کا یہ مقولہ سنایا کہ '' ہتھ کار ول دل یار ول'' یعنی ہاتھ کام میں مصروف ہو اور دل محبوب کے دیدار میں مصروف ہو

یہ عام مشاہدہ ہے کہ جس انسان کو کسی کا خیال آتا ہے تو وہ اس کے جاری کام میں رکاوٹ نہیں بنتا

اس کے لئے عرفا اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے کہ آپ ان کاریگروں کو دیکھیں جو چکی کا پتھر تراشتے ہیں جب ابتدا میں وہ یہ کام سیکھتے ہیں تو انہیں اپنے ہاتھ اور چھینی پر پوری توجہ مرکوز کرنا پڑتی ہے تا کہ ہتھوڑا چھینی سے چُوک کر ہاتھ پہ نہ لگے لیکن جب ان کی پریکٹس ہو جاتی ہے تو پھر وہ کام کے دوران دوسروں سے باتیں بھی کرتے رہتے ہیں ادھر ادھر بھی دیکھ لیتے ہیں مگر ان کا ہاتھ اور ہتھوڑا اپنا کام کرتا رہتا ہے اور کبھی نہیں چوکتا اسی طرح اچھے ڈرائیور جب گاڑی چلا رہے ہوتے ہیں تو خوب گپیں ہانکتے ہیں ادھر ادھر دیکھتے ہیں مگر ان کا خیال گاڑی ہی کی طرف رہتا ہے اسی طرح یہ تصور بھی دنیاوی کاموں میں حائل نہیں ہوتا بلکہ تھوڑی سی پریکٹس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد دنیا کے سارے کام بھی ہوتے رہتے ہیں اور توجہ محبوب کی طرف قائم بھی رہتی ہے اعمال روحانیت بھی ایک آرٹ اور فن کی طرح ہوتے ہیں جو کرتے کرتے آتے ہیں

()

انسان جب ابتدا میں تصور کا عمل شروع کرتا ہے تو مرشد پاک کا تصور قائم کرنے میں

ایک رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ وہ محبوب کے رخ انور کے تصور میں تصور کی سطح پر قائم نہیں رہ سکتا یعنی وہ آئینے کے عکس کی طرح اس کے پار اتر جاتا ہے
جیسے آپ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہیں تو وہ عکس آئینے کی Surface (سطح پر نظر نہیں آتا بلکہ آپ آئینے کے جتنے دور کھڑے ہوں گے آپ کا عکس آئینے کی سطح سے اس طرف اتنی دور دوسری طرف کھڑا ہوا نظر آئے گا اسی طرح مرشد پاک کا جب تصور قائم کیا جاتا ہے تو انسان اس تصور سے دوسری طرف اتر جاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ عین اس وقت اپنی آنکھیں کھول کر فوراً بند کریں اور اس تصویر کو تصور کی سطح پر لانے کی کوشش کریں

( )

قیام تصور میں ٹوٹنے کے عمل کو کم کرنے کے لئے تمام عرفائے کرام کا طریقہ جدا جدا ہوتا ہے مثلاً کچھ عرفا کا یہ معمول تھا کہ جب تصور ٹوٹتا تھا تو وہ خود اپنے نفس سے مخاطب ہو کر آہستہ سے ڈانٹ دیتے تھے اور اتنی آواز میں ڈانٹتے تھے کہ ان کی آواز ان کے کانوں تک جائے اس سے زیادہ اونچی آواز نہیں ہوتی تھی یہ طریقہ بھی کامیاب ہوتا ہے

( )

بعض عرفا کو دیکھا ہے کہ وہ قیام تصور میں رکاوٹ پر اپنے ہاتھ میں ڈنڈا لے کر زمین پر مارتے تھے اور کہتے تھے دفع ہو اے ابلیس اللہ کی تجھ پر لعنت ہو اسی طرح وہ اور بھی الفاظ استعمال کرتے تھے یہ طریقہ بھی کامیاب ہے مگر ہر آدمی کے استعمال کرنے کا اور اپنانے کا نہیں ہے

بعض تو نفس امارہ کے معاملے میں انتہائی سخت گیری سے کام لیتے تھے ایک عارف نورہ اللہ مرقدہ نے اپنے ناک میں ایک لوہے کا حلقہ ڈالا ہوا تھا اور اس میں ایک چھوٹی سی ڈوری ہوتی تھی وہ اسے ہمیشہ ہاتھ میں لئے رہتے تھے جب بھی نفس غفلت کرتا تو وہ اس ڈوری کو جھٹکا دیتے تھے اور کبھی کبھی تو ناک سے خون بھی جاری ہو جاتا تھا

یہ طریقہ بھی عام آدمی کے اپنانے کا نہیں ہے بلکہ میں نے یہ باتیں اس لئے لکھی ہیں کہ دیکھ لیں کہ عرفا کتنی مشقت کرتے تھے آپ کے لئے آسان طریقہ یہی ہے جو میں نے سب سے پہلے لکھا ہے

( )

دوستو! قیام تصور میں خالی پیٹ بڑا معاون ہوتا ہے اگر انسان بھوکا اور پیاسہ ہو تو بہت جلد تصور کا قیام ہو جاتا ہے اسی طرح اگر بھوک پیاس کے ساتھ قلت نوم (جگراتا) بھی شامل ہو جائے تو سونے پہ سہاگہ ہے اور اگر ہجرِ محبوب کا درد بھی شامل ہو تو پھر کوئی چیز وصلِ محبوب سے نہیں روک سکتی

منصبِ امامت اور روحانیت

دوستو!

لا الہ الا اللہ کا دائرہ جب امامت کی حدود تک محیط ہوتا ہے تو وہاں اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ لَا اِمَامَ اِلَّا اِمَامَ زَمَانِنَا یعنی جب کوئی معبود چاہے اصنامی ہو یا نفسی ہو اللہ جل جلالہ کے احکام سے متصادم مقام و احکام کا قیام کرے تو وہ لاموجود مانا جائے اسی طرح اگر کسی نبی کے احکامات و شریعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وا آلہ وسلم کے احکامات و

شریعت سے متصادم ہوں تو اس کی نفی لازم ہوگی اسی طرح کسی امام کا حکم زمانے کے امام سے متصادم نظر آئے تو اسے ترک کرنا واجب ہو جاتا ہے یعنی عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ ہمارے لئے واجب الاطاعت امام ہمارے ہی زمانے کے امام علیہ الصلوات والسلام ہیں

منصب امامت مطلقہ کا مالک جو بھی زمانے کا امام ہوگا وہ بااختیار رہے کہ کسی امام سابق کے کسی حکم کو منسوخ فرمادے اور اس کی ایک نئی تعریف پیش کرے

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کمپیوٹر آن کرنے کے بعد انسان روٹ پہ آکر ساری کمانڈز دیتا ہے اسی طرح روحانیت کا روٹ امام وقت ہوتا ہے انسان کو پہلے اسی کے حضور جانا پڑتا ہے اور اس کے بعد سارے پروگرامز کے دروازے کھلتے ہیں یا یوں سمجھ لیں امام ایک ایسا نقطہ ہوتا ہے کہ جس کے اندر سارا ڈیٹا ہوتا ہے یا تفصیل ہوتی ہے یا ایک بیج کی طرح ہوتا ہے جس میں لاکھوں تناور درخت موجود ہوتے ہیں امام زمانہؑ ایک ایسا مرکزی پوائنٹ ہوتا ہے کہ جس سے ساری فروعات اور سارے اصول دین نکلتے ہیں کیونکہ آپ درخت کو دیکھیں پتہ چلے گا کہ جس طرح درخت کے بیج سے شاخیں نکلتی ہیں اسی طرح اس سے جڑیں بھی نکلتی ہیں اسی طرح جو وقت کا امام ہوتا ہے وہ نورعلم کے شہر کا دروازہ ہوتا ہے اور اسی راستے سے نورِ علم کے شہر کے دیگر گھروں کے دروازے ملتے ہیں کیونکہ شہر ایک خانہ واحد نہیں ہوتا بلکہ وہ لاتعداد گھروں کا مجموعہ ہوتا ہے اسی طرح انسان فصیلِ شہر کے دروازے سے داخل ہو کر ہی اندر والے گھروں تک جا سکتا ہے اور امام زمانہ ہی وہ فصیلِ شہر کا مرکزی دروازہ ہوتا ہے کہ جس سے انسان بابِ توحید تک جاتا ہے اور اسی سے بابِ رسالت تک

جا تا ہے

دوستو! یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ عطائے عرفان امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی کی صوابدید پر ہوتا ہے جو ان سے رابطہ و رسوخ پیدا کرتا ہے اس کے لئے وہ خود فیصلہ فرماتے ہیں کہ اس ذہن کے آدمی کو کیسی توحید دینا ہے اور توحید کے کس دروازے تک اسے لے جانا ہے اور کیسا تصور نبوت عطا فرمانا ہے اور کس درجہ کا عرفان و علم عطا فرمانا ہے

امامِ زمانؑ ہی انسان کو اپنے آئمہ ما سلف و ما خلف علیہم الصلوات والسلام کے در ہائے عرفان تک لے جاتے ہیں کیونکہ امامِ موجود ہی سے آئمہ سابق و مستقبل کے راستے نکلتے ہیں

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایک امام علیہ الصلوات والسلام کے عرفان کے کئی مراتب ہوتے ہیں اور کسی امام کی معرفت کے کس مرتبہ کی کون استعداد رکھتا ہے یہ بھی وہی ذات جانتی ہے اور انسان کی استعدادات اور صلاحیتوں کے مقام کا تعین بھی وہی ذات کرتی ہے اور جس کے بارے میں ان کا جو جی چاہتا ہے وہی فیصلہ فرماتے ہیں

تاہم ہمارے لئے یہی درست راستہ ہے کہ جو توحید ہمیں امام زمانا شہنشاہِ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف عطا فرمائیں وہی ہمیں لینا چاہیے اور جو نبوت ہمیں وہ عطا فرمائیں ہمیں وہی لینا چاہیے اور جو امامت وہ ہمیں عطا فرمائیں وہی ہمارے لئے درست ہے اس کے علاوہ جو بھی ہم نظریہ رکھیں گے وہ گمراہی کے سوا کچھ نہ ہوگا اور اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وَ عَلِیٌّ عَلیہ الصلوَاتُ وَالسَّلَام بَابُهَا کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جو اللہ یہ عطا فرمائیں وہی درست ہے اور جو مقام رسالت اور تصور نبوت یہ عطا فرمائیں وہی درست ہے اسی

طرح ہمارے زمانے میں باب مدینۃ العلم ہمارے شہنشاہِ معظم امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ہیں ہمیں سب کچھ انہی کی ذات اقدس سے لینا پڑے گا۔

( )

دوستو! جس ذات کی ہر بات کو بلا سوچے سمجھے ماننا پڑتا ہے وہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ذات ہوتی ہے عقل سے اس کے مصالح کو سمجھنا ناممکن ہوتا ہے خالق نے اس کے وجود پر دلیل لانے کے لئے عقل کے استعمال کا حکم دیا ہے لیکن ان کی ذات وصفات پر عقل کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ان کے احکامات کے مصالح کو سمجھنے کے لئے عقل کا استعمال جائز ہے ہاں عقل اقامتِ رسمِ عبودیت کے لئے ملی ہے نہ کہ ادراکِ ربوبیت کے لئے

( )

دوستو! انوارِ اِلٰہی کا باب اول اور خازن اول امام زمانہؑ ہی ہوتے ہیں اور جو اولیائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے انوار کا مشاہدہ کیا وہ امام زمانہؑ کے انوارِ باطنیہ ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اسی کا نام جلوہ انوار اِلٰہی ہوتا ہے کیونکہ اولیائے کرام ایک مبتدی کو وحدت سے آگے نہیں لے جانا چاہتے اس لئے وہ اسے صرف توحید تک محدود رکھتے ہیں انہیں یہ معلوم ہے کہ اگر کوئی کوشش کرے گا تو کشفِ حجاب کے بعد وہ خود سمجھ جائے گا کہ اس نے کس کا جلوہ دیکھا ہے اور اگر کوئی اس مقام تک نہیں پہنچے گا تو پھر اس کے سامنے راز کھلنے کا خطرہ نہیں رہتا اور اس طرح وہ ظاہراً بات توحید کی کرتے ہیں مگر حقیقتاً عرفانِ امام زمانہؑ کی بات کرتے ہیں کیونکہ اللہ کا نہ کوئی علیحدہ گھر ہے نہ در ہے بلکہ امام زمانہ کا در گھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کا در گھر ہے اور ان کا در گھر اللہ جل جلالہ کا در گھر ہے اسی لئے امام وقت ہی نائب رسالت ہوتا ہے اور وہی نائبِ اِلٰہی بھی ہوتا ہے اس لئے اسی کی ذات کا جلوہ ہی اللہ اور اللہ کے حبیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ شمار ہوتا ہے

( )

دیکھئے دوستو! ہمیں جن انوار کا مشاہدہ ہوتا ہے دراصل وہ مرشد پاک کے قلبِ منور سے منعکس ہو کر ہم تک آتے ہیں اور جو مشاہداتِ روحانی مرشد پاک تک آتے ہیں وہ ان کے زمانے کے امام علیہ الصلوات والسلام کے ذریعے آتے ہیں اس لئے ہر زمانے کا امام ہی مرکز روحانیت اور وسیلہ فیوض اِلٰہی ہوتا ہے اس کا سلسلہ اس طرح ہوتا ہے اللہ جل جلالہ کا حاضر نمائندہ ہی اس کی مخلوق کو خالق سے اور دیگر مبدہ ہائے انوار سے منسلک کرتا ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے کہ

☆یَومَ نَدعُواکُل اُنَاسٍ بِاِمَامِھِم

یعنی قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے زمانے کے امام علیہ الصلوات والسلام کے نام سے پکارا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے جو اپنے زمانے کے امام علیہ الصلوات والسلام سے روحانی رابطہ نہ رکھتا ہوگا وہ راندہ درگا الٰہی ہوگا

( )

کسی عارف نے اپنے ارادت مندوں سے فرمایا تم بتاؤ کیا احکام میں کوئی خدا سے بھی بڑا ہوتا ہے انہوں نے عرض کی جناب سے بڑا کون ہوسکتا ہے؟ اس پر انہوں نے فرمایا انسان کا راہ عرفان کا گرو اپنے چیلے کے لئے خدا سے بھی بڑا ہوتا ہے کیونکہ وہی خدا کے احکام کے حدود وضع کرتا ہے اور اس کے لئے اللہ کا ہر حکم قابل عمل نہیں

ہوتا کیونکہ احکام اللہ میں سے کچھ ناسخ ہوتے ہیں کچھ منسوخ ، کچھ محکم ، کچھ متشابہہ ہوتے ہیں ، کچھ عام ہوتے ہیں ، کچھ خاص ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو اس طرح اس کے لئے قابل عمل ہے یہ گروہی جانتا ہے اس لئے احکام میں وہی بڑا ہوتا ہے

( )

ایک ارادت مند کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ مرشد کی طرف سے ملتا ہے اور مرشد پاک ہی میں اسے سارے جلوے نظر آتے ہیں کیونکہ مرشد پاک ہی وہ آئینہ ہوتا ہے جس میں انوار امام وقت عکس ریز ہوتے ہیں

انسان کے لئے فرما دیا گیا ہے کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس کا مقصد یہ سمجھا جاتا ہے کہ صراط مستقیم پر وہ جبراً چلاتا ہے اور اس کا نام ہم ہدایت رکھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ ہدایت صرف خیر و شر سے آگاہی کا نام ہے نہ کہ اس راستے پر جبراً چلانے کا نام

میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں

آپ کہیں جا رہے ہیں اور راستہ معلوم نہیں اچانک سامنے ایک چوک آجاتا ہے اور اس پر بورڈ لکھا ہے کہ یہ راستہ فلاں شہر کو جاتا ہے یہ فلاں شہر کو۔ آپ کو جب پتا چلا کہ یہ راستے کہاں کہاں جاتے ہیں تو آپ اپنی مطلوبہ منزل کے راستے پر چل پڑے اچانک سامنے سے ایک گاڑی آتی ہے اور اس میں سے ایک آدمی نکل کر آپ کو گن پوائنٹ پر لے کر دوسرے راستے پر چلنے پر مجبور کرتا ہے یا بہلا پھسلا کر کسی دوسرے راستے پر لے چلتا ہے پھر سامنے سے ایک جوان آکر آپ کو اس کے چنگل سے آزاد کرواتا ہے اور حقیقی راستے تک پہنچاتا ہے

اس میں جو بورڈ تھا وہ ہدایت الٰہی تھی جس نے راستوں کو بیان فرما دیا اب وہاں اغوا کرنے والا ابلیس آ گیا وہ آپ کے معلوم ہونے کے باوجود دوسری طرف لے چلا اسی وقت مرشد آیا اوراس نے پھر درست راستے پر لگا دیا بس اسی سے مرشد اور ابلیس کے امورکو سمجھیں

لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ مرشد پاک کا کام مالک حقیقی سے واصل کرنا ہوتا ہے آگے آپ کی اپنی استعدادات کام آئیں گی جیسے ماں باپ شادی کا خرچ اٹھاتے ہیں اہتمام کرتے ہیں مولوی آ کر نکاح پڑھتا ہے مگر شب وصل میں ان کا کوئی کام نہیں ہوتا بلکہ وہ باہر رہ جاتے ہیں اسی طرح وصل محبوب تک لے جانے کا کام مرشد پاک کرتا ہے مگر مالک سے استفادہ آپ کی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ہوگا

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم
عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نمبر 19

اسباقِ روحانیت

اے طائران راہ وصال!

اب تک ہم روحانیت کے تمام ناگزیر نظری پہلوؤں پہ اجمالی گفتگو کر چکے ہیں اب ہم اس منزل پہ پہنچ چکے ہیں کہ عملی روحانیت کی اعمال و اسباق اور ریاضات آپ کو بتائیں لیکن یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا لازم ہے وہ یہ ہے کہ جو اعمال و ریاضات ہوتے ہیں وہ طالبان عرفان کی کلاس کے مطابق ہوتے ہیں جیسے عام تعلیمی اداروں کی درجہ بندی کی جاتی ہے کہ یہ پرائمری سکول ہے، یہ مڈل سکول ہے، یہ ہائی سکول ہے، یہ کالج ہے، یہ ڈگری کالج ہے، یہ یونیورسٹی ہے اسی طرح اعمال و ریاضات میں درجہ بندی ہوتی ہے اس سے آگے آپ جانتے ہیں کہ پرائمری میں پانچ جماعتیں ہوتی ہیں اسی طرح روحانی سکولز میں بھی پرائمری کے طلبا کی کئی جماعتیں ہوتی ہیں اس لئے ہم سب سے پہلے پرائمری لیول ہی سے آغاز کرتے ہیں

ریاضت اول

دوستو! سب سے پہلے انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ذہن کو ارتکاز (یکسوئی) سکھائے کیونکہ یکسوئی اور ارتکاز روحانیت کے اسباق میں حروف تہجی یعنی الف بائے

وغیرہ کی حیثیت رکھتے ہیں یہ تو آپ جانتے ہیں جو بچہ حروف تہجی وابجد سے ناآشنا ہو وہ الفاظ وعبارت کی شناخت نہیں کرسکتا اسی طرح جو شخص ارتکاز قائم نہ کرسکے گا وہ اسم 11411 کو پالینے کے باوجود اس کی افادیت سے محروم ہی رہے گا

مرحلہ اول

آپ بارہ انچ ضرب بارہ انچ کا ایک ہارڈ بورڈ لیں یعنی ایک فٹ مربع کا ایک لکڑی کا تختہ لیں یا ہارڈ بورڈ کا ٹکڑا لیں جس کی ایک سطح انتہائی ہموار اور صاف ہونا چاہیے پھر اس پر سیاہ رنگ کا پینٹ کروالیں یعنی کسی پینٹر سے اس پر سیاہ رنگ کروالیں جب وہ رنگ سوکھ جائے تو اس کے درمیان میں پنسل سے ایک پانچ انچ کا دائرہ لگا لیں اور اس دائرے کے اندر ایک انچ کا دوسرا دائرہ لگالیں

اب جو پانچ انچ والا دائرہ ہے اسے سفید رنگ کروالیں اور اندر والے ایک انچ کے دائرے کو سیاہ رہنے دیں اور اس سیاہ دائرے میں سفید رنگ سے لکھوادیں ''اللہ'' لیکن خیال رہے کہ اسم اللہ کسی ٹیڑھے خط میں نہیں لکھوانا بلکہ سیدھے خط میں لکھوانا ہے اب یہ ریاضت کرنے کا سامان تیار ہو چکا ہے

ریاضت اس طرح کرنا چاہیے کی رات کو غسل کرکے پاک وطاہر لباس پہن کر قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائیں اور اپنے سامنے اس تختے کو چہرے کے برابر اونچائی پر آویزاں کر دیں اور کمرے میں روشنی ہلکی کردیں مگر اتنی روشنی ضرور ہو کہ وہ دائرہ واضح نظر آئے اس کے بعد دو رکعت نماز ہدیہ شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف پڑھیں اس کے بعد ستر مرتبہ استغفراللہ ربی و اتوب الیہ پڑھ لیں اس کے بعد ایک سو دس مرتبہ پڑھیں

☆بِسمِ اللّٰه الرَّحمٰنِ الرَّحِیم لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیّ العَظِیم
اس میں ہر مرتبہ بسم اللہ ضرور پڑھیں
اس کے بعد اس تختے کے مرکز میں جو اسم ذات ''اللہ'' لکھا ہوا ہے اس پر نظریں جما دیں اور کوشش کریں کہ اس میں آنکھیں نہ جھپکائیں اور دل میں بالکل آہستہ آہستہ پڑھیں
☆لَااِلَہَ اِلَّا اَنتَ سُبحَانَکَ اِنّیِ کُنتُ مِنَ الظَّالِمِین
یہ ریاضت دس منٹ سے شروع کرنا ہے اس کے بعد اسے بڑھاتے رہنا ہے تا اینکہ مکمل ایک گھنٹہ آنکھیں جھپکائے بغیر اسے دیکھنے پر عبور حاصل ہو جائے
ابتداء میں آنکھوں میں پانی آجاتا ہے اور آنکھ جھپکنے کا دورانیہ چھوٹا ہوتا ہے
مگر آہستہ آہستہ یہ دورانیہ بڑھنا شروع ہو جاتا ہے اس لئے ابتدا میں ان چھوٹی چھوٹی مشکلات سے نہیں گھبرانا چاہیے
پہلے پہل جب یہ ریاضت کی جاتی ہے تو اسم اللہ کے بجائے اندر والے کالے دائرے کے کنارے روشن ہونا شروع ہو جاتے ہیں اس کے بعد اسم اللہ روشن ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اندر والا سیاہ دائرہ سفید ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ بھی اے روشن سرکل بن جاتا ہے اور اس میں اسم اللہ اس طرح روشن ہو جاتا ہے کہ نور علیٰ نور بن جاتا ہے
اگر آیہ کریمہ استغراق میں مخل ہو تو خاموش بیٹھنا بہتر ہے مگر اس میں محویت پیدا کرنا لازم ہے اگر اس مرحلے کو جلدی عبور کرنا ہو تو کچھ چیزیں ترک کرنا پڑتی ہیں مثلاً گوشت کھانا اور بدبودار چیزیں مثلاً پیاز لہسن وغیرہ جنسی خواہش کو ترک کرنا پڑتا ہے

اور میٹھی چیزیں بھی کم کرنا پڑتی ہیں
انسان کا دماغ دو طرح کے حواس بنا تا ہے ایک شعوری جو ٹائم اور سپیس میں جکڑے ہوتے ہیں اور ایک لاشعوری جو ٹائم اور سپیس سے آزاد ہوتے ہیں مٹھاس کشش ثقل پیدا کرتا ہے اور نمک کی مقداریں لاشعوری حواس کو متحرک کرتی ہیں جو لوگ میٹھے کے مقابلے میں نمک زیادہ استعمال کرتے ہیں ان کے لاشعوری حواس متحرک رہتے ہیں
میٹھا چھوڑنے سے ایک دو ہفتے اضمحلال رہتا ہے اس کے بعد بھی چند ہفتے طبیعت بے کیف رہتی ہے پھر محسوس ہوتا ہے ہمارا جسم ہلکا پھلکا ہو گیا ہے اشیاء کے مابین فاصلے سمٹ گئے ہیں سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اس کے بعد انسان خوابوں میں اڑنا شروع کرتا ہے اس کے بعد خواب میں پھل اور کھانے کھلائے جاتے ہیں جن کا ذائقہ بیداری پر بھی باقی ہوتا ہے اگر انسان اسی ریاضت کو چند ماہ تک جاری رکھے تو اس سے دوسروں کا ذہن پڑھنا آجاتا ہے یعنی ٹیلی پیتھی بھی اسی سے مل جاتی ہے مگر یہ ایک ابتدائی اور ادنیٰ منزل ہے اس لئے اس پر اکتفیٰ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے آگے ہزاروں بلند مقامات ہیں یاد رہے یہ چیز بعض لوگوں کو چالیس دن میں مل جاتی ہے اور بعض لوگوں کو تین ماہ بھی لگ جاتے ہیں اور ایک نان مسلم کو بھی یہ چیز مل سکتی ہے مگر اسے پورے نو ماہ درکار ہوتے ہیں
جو شخص اگلی منزل کا مسافر ہوتا ہے وہ یہاں اس ریاضت کو صرف قیام ارتکاز تک باقی رکھتا ہے جب اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا ارتکاز قائم ہو گیا ہے تو وہ یہاں وقت ضائع نہیں کرتا بلکہ فوراً اگلی منزل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے

ریاضت دوم

اے مجاہد راہِ خدا!

یہ بات تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جب تم پہلی منزل میں قیام ارتکاز پر عامل ہو جاؤ تو وہاں نہیں رکنا بلکہ دوسرے مرحلے میں فوراً آ جانا کیونکہ یہاں سے روحانیت کے دروازے کھلتے ہیں

اس مرحلے میں اسی پہلے والی ریاضت سے استفادہ کیا جاتا ہے مگر اس میں فرق یہ ہوتا ہے کہ پہلے آپ نے ایک تختے پر اسم ذات ''اللہ'' کو لکھا اور اس پر نظریں جما دیں تا کہ ارتکاز قائم ہو جائے اب وہ ارتکاز قائم ہو چکا ہے تو اب یہاں قیام مراقبہ کرنا ہوتا ہے اس کے آداب و شرائط وہی ہیں جو پہلے مرحلے کے تھے یعنی اسی طرح غسل کرنا ہے پاک لباس اور اولین استغفار کے بعد تختے کو نہیں دیکھنا ہوتا بلکہ اسم ذات ''اللہ'' کو اپنے ذہن میں لکھنا ہوتا ہے اور اس کا مراقبہ کرنا ہوتا ہے

اس ریاضت کا طریقہ یہ ہے کہ رات بارہ بجے کے بعد سے لیکر سحری تک کے وقت میں سے کسی وقت اٹھیں غسل کریں دو رکعت نماز شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ہدیہ ادا کریں اس کے بعد سجدے میں اس طرح ستر مرتبہ استغفار پڑھیں

☆استغفراللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم

اس کے بعد 202 مرتبہ

☆بِسمِ اللّٰہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیم

کی تلاوت کریں

اس کے بعد اپنے ذہن میں اسم ''اللہ'' کو لکھنا شروع کریں یعنی جس خط میں آپ
نے تختے پر لکھوایا تھا اسی خط میں اپنے ذہن کی دیواروں پہ لکھیں اس کا طریقہ یہ ہے
کہ آپ اپنے ذہن کو ایک گنبد کی طرح تصور کریں اور خود کو اس میں بیٹھا ہو تصور
کریں اور اس گنبد کو نیم تاریک تصور کریں اس کے بعد آپ تصور میں انگشت
شہادت کو اٹھائیں اور یوں تصور کریں کہ اس انگلی سے ایک نور کی شعاع نکل رہی
ہے اور آپ اس سے گنبد ذہن کی سامنے والی دیوار پر لکھیں ''اللہ'' یعنی یہ عبارت
آپ کی پیشانی پہ اندرونی طرف لکھی جائے گی اسی طرح چودہ مرتبہ لکھیں
اس کے بعد اسی طریقے سے گنبد ذہن کے داہنی طرف لکھیں پھر بائیں طرف لکھیں
پھر اس کی پچھلی طرف لکھیں یہ عبارتیں چودہ چودہ مرتبہ لکھیں اس کے بعد گنبد ذہن
میں تصور میں اوپر دیکھیں جیسے گنبد میں اندر کی طرف آدمی دیکھتا ہے تو ایک مرکز نظر
آتا ہے بس اسی مرکز میں اسم ''اللہ'' لکھیں اس ریاضت کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اس
دنیا میں مادیت کے کثیف گنبد میں بند ہے
اور اسے معلوم نہیں کہ اس گنبد بے در کے باہر کیا ہو رہا ہے؟ اور وہاں کی فضا کتنی
خوشگوار ہے؟ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ایک تاریک کوٹھڑی میں محبوس ہے اور
باہر اللہ کے انوار کا سمندر موجیں مار رہا ہے لیکن انسان جب اس طرح اسم اللہ کی
عبارت کو لکھتا ہے تو اسے یہ تصور کرنا چاہیے کہ جہاں جہاں یہ اسم ذات اللہ لکھا جا رہا
ہے وہاں سے گنبد پھٹتا جا رہا ہے اور اللہ کے انوار کی کرنیں اندر داخل ہو رہی ہیں
اور وہ ایک ایسے چوزے کی مثل خود کو تصور کرے کہ جو ایک انڈے میں بند ہوتا ہے
اور ایک مخصوص وقت میں وہ اس انڈے کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس طرح

اسم اللہ کے ذریعے وہ اس میں سوراخ کر کے باہر کی دنیا کو دیکھ رہا ہے اور اس طرح اسم اللہ کی ریاضت کے ذریعے وہ ایک دن اس تاریک انڈے سے بالکل باہر آ جائے گا تو اسے احساس ہو گا کہ وہ کتنی چھوٹی اور تاریک دنیا سے نکل کر کتنی وسیع اور روشن دنیا میں آ گیا ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ انسان اس نفسانی و مادی انڈے سے اسم اللہ کی ضربات کے بغیر باہر نہیں آ سکتا

انسان جب اس کی ریاضت میں مصروف ہوتا ہے تو ایک ہفتے کہ اندر اس پر مکاشفات کے دروازے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں یعنی وہ عالم خواب میں بھی خود کو اڑتا ہوا دیکھتا ہے کبھی بہترین مناظر دیکھتا ہے، کبھی کسی ولی کی زیارت کرتا ہے، کبھی اپنے مرشد پاک کو دیکھتا ہے، کبھی قرآنی آیات اللہ لکھے ہوئے دیکھتا ہے اسی طرح خود کو مصروف نماز دیکھتا ہے اپنے مقدسات یعنی علم پاک ،تعزیہ پاک اور دیگر شبیہوں کی زیارت کرتا ہے الغرض انسان بہت کچھ دیکھتا ہے اور اس طرح یہ مناظر اسے سچے خوابوں تک لے جاتے ہیں

ریاضت سوم

دوستو! جب ذہن میں اسم ذات ''اللہ'' کا تصور قائم ہو جائے تو پھر انسان کو اپنے پورے جسم پر اس کا قیام کرنا ہوتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ سابقہ آداب وشرائط کے بعد کمرے میں مکمل تاریکی پیدا کر لیں یعنی ساری لائٹیں بجھا دیں اور خود کو اپنے مرشد پاک کے سامنے موجود تصور کریں اور یہ تصور کریں کہ مرشد پاک پہلے آپ کی پیشانی پہ اپنی انگشت شہادت سے اسم اللہ لکھ رہے ہیں اس طرح چودہ مرتبہ لکھوائیں

اس کے بعد دائیں آنکھ پہ لکھوائیں پھر بائیں آنکھ پہ پھر ہونٹوں پہ زبان پہ سینے پہ پھر دل پہ لکھوائیں اس طرح پورے جسم کے بارے میں تصور کریں کہ مرشد پاک اسم ذات ''اللہ'' لکھ رہے ہیں

یہ ریاضت پورا ایک گھنٹہ کرنا ہے یعنی بار بار اول سے لیکر آخر تک دہراتے رہیں مگر ایک سیٹ چودہ کا ہوگا جہاں بھی لکھوائیں گے وہ چودہ مرتبہ لکھوائیں

اس دوران دل میں ''هو الله العلى'' کا ورد جاری رکھیں

اس کے بعد جب رات کو سونے لگیں تو کمرہ تاریک کرکے اپنی ناف کے مقام پہ اسم اللہ کا تصور کریں اور یہ تصور کریں کہ ناف پر اسم اللہ لکھا ہوا ہے اور اس میں سے روشنی نکل رہی ہے اور اس سے سارا بدن منور ہو رہا ہے اس ریاضت سے آپ میں شیطانی جنسی خواہش کا خاتمہ ہو جائے گا یعنی شیطان کے داخلے کا راستہ بند ہو جائے گا

اس تصور کے دوران بھی ''ھو اللہ العلی'' کا ورد جاری رکھیں

ریاضت چہارم

دوستو! آپ کو اگلی ریاضت کی طرف لے جانے سے قبل میں آپ کو قانون روحانیات سے بھی آگاہ کرتا چلوں

قانون کو سمجھنے کے لئے آپ کو ایک حسی مثال دیتا ہوں کہ جب انسان کسی سے تعارف پیدا کرتا ہے تو اس کے کئی درجات ہوتے ہیں مثلاً آپ نے کسی بڑی شخصیت کا نام سنا ہے اور اس کے خصوصیات وفضائل کو سنا ہے تو یہ تعارف کا پہلا درجہ ہے مگر آغاز

اسی سے ہوتا ہے پھر کسی نے آپ کو بتایا کہ وہ شخصیت آج ٹی وی پہ تقریر کرنے والی ہے اگر تم اسے دیکھنا چاہتے ہوتو آ جاؤ پھر آپ نے اسے ٹی وی پہ دیکھا اس کی تقریر سنی شکل وصورت کا مشاہدہ کیا یہ تعارف کا دوسرا درجہ ہے پھر آپ کو معلوم ہوا کہ وہی شخصیت آج یہاں آنے والی ہے تم اسے قریب سے دیکھنا چاہو تو آ جاؤ پھر آپ نے اسے قریب سے دیکھا اس سے گفتگو بھی ہوئی یہ تعارف کا تیسرا درجہ ہے اس کے بعد کسی نے کہا اس بڑی شخصیت کو ایک ملازم کی ضرورت ہے جو اس کے بعض امور کی نگرانی کرے آپ نے اس کی ملازمت اختیار کر لی یہ تعارف کا چوتھا درجہ ہے پھر ایک دن اس شخصیت نے کہا کہ اب تم میری ذاتی خدمت کرو میرے پاس ہر وقت موجود رہو اور آپ نے یہ خدمت کا درجہ بھی پا لیا تو یہ تعارف کا پانچواں درجہ ہے اس کے بعد اس شخصیت نے آپ کو اپنا نائب قرار دیا اور کہا میرے ملنے والوں سے اب تم ملا کرو اور میری طرف سے باقی ملازمین کو احکام تم جاری کیا کرو اور میرے خارجی امور اب تم سنبھال لو اور آپ کو یہ درجہ بھی مل گیا تو یہ تعارف کا چھٹا درجہ ہے اس کے بعد اس شخصیت نے کہا کہ اب میرے ذاتی امور اور داخلی معاملات میں بھی تم میرے وارث ہو اور میری موجودگی اور عدم موجودگی میں تم میرے وارث ہو تو یہ تعارف کا ساتواں یعنی آخری درجہ ہے اس سے آگے کوئی درجہ نہیں ہے بلکہ اس شخصیت کی ذات ہی ہے

اسی طرح روحانیت بھی ایک طرح سے اللہ جل جلالہ کے تعارف ہی کا نام ہے اس لئے اس کا آغاز اسم ذات اللہ سے شروع ہوتا ہے جب اس کا قیام تصور ہو جاتا ہے تو اس کے بعد اس کے اسمائے مجسم علیہم الصلوات والسلام کی طرف انسان کو پرواز کرنا پڑتی ہے

جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے وللہ الا سماء الحسنی فدعوہ بھا یعنی اللہ کے لئے اس کے کچھ خوبصورت اسماء مخصوص ہیں تم ان کے ذریعے اسے دعوت دو پھر یہاں تک فرما دیا گیا جو لوگ اس کے اسمائے مجسم علیھم الصلوات والسلام سے الحاد کا ارتکاب کرتے ہیں وہ مردود رہتے ہیں اور لاتعداد احادیث میں فرمایا گیا ہے نحن اسماء اللہ الحسنٰی یعنی اللہ کے اسمائے حسنٰی ہم چہاردہ معصومین علیھم الصلوات والسلام ہیں دوستو! یہ اللہ کے جیتے جاگتے زندہ اسمائے پاک ہیں اور گویا انہیں دیکھنا ایسا ہے جیسے اللہ جل جلالہ کو ٹی وی پہ دیکھا جا رہا ہو اسی لئے انہوں نے فرمایا من رانی فقد راء الحق یعنی جس نے ہماری زیارت کی اس نے گویا اللہ کی زیارت کی اور وہ بھی ''زار اللہ علیٰ عرشہ '' یہاں نہیں بلکہ اللہ کی عرش پہ جا کر زیارت کی ہے کیونکہ آج ہم اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں کہ اگرچہ ہم ٹی وی پہ اصل ذات کو نہیں دیکھ رہے ہوتے مگر ہم دراصل اصل ذات ہی کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں اس باریکی کو ہم آج آسانی سے سمجھ سکتے ہیں

دوستو! جب آپ اس منزل چہارم پہ پہنچیں گے تو اس وقت تک آپ پر مکاشفات کے دروازے کھل چکے ہوں گے آپ مشاہدات انوار سے مشرف ہو چکے ہوں گے اور آپ میں کامل محویت و بے خودی Ecstasy پیدا ہو چکی ہو گی اس لئے یہاں جو ریاضت ہوتی ہے وہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوتی ہے اس کے لئے سابقہ مقدمات و آداب و شرائط بحال رکھنے پڑتے ہیں یعنی بعد از نصف شب غسل ، پاک لباس ، پاک غزا، اخلاقی پابندیاں اسی طرح استغفار اور لا حول ولا قوۃ پڑھنا پڑتا ہے اس کے علاوہ جو ہے وہ یہ ہے کہ جب مصلیٰ پہ مہیائے ریاضت ہو جائیں تو اس

سے قبل جس طرح اسم اللہ کا تصور کیا تھا اور ایک ایک عضو پر لکھا تھا اسی طرح اسم ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کو پہلے گنبد ذہن میں لکھیں اس کے بعد سابقہ طریقے پر لکھتے چلے جائیں

جب آپ ریاضت کر رہے ہوں تو اس ریاضت کے دوران دل ہی دل میں صلوات کاملہ کا ورد جاری رکھیں کیونکہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ''جس نے ہمارا نام پاک لکھا ہوا دیکھا ہے یا کسی سے سنا ہے یا خود زبان پر لایا ہے اور اس نے صلوات نہیں پڑھی تو اس نے (نصیبِ دشمناں) ہم پر جفا کی ہے اس لئے اس تصور میں کیونکہ حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک کا تصور ہوتا ہے اس لئے یہاں صلوات کا ورد واجب ہے اور صلوات کاملہ اس طرح پڑھیں

☆یَا رَبَّ مُحَمدٍؐ وَآلِ مُحَمدؐ صَلِ عَلیٰ مُحَمدٍؐ وَّآلِ مُحَمدؐوَ عَجِل فَرَجَ آلِ مُحَمّدؐ

یہ یاد رہے کہ صلوات کاملہ مبتر سے منع فرمایا گیا ہے یعنی جس صلوات میں آل پاک پر صلوات نہ ہو وہ صلوات قبول نہیں ہوتی

آپ ان آداب و شرائط اور مقدمات کے ساتھ جب ریاضت کریں تو آپ چند دنوں میں بارگاہِ سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچ جائیں گے اور ان کے دربار اور بزم قدسی کی حاضری کا سلسلہ شروع ہو جائے گا یہاں آپ کو اولیائے کرام اور اصحاب و انصار کی زیارت بھی نصیب ہو گی

اس ریاضت میں اگر تنفس اور تحبس کی ریاضات بھی شامل کر لی جائیں تو مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے ہونا شروع ہو جاتا ہے بلکہ ہر ریاضت کے ساتھ اگر تنفس کو شامل کیا جائے تو ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے

ایک وضاحت

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تمہاری دوسری منزل ہے یہاں قیام کے لئے رکنا مناسب نہیں ہوتا کیونکہ بعض لوگ اسی کو منزل مراد سمجھ کر یہاں کے مشاہدوں میں کھو جاتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھ لیتے ہیں اور یہی مشاہدات ان کے لئے حجابات بن جاتے ہیں حالانکہ یہ بھی ایک عظیم سعادت ہے مگر جب کوئی سعادت کسی بڑی سعادت میں مانع ہو جائے تو اس کی اچھائی کا مقام باقی نہیں رہتا جیسے اگر کوئی شخص نماز میں مصروف ہو اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد فرمائیں اور وہ نماز کو جاری رکھے تو یہ نماز اپنی ساری سعادتیں کھو دیتی ہے اور یہ اچھائی کے بجائے برائی کے دائرے میں آ جاتی ہے اسی طرح مشاہدہ انبیاء و اولیاء، مشاہدہ بزم قدسی، مشاہدہ عرش و کرسی و لوح و قلم اگر جمال اعلیٰ اور مشاہدہ بالا میں مانع ہو جائیں تو پھر یہ اپنا استحسان کھو دیتے ہیں اور اس مقام کے حامل کے لئے حجاب بن جاتے ہیں اور ہر حجاب خیر نہیں بلکہ ایک شر ہے

ضروری ہدایات

اس بات کا خیال رکھنا لازم ہے کہ جب آپ ریاضت کرنے بیٹھیں تو اس وقت پیٹ کا خالی ہونا ضروری ہے یعنی رات کو کھانا جلدی کھا لیں اور کھانا کھانے کے تقریباً پانچ یا چھ گھنٹے بعد ریاضت کریں اور اس کے درمیان میں کوئی چیز کھانا پینا مناسب نہیں ہے

ایسے تو رات کا ایک گھنٹہ آپ نے ریاضت میں لگانا ہی ہے مگر دن کو یا رات کو جب

بھی سوئیں دس منٹ تک ریاضت دہرالیں
عرفاء وفقراء عام طور پر اسی مقام تک بیان فرماتے ہیں اور آگے کے مراحل کو بیان نہیں کرتے اور عام طلباء اس سے آگے جانے کی سوچ ہی نہیں سکتے ہاں جو استعداد کامل رکھنے والے طالب صادق ہوتے ہیں عرفاء وفقراء اسے اگلی منزل تک لے جاتے ہیں یہ مقام حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے یہاں انسان ان کی بزم قدسی میں پہنچ جاتا ہے مگر یہ بزم عامی ہوتی ہے یعنی جیسے ان کے ظاہری زمانہ حیات میں مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک بزم ہوتی تھی اس میں مومنین کے پہلو میں منافقین بھی نظر آتے تھے اصحاب اخیار کے ساتھ اصحاب اشرار بھی دیکھے جا سکتے تھے، صاحبان عرفان کے ساتھ صاحبان انکار بھی موجود ہوتے تھے اسی طرح جب روحانیات کے سفر میں جب یہ بزم ملتی ہے تو وہاں ایک طالبِ مولیٰ کو اسی حقیقت کو سمجھ کر جانا چاہیے کہ اس مدرکات میں کسی کا نظر آنا اس کی عظمت اور شان کا آئینہ دار نہیں ہے کیونکہ منافقین دربارِ رسالت میں موجود ہوتے تھے اور ان کی موجودگی ان کے مومن ہونے کی دلیل نہیں تھی جو آج بھی نہیں ہے بلکہ ایک عارف کو سوچنا چاہیے کہ اسے اس بزم میں داخل ہونا ہے جہاں غیر کا وجود نہ ہو صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل کے سوا کوئی نہ ہو اور اس تک رسائی کے لئے مزید آگے جانا ہوتا ہے

ریاضت پنجم

اے مجاہد اکبر!
اب تمہیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ نور کے اندر داخل ہونا ہے اب اسم

سے مسمّٰی کی طرف جانا ہے اور اس کے لئے اسم امیر المومینن علیہ الصلوات والسلام کو وسیلہ بنانا پڑے گا کیونکہ حدیث صحیح میں آیا ہے

انا مدینة العلم وعلیؑ بابها ()انا مدینة الحکمة وعلیؑ بابها

یعنی ہم علم وحکمت کے شہر ہیں اور امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام اس کا دروازہ ہیں اور انسان کسی شہر میں دروازے ہی سے داخل ہوسکتا ہے اگر کسی دیوار کو پھاندے گا تو مجرم ہوگا اس لئے خلوتِ نبوت میں داخلے کے لئے اس دروازے تک جانا لازم ہے اور اسی لئے سارے مسالکِ فقر وتصوف کے سلسلہ ہائے طریقت میں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو یہی مقام دیا گیا ہے اور ہر سلسلے کی آخری کڑی امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ہی ہیں اور جس سلسلہ طریقت کی آخری کڑی یہ جناب نہ ہوں اسے ناقص ماننا چاہیے کیونکہ وہ ایک مسافر عرفان کو کفایت نہ کرسکے گا اور کہیں راستے میں چھوڑ دے گا یعنی اس بزم عامی سے آگے لے جانے کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہ ہوگا

جن لوگوں کو اولیائے کرام کے ملفوظات پڑھنے کا اعزاز حاصل ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسول ہند خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیاء، خواجہ فرید حضرت بوعلی قلندر پانی پتی، حضرت شہباز قلندر، حضرت باہو سلطان رحمۃ اللہ علیہم اجمعین امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے فضائل اور ان کے اس مرتبے کا کتنا واضح اقرار کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ کوئی اس دروازے سے گزرے بناں آگے نہیں جاسکتا

اس کے لئے مختلف اولیائے کرام مختلف ریاضتیں منتخب فرماتے تھے بعض دعائے ناد علیؑ کبیر یا صغیر کی دعوت کا حکم دیتے تھے یعنی ناد علیؑ کبیر ایک سو دس مرتبہ روزانہ پڑھنے

کا حکم دیتے تھے اور ترکیات جلالی و جمالی و ترک حیوانات کے ساتھ ایک سو دس دن تک کا عمل دیا جاتا تھا

ریاضت

مقدمات وشرائط وآداب کے بعد تنہا کمرے میں تاریکی کرلیں اور تصور میں اسم علیؑ کو سفید چاندنی جیسے رنگ میں لکھا ہوا دیکھیں اور اسے گنبد ذہن میں چاروں طرف لکھیں اور تصور کریں کہ مرشد پاک کی توجہ سے یہ اسم پاک نورانی ہوکر پورے ذہن کو جگمگا رہا ہے اور دل میں آہستہ آہستہ ورد کریں

یاھو یا من ھو لا ھو الا ھو

چند دنوں میں یہ نام پاک ذہن میں روشن ہو جائے گا اور مظہر العجائب علیہ الصلوات والسلام کے عجائبات کا مشاہدہ ہونا شروع ہو جائے گا، ماضی حال مستقبل ایک کھلی کتاب کی طرح سامنے آ جائے گا، ازل وابد کے راز منکشف ہونا شروع ہو جائیں گے، اپنا وجود معدوم ہوتا محسوس ہوگا اور امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے نور کے علاوہ کوئی موجود نظر نہ آئے گا اور انسان خود کو اس میں فنا ہوتا ہوا محسوس کرے گا اور فنائے کامل تک پہنچے گا تو ''ھوھو'' ہوگا اور نحن کا وجود نہ رہے گا

یہ ریاضت ایک گھنٹہ رات کو کریں اور سونے سے قبل اسے اس وقت تک جاری رکھیں جب تک نیند نہ آجائے یعنی اسے بستر پہ سوکر دہرائیں چاہے دن کو سوئیں یا رات کو۔ اس کے شرائط میں قدرے سہولتیں بھی ہیں یعنی ترکیات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے بس مباشرت سے پرہیز کریں اگر اس میں ترکیات کو شامل کریں

گے تو جلدی منزل پہ پہنچ جائیں گے اگر ترکیات میں کمی بیشی ہو گی تو منزل پہ تو پہنچ تو جائیں گے مگر وقت زیادہ لگے گا یعنی نورانیت کا سمندر اور عجائبات تو بیس دنوں میں نظر آنا شروع ہو جائیں گے مگر مقام فنا و بقا تک جاتے جاتے زیادہ دن لگ جائیں گے

ریاضت ششم

دوستو! اس ریاضت کو میں یہاں لکھ رہا ہوں مگر اس کے لئے تاکید کروں گا کہ اسے بغیر مرشد کی رہنمائی کے بالکل نہ کریں اور اس کے لئے لازم ہے کہ کسی ایسے شخص کی سرپرستی میں کریں کہ جس نے یہ مرحلہ کسی مرشد کامل کی نگرانی میں طے کیا ہوا ہو کیونکہ یہ ریاضت ایک دو دن کی نہیں پورے تین ماہ کی ہے اور اس میں تین طرح کے دور آتے ہیں جب اس ریاضت کو انسان شروع کرتا ہے تو دس سے بیس دن کے اندر اندر اس پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ سارا دن روتا رہتا ہے اور یہ مرحلہ بکا عام آدمی طے نہیں کر سکتا اور طے کر بھی لے تو اس کے خاندان والے اسے پاگل سمجھنا شروع کر دیتے ہیں

اس کے بعد جب مرحلہ بکا ختم ہوتا ہے تو پھر انسان پر مرحلہ ضحک شروع ہو جاتا ہے یعنی پھر انسان سارا دن ہنستا رہتا ہے اور اس پر ہنسی کے شدید دورے پڑتے ہیں

اس میں بھی اہل خانہ پریشان ہو جاتے ہیں اور اسے پاگل خانے میں داخل کروانے کی سوچنے لگتے ہیں اس لئے جب مرشد سر پہ ہوتا ہے تو وہ سارے لوگوں کی کاروائیاں رکوا دیتا ہے اور اسے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے

جب مرحلہ ضحک ختم ہوتا ہے تو اس کے بعد مرحلہ سکوت شروع ہو جاتا ہے اور اس

دوران انسان پر ایک اٹوٹ خاموشی چھا جاتی ہے وہ کچھ بول بھی نہیں سکتا اور نہ کسی دوسرے شخص کی بات سمجھ سکتا ہے

اسی مرحلہ سکوت کے دوران مراحل فنا و بقا آتے ہیں اور اس میں انسان بے حس و حرکت ایک جگہ پہ پڑا رہتا ہے اور اس کا جسم گویا مفلوج ہو جاتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کوئی ہاتھ لگا رہا ہے یا کوئی مچھر یا چیونٹی کاٹ رہی ہے وہ ذات اِلٰہی میں جذب ہو جاتا ہے اور اس کا احساس اذیت ختم ہو جاتا ہے اور اس طرح اس ریاضت کے تین ماہ پورے ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد انسان جب واپس اس جیتی جاگتی دینا میں آتا ہے تو پارس ہو کر آتا ہے

ریاضت

اس ریاضت کا طریقہ یہ ہے کہ اولین دنوں اسے روزہ رکھنا پڑتا ہے اور افطار کے لئے رزق حلال لازم ہے اور اس کے بعد رات کے وقت پاس انفاس کے ساتھ دل ہی دل میں کہنا پڑتا ہے ''یا علیؑ'' یعنی جب سانس خارج کرے تو کہے ''یا'' اور اس لفظ کو زباں سے ادا نہیں کرنا بلکہ دل میں ادا کرنا ہے اور جب تک سانس ہونٹوں سے باہر جاتی رہے اس وقت تک ''یا'' کو بڑھانا ہے اور جب سانس واپس سینے میں داخل ہونے لگے تو کہے ''علیؑ'' یہ سب کچھ دل ہی دل میں کہنا ہے اور اسے سانسوں کی لے پہ قائم کرنا ہے تاکہ ہر سانس شعور ہو جائے اس طرح دس پندرہ دن میں ایسا ہو گا کہ آپ چاہے کسی سے بات بھی کر رہے ہوں گے تو بھی دل ہی دل میں سانسوں کی آمد و شد کی لے کے ساتھ اسم ''یا علیؑ'' کا ذکر ہوتا رہے گا اور یہ چوبیس

گھنٹے کی ریاضت ہے یعنی جب بھی جاگنا ہے اور جب تک جاگتے رہنا ہے یہ ورد دل ہی دل میں کرنا ہے تا اینکہ یہ دل میں جاری ہو جائے اور کوئی سانس اس ترتیب کے بغیر نہ آئے اور اس کے لئے صرف چند دن مشکل ہوتی ہے اس کے بعد یہ انتہائی آسان ہو جاتا ہے اور جب یہ ذکر جاری ہو جاتا ہے تو پھر انسان نیند میں بھی غافل نہیں ہوتا بلکہ اس کی سانسوں کی لے پہ یہ ذکر پاک ہوتا رہتا ہے اور یہ پورے تین مہینے کی ریاضت ہے اور اسے درمیان میں نہیں چھوڑنا ہوتا ورنہ ہمیشہ کے لئے جذب ہو جاتا ہے

جب آدمی اس ریاضت سے گزرتا ہے تو عالم ملکوت تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے اور صاحبِ کشف و کرامات ہو جاتا ہے کوئی بیماری ایسی نہیں ہوتی کہ جسے وہ دور نہ کر سکے کوئی دنیا کا کام ایسا نہیں ہوتا کہ جو وہ کر نہ سکے وہ آدمی متصرف بالامور ہو جاتا ہے گویا انسان دم عیسیٰ علیہ السلام کا حامل ہو جاتا ہے

منزلِ مراد

اے مجاہدانِ راہ عشق !

اب وقت ہے کہ ہم آپ کو منزلِ مراد تک جانے کا سبق دیں

یہ منزل سب سے اونچی ہے اس لئے اس کی ریاضت بھی کٹھن ہے کیونکہ یہ بھی پورے تین مہینے کی ریاضت ہے اس کا طریقہ وہی ہے جو ہم نے اس سے پہلی ریاضت میں بیان کیا ہے یعنی پاس انفاس کے ساتھ یہاں بھی ذکر ہوتا ہے مگر یہاں ذکر بدل جاتا ہے

یعنی جب سانس خارج کی جاتی ہے تو دل ہی دل میں کہا جاتا ہے ''یا'' اور جب سانس واپس سینے کی طرف لائی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے ''صاحب الزمانؑ''
اسے بھی قائم کرنا پڑتا ہے اور اس ذکر پاک کو اس طرح قائم کرنا ہوتا ہے کہ دن کا کوئی لمحہ کوئی سانس اس کے بغیر نہ گزرے اور اس ذکر کے قائم کرنے والے عرفا کا قول ہے کہ ''جو دم غافل سو دم کافر'' یہ منزل اسی ذکر پاک سے حاصل ہو جاتی ہے
اس کے ساتھ ہر روز روزہ رکھنا لازم ہوتا ہے، ترکیات جلالی و جمالی بھی کرنا لازم ہوتے ہیں
اس ریاضت کے دوران کسی جانور کو نقصان پہنچانا حتیٰ کہ مکھی و مچھر تک کو مارنا مناسب نہیں ہوتا، کسی درخت کو نقصان پہنچانا یا کسی پودے کا پتہ توڑنا، لکڑی کاٹنا یا ترکاری کو کاٹنا بھی منع ہوتا ہے
کسی جانور سے پیدا ہونے والی غذا یعنی دودھ، چھاچھ، گھی، اون کا لباس، چمڑے کی جوتی تک استعمال کرنا منع ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر گندم یا کوئی فصل جانوروں کے ذریعے بوئی گئی ہو یا اسے بار کیا گیا ہو یا اس کی گہائی ہوئی ہو تو اس کا استعمال بھی درست نہیں ہوتا، جملہ اخلاقی برائیوں کے قریب نہیں جانا ہوتا
اگر کوئی انسان گالی بھی دے تو جواباً صلوات پڑھنا ہوتی ہے اگر تھپڑ بھی مارے تو صلوات کے علاوہ کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا حتیٰ کہ کتا بھی کاٹے تو اسے بھی ڈرانا منع ہوتا ہے
خود کو رضائے اِلٰہی کے ماتحت کر دینا پڑتا ہے اور خالق کو اپنے ذہن کے مطابق مشورے نہیں دیئے جا سکتے بلکہ وہ جانے اور اس کا کام ہمارا کام صرف ریاضت کرنا ہے

لباس میں سادہ کھدر کا لباس ہو، زمین پر سونا ہوتا ہے، نیچے جو چیز بطور بچھونا ڈالیں وہ بھی کھدر کی ہو یا کاٹن کی ہو، خواہشات نفس کی مخالفت کرنا لازم ہوتا ہے کیونکہ لا الہ الا اللہ کا مقصد ہی نفس امارہ کی حکومت کا خاتمہ ہے

دوستو! اس ریاضت میں بھی مراحل بکا وضحک وسکوت وفنا وبقا آتے ہیں اس لئے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جو آدمی ریاضت کو جاری رکھتا ہے وہ اپنی منزل کو پالیتا ہے اور اس منزل کی کیا شان ہے میں یہاں بیان نہیں کرسکتا کیونکہ یہ تو دیکھنے کی چیز ہے اور اس کا بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے

تاکید مزید

دوستو! یہ ریاضات کرتے ہوئے اس بات کا خیال رہے کہ بیک وقت ایک ہی ریاضت کریں اور اس دوران کوئی دوسری ریاضت یا عمل یا وظیفہ نہ کریں

نماز کی حفاظت کریں اور کوشش کریں اول وقت میں ادا ہو

حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھیں

کوشش کریں کہ خلوت میں رہیں اور ریاضت کے عرصے میں لوگوں سے ملنا جلنا ترک کردیں تاکہ کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو

اگر دوران ریاضت خوف طاری ہو تو بالکل نہ ڈریں اور اگر کوئی چیز ڈرانے آئے تو کہہ دیں تو میری منزل نہیں ہے میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے میں تو اس جنگل سے گزرنے والا ایک مسافر ہوں تو واپس چلی جا

اس ریاضت کی رجعت نہیں ہوتی اس لئے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے

اس دوران شیطانِ ملعون کئی مسائل پیدا کرتا ہے اور دنیاوی پریشانیوں کو پہاڑ بنا کر سامنے کھڑا کر دیتا ہے آپ نے کسی پریشانی کو ذہن پر مسلط نہیں کرنا اس سے وہ پریشانی خود بخود بھاگ جائے گی

اس دوران لاتعداد مکاشفات ہوتے ہیں ان میں سے کسی مکاشفے کو مرشد کے علاوہ کسی کو نہ بتائیں

اس دوران آزمائشی حکم بھی ہوتے ہیں فرمان بھی ہوتے ہیں وہ اگر شرع کے لحاظ سے درست ہوں تو ان پر عمل کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات آزمانے کے لئے ایسے احکامات دے دیئے جاتے ہیں جو اس کی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے ہوتے ہیں یا اس کے دین کو آزمانے کے لئے ہوتے ہیں تو وہاں توقف کرنا لازم ہوتا ہے اور ان پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ مرشد سے اس کے بارے میں رہنمائی لی جاتی ہے

اس دوران کئی معارف عطا ہوتے ہیں انہیں حق ماننا واجب ہوتا ہے

اس ریاضت کے دوران اپنے خیالات کا مرکز شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو بنائے رکھنا پڑتا ہے اور ان سے کسی لمحہ غافل نہیں ہونا پڑتا

اگر آپ نے ان باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اس ریاضت کو کر لیا تو پھر آپ کے سامنے کائنات کے سارے خزائن اور مکاشفات اور کرامات ایک معمولی چیز بن کر رہ جائیں گے اور آپ اپنی اس منزل مراد کو پالیں گے کہ جو اس دنیا میں اولیائے کرام میں سے بھی خواص اولیاء کرام کو حاصل ہوتی ہے اور آپ کا دل تصرف سے سیراب ہو جائے گا اور عرفان کامل معجزات کی سکت ہی نہ چھوڑیں گے بلکہ ملاء الاعلیٰ کی رہائش آپ کو اس دنیا کے بدبودار ماحول میں اترنے ہی نہ دی گی اور آپ سراپا

ایک فیض بن جائیں گے اور اس منزل کو پالیں گے کہ جو اولین و آخرین کے لئے اعلیٰ ترین منزل ہے

حرفِ آخر

دوستو! میں نے اس میں بہت سی باتیں کی ہیں اور اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ جو میں نہیں کر سکا اور مجھے خطرہ تھا کہ اس کتاب کو کوئی دنیا کی مرادات کا دلدادہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال نہ کرے اس لئے میرے سامنے یہی ایک راستہ تھا کہ اسرار روحانیت و عرفانیات کو اس حد تک کھولا جائے کہ جہاں تک کوئی اس سے فائدہ اٹھا سکے اور اس سے سوئے استفادہ نہ کر سکے سو وہ اتنا ہی تھا کہ جتنا میں نے بیان کر دیا ہے اس سے آگے جو کچھ ہے اس کے لئے مرشد کامل کی سرپرستی کے بغیر پہنچنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے

جب میں نے اس باب کو لکھنا شروع کیا تو اپنے عزیزان سے یہ مشورہ کیا کہ ہمیں بات کہاں تک کھولنا چاہیے کیونکہ جو فقراء کا طریقہ تھا اس میں ابتداء سے ایک مجاہد بالنفس کو سب کچھ دیا جاتا تھا کیونکہ جب تک طالب انوار الٰہی کے دل میں دنیا کو پانے کا احساس رہتا ہے وہ آگے نہیں جا سکتا اور وہ دنیا کے لئے ترستا رہتا ہے اس لئے میں نے سوچا تھا کہ ایک طالب صادق کو کامل کرنے کے لئے ہر اس چیز کو پانے کا طریقہ لکھ دینا چاہیے کہ جو اس راستے میں پڑی ہوئی ملتی ہے تاکہ وہ ان خرف ریزوں کو پالے گا تو اس کے دل میں اس دنیا کے خزائن کی تشنگی نہ رہے گی مگر اس کے ساتھ ہی یہ خطرہ بھی نظر آیا کہ کہیں کسی دنیا پرست نے انہی خرف ریزوں کو اپنا سب

کچھ بنالیا اور وہیں بیٹھ کر کرتب اور کرشمہ بازی سے حصول دنیا میں مصروف ہو گیا تو
اس کی ہلاکت کے ذمہ دار بھی ہم ہی ہوں گے اس لئے پھر یہ مشورہ پاس ہوا کہ ہمیں
ان چیزوں کو یہاں نقل نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے کوئی دنیا پرست فائدہ اٹھا کر عوام
کو مورد ہلاکت میں ڈالے اس لئے پھر میں نے یہاں ان چیزوں کو درج نہیں کیا
کیونکہ ہمارا مقصد تو یہ تھا کہ کسی طرح سے انسان اپنے مالک حقیقی سے واصل ہو
جائے نہ کہ اس دنیا کی گندگی میں پھنس جائے اور پوری زندگی یہی گندگی کھاتا رہے
اور اس میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آپ کس طرح اپنے لئے مرشد حق کو تلاش کر سکتے ہیں
اور اسے پانے کا کون سا درست اور بے خطر طریقہ ہے اس پر عمل کرنے سے کوئی بھی
انسان ہلاکت میں مبتلا نہیں ہوگا بلکہ اسے وہی مرشد ملے گا جو کہ شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کا حقیقی نائب ونمائندہ ہوگا اور جو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے متصل بالنورانیت ہوگا
آخر میں سب قارئین سے التماس دعا کرونگا کہ آپ دعا کریں کہ وہ وقت جلدی
آئے کہ جب اللہ کا نور خالص اس دنیا پر جلوہ فرما ہو کہ جس کے جملہ انبیاء و اولیاء و
اوصیاء ہمیشہ سے منتظر ہیں

جب ان کا ظہور اجلال ہوگا تو پھر انسان کو حقیقی معرفت اور انسانیت کو حقیقی کمال حاصل
ہو جائے گا اور ان کے دور میں کوئی بھی انسان مشاہدہ انوار الٰہی سے محروم نہ ہوگا اور
ان کے زمانے میں اللہ کا خالص دین ہی رائج ہوگا دعا کریں وہ زمانہ جلدی آئے

﴿ آمین یارب العالمین ﴾

یارب محمدؐ و آل محمد صل علیٰ محمد و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ بقائمھم
عجل اللہ فرجہ الشریف و صلوات اللہ علیہ